بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یؤتی الحکمۃ من یشاء ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا

رسالہ

منازل فقر

مع شرح

من تصنیف

اعلیٰ حضرت مولائی و مرشدی الحاج مولوی محمد امین صاحب

اویسی، قادری، قلندری، قریشی، کشمیری رحمۃ اللہ علیہ (کاشیر و کشمیر)

از افاداتِ حضرت جناب سید محمد نور الزمان شاہ صاحب اویسی رضی اللہ عنہ

سرچشمۂ فیوضِ ظاہری و باطنی، واصل باللہ، ثانی قطب الاقطاب اویسی

کوٹ چاندنہ شریف، کالا باغ، ضلع میانوالی

شارح

جناب محمد نور الدین اویسی رحمۃ اللہ علیہ

يُؤتِي الحِكمَةَ مَن يَشَاءُ وَمَن يُؤتَ الحِكمَةَ فَقَد أُوتِيَ خَيرًا كَثِيرًا

رسالہ

منازلِ فقر
صدق

(مع شرح)

من تصنیف

اعلیٰ حضرت مولائی و مرشدی الحاج مولوی محمد امین صاحب
اویسی، قادری، قلندری، قریشی، کشمیری رحمۃ اللہ علیہ (کاشیرہ، کشمیر)

مرید و خلیفہ حضور جناب سید محمد نور الزمان شاہ صاحب عالی جاہ رحمۃ اللہ علیہ
بحر ذخیرۂ علوم ظاہری و باطنی، فاضل لاثانی قطب الاقطاب اویسیؒ
کوٹ چاندنہ شریف، کالاباغ، ضلع میانوالی

جسے کو

راجہ سخی ولایت خان صاحب مرحوم نے بغرض "ضبط منازل" خصوصی طور
طالبان راہِ معرفت اور خصوصاً غلامانِ حلقۂ اویسیہ عالیہ شائع کیا۔

سلسلہ اویسیہ پبلیکیشنز نمبر ۵

چھٹا ایڈیشن

تاریخ طباعت ــــــــــــ جنوری ۲۰۱۴ء

کتابت ــــــــــــ محمد صدیق گلزار (لاہور)

ــــ شارح : ــــ

جناب محمد نورالدین اویسی امینیؒ (کشمیری)

شعبہ نشر و اشاعت سلسلہ اویسیہ

۴۰۴ ۳ - لنک روڈ ایبٹ آباد (ہزارہ) پاکستان

فہرست عنوانات

دیباچہ ایڈیشن ششم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاٰلِہٖ وَسَلِّمْ

"رسالہ منازلِ فقر" الحاج مولوی محمد امین اویسی قطب الاقطاب رحمۃ اللہ علیہ کی معرکۃ الآرا فارسی شعری تصنیف ہے۔ جس میں جیسا کہ نام سے ظاہر ہے فقر کی منازل۔ جن کو عوام کے لیئے شجرِ ممنوعہ اور سربستہ راز کہا اور سمجھا جاتا رہا۔ کو بڑے دل نشین انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

فی زمانہ برِصغیر اور یورپ میں فارسی زبان کا چلن تقریباً مفقود ہونے سے اس گوہر بے بہا سے استفادہ محال تھا۔ اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے قبلہ و کعبہ محمد نورالدین اویسی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے عام فہم اور موثر انداز میں اس کی تشریح کی کہ یہ ایک منفرد اور جامع کتاب بلکہ عوام و خواص کے لیے ایک کسوٹی بن گئی — خواص یعنی ولایت اور روحانیت کے دعوی داروں کے لیئے اس طرح کہ جب تک وہ ان اسرار سے جن کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ کلی طور بامشاہدہ آگاہ نہ ہوں۔ ان کے لیئے قطعاً جائز نہیں کہ وہ ولایت کا دعویٰ کریں۔ یا لوگوں کو بیعت کریں۔ یا ان کو صاحبِ معرفت کرنے کی ذمّہ داری اپنے سر لیں۔ کیونکہ وہ اس کے اہل ہی نہیں — اور عوام الناس کے لیئے اس طرح کہ وہ ولایت کے دعوی داروں میں ان خصوصیات کو تلاش کریں۔ کہ آیا یہ شخص مقامِ فنا و قربِ الٰہی معرفتِ الٰہی اِس حد تک پا چکا ہے کہ اسے ولی اکمل کا درجہ حاصل ہو!۔ کیونکہ بیعت

اور حصولِ معرفت ولی اکمل ہی سے ہو سکتی ہے۔ متذکرہ کتاب میں قبلہ و کعبہ محمّد نُورالدین اویسی رحمۃ اللہ علیہ نے تشریح کے ساتھ ساتھ پیشِ لفظ۔ فلسفہ ہمہ اوست و ہمہ از اوست کی تفصیلی۔ تمثیلی خاکہ جات کے ذریعہ وضاحت اور تخلیق کائنات کے ابواب کا انتہائی سُود مند اضافہ کیا ہے جو یقیناً بے مثل اور لاجواب ہیں۔ آپؒ نے بے شک اِس مُشکل اور ادق مضمون کو عام قاری کے لیئے عام فہم اور دل نشین بنانے کا حق ادا کر دیا ہے۔

"رسالہ منازلِ فقر مع تشریح" کے متعدّد ایڈیشن زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکے ہیں۔ اب چونکہ کمیابی کی وجہ سے اِس کی زبردست مانگ ہے۔ اِس لیئے اس کا ایڈیشن ششم شائع کیا جا رہا ہے۔ جس میں گذشتہ ایڈیشن میں آیاتِ قرآنی۔ احادیث نبویؐ کے اعراب و حوالہ جات وغیرہ اور کتابت میں پائی جانے والی اغلاط کی درستگی کر دی گئی ہے۔

دُعا ہے۔ کہ "رسالہ منازلِ فقر مع شرح" متلاشیانِ حقیقت و معرفت کو صراطِ مُستقیم پر گامزن کرنے میں راہنما ممد و معاون ہو۔ امین

(وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی)

العارض

(۱) محمد بشیر اویسی

(۲) ریاض احمد خیال اویسی

از غلامانِ قبلہ و کعبہ حضرت محمد نور الدین اویسی امینی کشمیریؒ

۸ ربیع الاوّل ۱۴۳۵ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

چودھویں صدی کے اس نازک ترین دور میں جبکہ قرآن و حدیث کا علم غیر مذاہب کی لائبریریوں عجائب خانوں اور مغربی محققین کے سائنسی اداروں کی زینت بنا ہوا ہے۔ مسلمانوں کا بہتّر سے زائد فرقوں میں بٹ کر رہ جانا انتہائی افسوس کا باعث ہے۔ اس پر طرّہ یہ کہ ہر فرقہ نے اپنی اپنی سوچ کے مطابق علم القرآن کی شرح کر کے مختلف عقائد و نظریات پیدا کر ڈالے ہیں۔ یوں تو سبھی اپنے آپ کو مومن کہتے ہیں۔ اور ہر فرقہ اپنے عقائد کو مبنی بر حقیقت تصوّر کرتا ہے۔ لیکن عقائد کے تضاد و تصادم کی بدولت جماعت بندی اور محاذ آرائی کے اس ماحول میں یہ کہنا مشکل ہے کہ کونسا علم اور کونسا طریق اصل ہے۔؟ اور انسان یہ فیصلہ کرنے سے قاصر ہے۔ کہ ان فرقوں میں سے کس فرقہ کے علم سے استفادہ حاصل کرے؟ جبکہ ہر فرقہ اپنے عقائد کی صداقت اور دوسرے فرقوں کے عقائد کی تکذیب کے لیئے قرآن و حدیث سے ہی مواد پیش کر رہا ہے۔ ان حالات میں انسان شبہات میں گھر کر رہ جاتا ہے۔ کہ ایسی آیات یا ایسی احادیث جو ایک فریق کی طرف سے ایک عقیدہ کی صداقت کے لیئے پیش کی جاتی ہیں تو دوسرے فریق کی طرف سے یہی آیات اور یہی احادیث اُسی عقیدہ کی رد میں پیش کی جاتی ہیں یہ کس حد تک ضعیف یا صحیح ہیں؟ جبکہ یہ احادیث صحاح ستّہ سے ہی لی جاتی ہیں۔

علمائے اسلام جن پر دین کے اجراء اور اصلاحِ اُمّت کی ذمّہ داریاں عائد ہوتی ہیں

اپنی ذمہ داریوں کو محسوس نہیں کرتے۔ اور اگر کرتے بھی ہیں تو زندگی کی حقیقتیں اور شرعی پابندیاں انہیں اپنے کردار سے بے خبر رہنے پر مجبور کر دیتی ہیں۔ اور یوں وہ حقیقی علمائے امت کی حیثیت سے صحیح معنوں میں تبلیغ و ارشاد کا کام نہیں کر پاتے۔ شریعت نے عالم امت کے لئے جو مقام مقرر کیا ہے۔ وہ اپنے آپ کو اس مقام کے اہل ثابت نہیں کر پاتے چونکہ عالم امت کی صفت نائبِ رسولؐ اور قائم مقام رسولؐ ہوتی ہے۔ اور قائم مقام رسولؐ کے لئے اسوۂ رسولؐ پر کلی طور پر پابند ہونا ضروری ہے۔ اس لئے عالم امت کو علمِ قرآن و حدیث اور فقہ کی تحصیل کے ساتھ فقہِ قلبی۔ مشاہدۂ قلبی تزکیہ (تقویٰ) اور مجاہدہ حاصل ہو۔ تاکہ اس کے کلام میں قوام پایا جائے۔ جس سے قلوب متاثر ہو کر حقیقت کی طرف رجوع کریں۔ ایسے عالم امت کا ذاتی عمل فقہِ قلبی کے ساتھ ہو۔ تاکہ دین میں اس کا ذاتی اجتہاد اور عقلی تاویل قابلِ قبول ہو۔ ورنہ ان صفات سے عاری عالم، اپنی عقلی تاویلوں میں فروعی نظریات پیدا کر کے وحدت (امت) میں فتنہ اور فرقہ بندی پیدا کرے گا۔ اور امت میں مختلف عقائد جنم لے کر تفرقہ اور جہالت کو فروغ دیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ فی زمانہ علم قرآن و حدیث کے کثرت سے اجرا اور اشاعت کے باوجود مسلمان بے عمل اور دین سے بیزار ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اور جو تھوڑے بہت مسلمان احکامِ دین کی پابندی کر رہے ہیں وہ عبادت کا اصل اثر حاصل نہیں کر پاتے۔ عبادت کے اصل اثرات اسی وقت مرتب ہوں گے جب علمائے امت اپنا کردار صحیح ادا کریں گے۔

قرآن نے عالمِ امت کے لیے بطور نمونہ، رسولؐ کا خصوصی کردار پیش کیا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ - وہ ذات (اللہ)

ہے۔ جس نے لوگوں کو ہدایت کی طرف لانے کے لیے اُمیّوں میں سے ایک رسول اُنہیں میں سے اٹھایا۔ جو تلاوت کرتا ہے آیتیں اُس کی (اللہ کی) اور تزکیہ کرتا ہے اُن کا۔ اور سمجھ میں لاتا ہے کتاب (قرآن) کو اور چھپی ہوئی کیفیتوں کو۔ سو دینِ الٰہی کی ترویج و اشاعت کا یہی طریق (ایک) رسول اپناتا ہے۔ یہی علم۔ یہی عمل عالم امت کو وراثتِ رسولؐ میں حاصل ہوتا ہے۔ حاصل ہونے سے مراد یہ ہے۔ کہ عالم امت میں بھی یہی خصوصیات پائی جائیں۔ اور قائم مقام رسولؐ ہونے کی صورت میں آیتِ بالا کا کُلّی طور پر حامل ہو۔ یعنی تلاوتِ قرآن میں یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِهٖ کی پوری صلاحیت رکھتا ہو۔ علم القرآن میں معانی تفسیر۔ استعارات۔ تشبیہات۔ محاورات۔ صرف و نحو وغیرہ سے مکمل آگاہی رکھتا ہو۔ وَیُزَکِّیۡهِمۡ اسے (خود کو) تزکیہ حاصل ہو۔ تزکیہ سے مراد شریعت کی پابندی۔ پاک رہنا۔ حلال اور پاک روزی کھانا۔ سچ بولنا اور سچ پر چلنا۔ روزی کے لئے کسی دوسرے کا محتاج نہ ہونا بلکہ جائز ذرائع سے حلال اور پاک روزی حاصل کرنا۔ کسی افسر کے دروازے پر بغرضِ حصولِ دُنیا حاضری نہ دینا۔ عوام کو دھوکے میں نہ ڈالنا۔ اور نہ ہی عوام سے روزی یا روپیہ کا طلب گار رہنا۔ اپنی شخصیت تسلیم کرانے یا اپنے مقتدی بڑھانے یا جماعت بنانے کے لیئے منبر پر چڑھ کر سیاست کو استعمال نہ کرنا۔ اپنی امامت یا اپنا علم قلیل معاوضہ پر فروخت نہ کرنا۔ دین کے اجراء میں کسی حاکم (جو غیر الٰہی قانون کا داعی ہو) سے نہ ڈرنا بلکہ اللہ کا کلام لوگوں تک بے باک ہو کر پہنچانا۔ کلمۂ حق کہنے میں کسی کا خوف مانع نہ آنے دینا۔ اپنا محاسبہ عوام کے سامنے کرنا۔ اپنی کمزوری اور نقص کو اہانت کے ڈر سے نہ چھپانا۔ اس کے علاوہ تزکیہ؛ ذاتی یعنی جسم پر محنت ڈالنا۔ رات جاگنا۔ فاقہ کرنا۔ تہجد پڑھنا اس حال میں کہ مشاہدۂ قلبی یا فقہِ قلبی (القائی کیفیت) حاصل ہو۔ تاکہ قرآن کی جو تفسیر یا تاویل ہو وہ القائی اور حقیقی کیفیت ہو۔ وَیُعَلِّمُهُمُ الۡکِتٰبَ

وَالْحِکْمَۃَ ایسا عالم خود تزکیہ کرنے والا ہو۔ اور دوسروں کا تزکیہ کرنے والا ہو۔ یعنی راتوں کی عبادت پر مداومت کرنے والا ہو۔ تاکہ اس کے کلام میں قِوام پیدا ہو۔

اِنَّ نَاشِئَۃَ الَّیْلِ ھِیَ اَشَدُّ وَطْأً وَّ اَقْوَمُ قِیْلًاؕ رات کے جاگنے میں شدید محنت پائی جاتی ہے۔ اِس سے تمہاری کثیف نفسانی آلائشیں کچل کر رہ جائیں گی اور تمہاری بات میں قِوام (پختگی) پیدا ہوگا۔ نفس کے کچلے جانے سے رُوح و قلب روشن ہوں گے تو تمہیں فقہِ قلبی اور مشاہدۂ قلبی حاصل ہوگا۔ اور نتیجتاً علم القرآن کا اجراء و اشاعت حقیقت پر مبنی ہوں گے۔ جب تم ایک عالم کی حیثیت سے بحیثیت قائم مقام نبیؑ و رسولؐ اس کے علم و عمل کا اجراء کرو گے۔ تو تمہاری تعلیم اور تمہارا وعظ لوگوں کے دلوں پر اثر کرنے والا ہوگا۔ وہ تمہاری تقلید کریں گے۔ تمہیں سچّا سمجھ کر تمہارے قول پر بھروسہ کریں گے۔ اور تمہارے علم کو حقیقی سمجھ کر اس طریق و عمل کو اختیار کریں گے۔ پھر تم پر لوگوں کو علم سکھانا اور ان کا تزکیہ کرنا فرض ہوگا۔ تم جو بات بھی امر و نہی کی کرو گے لوگ تمہارے قول و فعل کے مطابق عمل کرینگے۔ ان میں نیکی کی طرف رجوع اور بدی سے پرہیز کا مادہ پیدا ہوگا۔ یہ اُسی وقت ہوگا جب تم نمونہ کے طور پر اپنا عمل پیش کرو گے۔ اور کلام کے قِوام کی بدولت تمہاری بات لوگوں کے دلوں میں اُتر جائے گی۔ پھر اُن میں حقیقت کے طلب گار ہوں گے۔ اُن کا تزکیہ کرو۔ اُن کے قلب اپنی نُوری توجہ سے پاک کرو۔ اِس تزکیہ کی بدولت اس کتاب میں اسرار اور جملہ ارکانِ علم سے متعلق متشابہات۔ مشاہدۂ قلبی سے تم پر ظاہر ہوں گے۔ اور ـــــ ، وَالْحِکْمَۃَ قرآن کے پوشیدہ اسرار بھی تم پر ظاہر ہوں گے۔

حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے عالم کی حیثیت کَاَنْبِیَآءِ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ ہے۔ یہ مقام اپنی نوعیت کے اعتبار سے نہایت اعلیٰ و ارفع ہے۔ جو

چند کتابوں کی سند سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہ مقام مانندِ صحابہؓ ہے۔ جو لوگ اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کمال حاصل کئے ہوئے ہیں۔ عوام کے مقابلہ میں ان لوگوں کو (یعنی علمائے اُمت کو) فقہ۔ اجتہاد۔ فقہ قلبی۔ مشاہدۂ قلبی۔ تزکیہ۔ مجاہدہ بدرجہ اولیٰ حاصل ہونا چاہیئے۔ ان کا علم سلامتی (سلام) کا حامل اور نفع بخش۔ فتنہ و فرقہ بندی کو ختم کرنے والا ہونا چاہیئے۔ جب وہ اشاعتِ دین کریں تو لوگ اسلام کی عظمت جوق در جوق قبول کریں۔ ان کے ایک ہی وعظ سے کافر اسلام میں داخل ہوں۔ ان کے کلام کے اثر سے دین سے فرار چاہنے والے اسلام پر نکتہ چینی نہ کریں بلکہ ہر مسلمان صحیح معنوں میں دین کے احکام پر کاربند ہو جائے۔ ان کے وعظ و تبلیغ سے مسجدوں میں فرقہ ۔ مسلک اور امامت پر قتل اور مقدمہ بازی نہ ہونے پائے۔ بلکہ ہر مسلمان جذبۂ ایمانی میں اُخوت اور احسان کا مادہ حاصل کر کے ایک واحد جماعت بن کر اسلامی معاشرہ کی صحیح شکل پیدا کرے۔ سچ تو یہ ہے کہ قرآن وحدیث ہاتھ میں لینے والا عالم خلیفہ و نائبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ ایسا عالم۔ اُمت کا امیر ہوتا ہے جب وہ قرآن کو ہاتھ میں لیتا ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں کسی کے خود ساختہ قانون اور بد اعمالی کی اس کے سامنے کوئی گنجائش نہیں۔ عالمِ امتِ محمد رسول اللہ ایک مجاہد ہوتا ہے۔ جسے دینِ الٰہی کی تمام مخالف قوتوں کو مٹا کر نظامِ الٰہی قائم کرنا ہے۔ وہ نظامِ الٰہی کیا ہے ؟۔ قرآنی شریعت پر خود عمل کرنا اور ہر انسان کو اس پر عمل کرانا ہے۔ جو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق پر چل کر ہی ممکن ہے۔ آپؐ نے دین کو امانت و صداقت اور ذاتی حسنِ اخلاق سے پھیلایا۔ یعنی اپنا ذاتی کردار پیش کیا۔ اِس لیے عالمِ امت کے لیے بھی یہی طریق ہونا لازم ہے۔ کہ وہ امین و صادق ہو۔ اور اپنا ذاتی کردار پیش کرے۔ ورنہ قرآن وحدیث۔ فقہ منقول۔ معقول کی تحصیل کر کے وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ ۔ صرف عوام تک فروعی طریقوں سے

رسالے اور کتابیں پہنچا کر یہ سمجھنا کہ ہمارا کام مسئلے سُنانا ہے۔ کرنا کرانا لوگوں کا اپنا بندوبست ہے۔ اِس سے عالم اُمت کے کردار کا مظاہرہ اور تکمیلِ فرائض نہیں ہو سکتی۔ فی زمانہ یہ حقیقت ہے۔ کہ دنیا میں کثرت سے مسلمان پائے جاتے ہیں۔ چپہ چپہ پر مسجدیں بنائی جا رہی ہیں۔ اور ہر مسجد میں ایک تنخواہ دار عالم بھی ہے اور ہر شہر اور ہر محلہ میں علمائے کرام جلسوں پر جلسے جا رہے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود فتنہ۔ تفرقہ۔ جہالت و لاعلمی۔ شرک و بدعت۔ فساد و خونریزی بے حیائی اور دین سے فرار ترقی پذیر ہیں۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ علم حقانی اپنی اصل صورت میں پیش نہیں کیا جا رہا۔ ورنہ قرآن و شریعت کے اجراء کی تاثیر نُوْرٌ مُّبِیْنٌ ہے۔ جب قرآن پیش کیا جائے تو اس کا نتیجہ بے دینی اور فساد ہرگز نہیں بلکہ سلامتی ہے۔ ہر عالم۔ ہر درسگاہ میں ایک ہی قرآن کی تعلیم پاتا ہے۔ اور کسی بھی عالم کے پاس سوائے قرآن و حدیث کے کوئی دوسرا علم نہیں لیکن دیکھنے میں آیا ہے کہ یہی علماء اِسی قرآنی علم پر ایک دوسرے سے اُلجھ رہے ہیں اور ہر عالم اپنا فرقہ بنانے پر اپنا زور صرف کر رہا ہے۔ اِس طریق فرقہ بندی کے لیئے بھی وہ قرآن و حدیث ہی کو پیش کر رہا ہے۔ اِس کی بیّن وجہ صرف علماء کی ذاتی و عقلی تاویلات ہیں۔ ہر عالم اپنے پسندیدہ عقائد کی حدود میں قرآن و حدیث کی شرح کرتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ لاعلم عوام ایسی شرعی دلیلوں اور تاویلوں کو دیکھ سن کر حسب پسند فرقہ کو اختیار کرتے ہیں۔ اور نادانستہ دوسرے عقائد کی تکذیب کرتے ہیں۔ جس سے مختلف فرقوں کے درمیان نفرت اور مخالفت بڑھتی جاتی ہے۔ حالانکہ کوئی شخص اپنے تئیں تمامی علم پر کُلّی طور پر احاطہ کر چکنے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ جبکہ کوئی شخص یہ دلیل نہیں دے سکتا۔ کہ وہ خود تمامی علم پر کُلّی طور پر احاطہ کر چکا ہے۔ اِسی کیفیت سے اندھی تقلید پیدا ہوتی ہے۔ کہ ہر شخص علماء کی عقلی تاویلوں پر اکتفا کر کے ایک نئی راہ پر جا رہا ہے۔ اور اپنی پسند کردہ راہ کو ہی مبنی بر حقیقت سمجھنے پر بضد ہے۔

حقیقت یہ ہے۔ کہ قرآنی علم کو نقطۂ قلبی اور مُشاہدۂ قلبی کے ساتھ رُوحانی صحیفہ کی حیثیت سے پیش نہیں کیا جا رہا۔ گو کہ قرآن اِنسان کو صرف صراطِ مستقیم پر گامزن کرنے اور معرفتِ الٰہی کے حصول کے ذریعہ کے طور پر آیا۔ مگر علماءِ اُمّت اِس روحانی صحیفہ کو بھی اپنے پسندیدہ عقائد میں ڈھالنے کی کوششیں کر رہے ہیں۔ کوئی تو اِسے دُنیاوی نظام کے عُروج کے لیے اِستعمال کر رہا ہے۔ تو کوئی صرف اَحکام کی ظاہری نمائشیں اور حصُولِ جنّت کے لیے استعمال کر رہا ہے۔ اور اِس شریعت میں رُوحانیت کو شامل نہیں کرتا۔ کیونکہ ایسے عالمِ شریعت کو تزکیہ۔ مجاہدہ اور مشاہدۂ قلبی کا طریق حاصل نہیں ہے۔ اِسی طرح کوئی اِس قرآن کو خالص طریقت میں استعمال کرتا ہے۔ اور اس طریق میں بھی قرآن کو عقلی تاویلوں کے ساتھ دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ کیونکہ ایسے عالِم کو بھی تزکیہ۔ مجاہدہ۔ تقویٰ۔ مشاہدۂ قلبی حاصل نہیں ہوتا۔ جس سے وہ اپنی مَافوق الفطرت قوّت سے مَاوَرائے اِدراک علم کی دلیل دے سکے۔ اس صورتِ حال کا نتیجہ یہ ہے کہ نہ تو علمِ شریعتِ ظاہری پر ہی کسی انسان کا دل جمتا ہے۔ اور نہ ہی علم باطنی پر ہی کوئی ایمان لاتا ہے۔ بلکہ ہر فریق دوسرے کی تکذیب کر کے ایک دوسرے پر کُفر و شرک کے فتوے لگا رہے ہیں۔ جس سے فرقوں میں مخالفت اور دُشمنی بڑھتی جا رہی ہے۔

اِن عقائد کے تضاد کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ نہ تو شریعت کے علمِ ظاہری کو اُصل دین سمجھا جاتا ہے۔ اور نہ ہی طریقت کو علم کی حیثیت دی جاتی ہے۔ چُنانچہ مُخالفین کی دُو جماعتیں ایک دُوسرے سے شِدّت کے ساتھ مُتصادم ہیں۔ ایک جماعت عُلمائے ظاہری یعنی اصل شریعت پر چلنے والے خالص توحید کے دعویداروں کی ہے۔ اور دُوسری جماعت صاحبِ طریقت علماء کی ہے۔ جو رُوحانیت کے حامِل ہیں۔ لطف یہ ہے کہ دونوں ایک دُوسرے کو کافر۔ مُشرک۔ بدعتی اور وہابی کے القابات سے نوازتے ہیں۔ اِسی پر بس نہیں بلکہ مسجدوں کے اندر اپنے عقائد کے اختلافات

کی بدولت فساد و قتل پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ سوچنے کی بات یہ ہے۔ کہ کیا اُجرائے دین اور اشاعت اسلام کا یہی طریق ہے۔ ؟ ستم تو یہ ہے۔ کہ اس باہمی فساد و عناد میں حقیقی علم کی تکذیب کی جاتی ہے۔ اور انتہائے ستم یہ کہ جس ہستی نے اس حقیقی علم۔ قرآن کو پیش کیا اُن کی شان میں دیدہ دانستہ گستاخی کی جا رہی ہے۔ جس رسولؐ نے یہ رُوحانی صحیفہ پیش کیا۔ اور رُوحانیت کو دُنیا پر جاری کیا۔ ایسے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی پر بے معنی بحثیں اور حجتیں پیش کی جا رہی ہیں۔ اِس عظیم ظُلم کی سب سے بڑی وجہ وہ علماء ہیں جو طریقِ روحانیت کو غلط انداز میں پیش کر کے اپنی لاعلمی کی بنا پر من گھڑت تاویلیں کر کے اس رُوحانی صحیفہ اور رسولِ محتشم کی شان کو گرا رہے ہیں۔ ایسے علماء ولایت کا دعویٰ کر کے عوام المسلمین کو غلط علم پہنچاتے ہیں اور انہیں غلط راہ پر لے جا رہے ہیں۔ اِسی طرح علمائے شریعت بھی اپنی ضد اور لاعلمی کے باعث رُوحانیت اور صاحبِ روحانیت "نبی" ۔ صلی اللہ علیہ وسلّم کی اُولُو العزمی کی نفی کر دیتے ہیں۔

یوں تو مُسلمانوں میں نہ شریعت کی رُوح باقی ہے۔ اور نہ ہی طریقت کی رُوح پائی جاتی ہے۔ جس وجہ سے یہ رُوحانی صحیفہ عامۃ المسلمین کے لیے بے قیمت اور بے مقصد ہو کر رہ گیا ہے۔ ضرورت ہے۔ کہ اِس صحیفہ کو اس کی رُوحانی عظمتوں کے ساتھ پیش کیا جائے جس سے زندگی کے ہر شعبہ میں انسانی کامیابی ظاہر ہو۔ قرآن کے نُزول کی اصل علت یعنی معرفتِ الٰہی اور طریقِ حصولِ معرفت کے علم کو خصوصی طور پر پیش کیا جائے۔ تاکہ ہر انسان پر قرآنی حقائق اور اصل علم واضح ہوں۔

اِسی مقصد کو پیشِ نظر رکھ کر رسالہ "منازلِ فقر" ترتیب دیا گیا ہے۔ تاکہ ہر شخص کا قرآن کی رُوحانیت کی طرف رجوع ہو۔ اور وہ اِسی طریق و علم کے تحت قرآن و حدیث کا مطالعہ کرے۔ یہ طریق ہر خاص و عام کے لیے مقرر ہے۔ کہ ہر شخص قرآن کو رُوحانی صحیفہ کی حیثیت سے

مُطالعہ میں لائے۔ اور چونکہ اس طریق کا تعلق مُتشابہات سے ہے۔ اور منازل فقر بھی مُتشابہات میں شمار ہیں۔ اِس لیئے یہ رسالہ "مَنازِلِ فقر" طالبانِ راہِ حقیقت کے لیئے خصوصی طور پر ایک کسوٹی کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے۔ ولایت و رُوحانیت کا دعویٰ کرتے والے علماء جب تک اِن اُسرار سے آگاہ نہ ہوں اُن پر لازم ہے۔ کہ ولایت کا دعویٰ نہ کریں۔ اور نہ ہی اپنے موجودہ مقام پر لوگوں کو روحانیت کا سبق دیں۔ نہ لوگوں کو بیعت کریں اور نہ ہی کسی کو مُعرفت حاصل کرانے کی ذمہ داری اپنے سَر لیں۔

اِس رسالہ میں طالبانِ حقیقت کے لیئے بھی ایک طریق پیش کیا جاتا ہے۔ کہ "مَنازِلِ فقر" کا مُطالعہ کرنے کے بعد ہر شخص ولایت کے دعویدار میں ان خصوصیات کو تلاش کرے کہ آیا ایسا ولی ان مَنازِل کو طے کر کے مُقامِ فَنا و قربِ الٰہی اِس حد تک پا چکا ہے۔ کہ اُسے ولیٔ اکمل کا دَرجہ حاصل ہو۔

وَمَا تَوۡفِیۡقِیۡۤ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

العبد

مُحَمَّد نُورُالدِّین اویسی

۴۔۳۴۴۔لنک روڈ، ایبٹ آباد۔پاکستان

(شارحِ منازلِ فقر)

دیباچہ منظوم فارسی "منازلِ فقر"

یہ مختصر سا رسالہ برائے ضبطِ منازل و پیش کرنے کا طریقہ حقہ صوفی طبع اصحاب کے لیئے چھپوایا گیا ہے۔ اس سے سادہ اور کم فہم اشخاص کو جال میں پھنسانا اور کسی قسم کا پروپیگنڈہ مقصود نہیں۔ جو لوگ شوقین ہوں ان کے لیے راقم نے یہ رسالہ محض حقیقت کو پیش کرنے کے لئے حسبِ ارشاد مرشدی و مولائی شائع کرایا ہے۔ اور امید ہے کہ خدا اور اس کے رسولِ پاکؐ کے متبرک راستہ حقہ سے شائقینِ تصوف حسبِ حیثیت فائدہ اٹھا کر اسلام کی خدمت جیسی کہ واجب و لائق ہے۔ اپنی اپنی زندگی میں بجا لانے کی کوشش کر کے نورِ وحدانیت کو حاصل کریں۔ تاکہ ان کو آخرت میں اپنے خالق کے حضور شرمندہ نہ ہونا پڑے۔

راجہ سخی ولایت خان (مرحوم)
سرینگر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

حمدِ باری تعالیٰ

حمد بے تعداد، بے حد، بے شمار
لائق ہست مر خالقِ لیل و نہار

وہ ذاتِ لامحدود ہی اِس لائق ہے کہ اُس کی حمد اُس کی ذات و صفات کے اعتبار سے کی جائے۔ کہ وہ ہر شے کا خالق و معبود ہے۔ اُسی نے رات اور دِن بھی بنائے جب کہ ایک کیفیتِ نورِ لامحدود میں ظلمت وجود پا نہیں سکتی۔

اِنقلابِ روز و شب از جودِ او
فیض آرد اندر عالم بودِ او

کائناتِ عالم میں ہر شئے مخلوق۔ اِنسان کی فیض رسانی کی خاطر ہی بنی۔ اور یہ رات اور دِن بھی اِنسان کے لیئے بنائے گئے۔ وَسَخَّرَ لَکُمْ مَّا ..... فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا زمین کی ہر شے صرف اِنسان کے لیئے وقف کی گئی۔ انسان انہیں ہر طرح استعمال کرنے کا حق رکھتا ہے۔

ہستیٔ عالم بحکمت ذاتِ خود
اعتدال اندر عناصر مے بُرد

یہ تمام کائنات اِس خالق کی حکمت کا ایک نمونہ ہے۔ کہ ہر شے اپنے دائرۂ

بندگی میں محوِ عمل ہے۔ اور باوجود مُدّتہا مدت گزرنے کے اِس نظامِ کائنات میں ذرّہ بھر فرق۔ نہ اُس کی تخلیق وعادت میں۔ نہ اُس کی رفتار میں کسی زمانہ میں پایا گیا۔

جُودِ اُو ہر چیز را دادہ بقا
سوئے ذاتِ پاکِ اُو آرد ثنا

ہاں! یہ تمام مخلوق۔ یہ تمام موجودات۔ ایک مظہر کی حیثیت سے ہیں۔ جب ذاتِ احد و لامحدود کی واحدیت و لامحدودیت کو پہچانا جائے تو یہی ثابت ہوگا کہ یہ مظہر بنیادی طور پر اُسی ذاتِ اُحد کے نور سے ظاہر ہوا۔ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ وہی ذات اِس تمام کائنات کی بقا کا اِبتدائی وجود ہے۔ اور جب اِن کیفیات کی کُنہ پر نظرِ عمیق ڈالی جائے تو ہر شئے میں اُسی خالق کی صفتِ خالقیت کو اور اس کی نورانیت کو پہچانا جائے گا۔ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ط وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ۔ (تسبیح کرتے ہیں واسطے اُس کے سات آسمان اور زمین اور جو کچھ (مخلوقِ نوری و مادّی) اُن میں ہے۔ نہیں کوئی شئے مگر تسبیح کرتی ہے ساتھ اُس کی حمد کے۔ لیکن انسان بغیر فقۂ قلبی کے ان کیفیات کو سمجھ نہیں سکتا) ہر شئے اُس خالق کی خالقیت اور معبودیت کا نشان بتا رہی ہے اور یہ سب کائنات اپنی ذات کے اعتبار سے اُسی خالق کی ہر لمحہ ثنا کر رہی ہے ہر شئے سے جو شانِ تخلیق نمایاں ہو رہی ہے۔ یہ سب اُسی ذاتِ حقیقی کی خوبصورتی کے نشان ہیں۔ جن سے اُس کی پہچان ہو رہی ہے۔

ہستیِ اشیائے عالَم کُل بداں
مخزنِ اسرارِ الست را بیاں

تمام عالم کی اشیاء میں ذاتِ الٰہی کی کاریگری کا ایک عظیم الشان مظاہرہ ہو رہا ہے کہ اُس رَبُّ العٰلمین نے ہر شئے مخلوق کو اُس کی نشو و ارتقا کے تمامی سامانِ ربوبیت ایک خوبصورت انداز میں فراہم کر دیئے ہیں۔ کہ ہر شئے اپنے محل پر اپنا سامانِ زندگی حاصل کر رہی ہے۔ جہاں پھول کو اپنی زندگی کا سامان حاصل ہو رہا ہے اُسی جگہ سے کانٹا بھی اپنا سامانِ زندگی حاصل کر رہا ہے۔

از موجوداتِ گزیدہ نوعِ انس
مخزنِ اسرارِ حق را ہست جنس

اِس تمام مخلوق میں ایک اِنسان ہے۔ جو تمام مخلوقِ ارضی و سماوی پر فضیلت حاصل کئے ہے۔ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (اور تحقیق ہم نے اولادِ آدم کو بڑھائی عطا کی اور غلبہ و اختیار دیا اسے خشکی و تری پر) ارضی پیدائش میں اِنسان کو خصوصی طور پر اشرفُ المخلوقات بنایا۔ اور اُس کا حکم خشکی و تری پر جاری کر دیا۔ کیونکہ یہ چیز ہمارے ارادے میں آ چکی تھی ازل سے۔ کہ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً۔ زمین پر ایک اشرفُ المخلوقات اِنسان بنایا جائے۔ جو اپنی خصوصیت کے اعتبار سے مخلوقِ سمٰوات وَ الارض پر فضیلت حاصل کئے ہو۔ اِس طرح اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوقِ نوری و مادی میں اِنسان کو ایک عظیم مرتبہ و علم و خبر یعنی آگاہیٔ اسرارِ الٰہی عطا کر کے کائنات میں برگزیدہ بنایا۔ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ۔ ہم نے آدم میں اپنی رُوح پھونک دی۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا۔ اور علم دیا آدم کو تمامی اسمار یعنی اسرار الٰہی کا۔ اس کا تعلق نفخِ رُوح سے تھا۔ یہی وہ اکرام و برتری ہے جس سے آدم و بنی آدم تمام مخلوقِ اَرضی و سماوی میں مکرم ٹھہرے۔ یہ عطیۂ الٰہی تھا۔ اور اسی خصُوصیت کو لیکر انسان زمین پر ٹھہرا۔ یہ اس لئے کہ

از پئے تعبید ذاتِ لایزال
کرد نوعِ آدمی را پُر کمال

یہ تمام کمال اِس لیے حاصل ہُوا کہ اِسی خوبی کے ساتھ اس آدمی کے ذمّہ ایک بارِ امانت رہا کہ وہ اپنی خصُوصیاتِ علم نبوّت و عبادت کو تصوّرِ ذاتِ الٰہی سے اِلی حِینٍ[1] تک اپنی رُوحانی اور سفلی خاصیتوں کے ساتھ زندگی کے آخری دم تک قائم رکھے۔ پس انسان۔

از کمالِ علم و ادب و روشنی
گیرد از فضلِ الٰہی چاشنی

اپنے کمالِ علم و مشاہدہ اور قربِ الٰہی سے اپنے آپ کو مزیّن رکھے اور ہر لمحہ تجلّیاتِ الٰہی کی چاشنی سے مخمور اور مسرور رہے۔ اِسی مُشاہدہ و عرفان اور علم و خبر کی خصُوصیّت سے اِنسان ملائکہ سے بالاتر علم پانے والا۔ خبر دینے والا کہلایا۔ فَلَمَّآ اَنْبَاَھُمْ بِاَسْمَآئِھِمْ۔ پس جب آدمؑ نے ملائکہ کو اُن کے اَحوال کی خبر دی۔ تو یہ نبی (خبر دینے والا) کہلایا۔ اُس کے بعد ہر دو اَرضی پیدائش۔ نوعِ آدمی جسے سوّی اور نفخِ رُوح کی خصُوصیّت حاصل ہوگی۔ علم الاسما سے آگاہی حاصل کرے

---

[1] مرتے دم تک۔

ہوگا جس نے اِلیٰ حِین تک اپنی خصوصیتِ خلافت کی حفاظت کی وہ برگزیدہ رہے گا۔ اور جس نے تصوّراتِ ذاتِ الٰہی میں دُنیوی حصُول کو داخل کر کے مشاہدہ اور جسمانی خصوصیت "سوّیٰ" (آراستگی) کو ضائع کیا وہ خلافت سے گر کر ذلیل ہوگا۔ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ؕ جنہوں نے اپنی خصوصیتِ سوّیٰ۔ آنکھ۔ کان اور دل کو ذاتِ الٰہی کے مشاہدہ میں استعمال نہیں کیا وہ خلیفہ نہیں بلکہ حیوان اور حیوانوں سے بدتر کہلائیں گے۔ سو ایسی حالت میں جبکہ زمین پر نوعِ آدمی میں خلافت و نبوّت کی خصوصیت باقی نہ رہے۔ تو ایک نبی کو "مصطفےٰ" (منتخب) کر کے رسُول کی حیثیت سے مبعوث کیا گیا۔ ایسی ہستی "نبی" اور "رسُول" کہلاتی۔ کہ اس کی خصوصیتِ نبوت کی حفاظت رہی۔ اور اُسے ہدایت کا ایک طریق دیا گیا۔ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى۔ جب انحراف و ذلّت کی حالت میں نوعِ آدمی میں خصوصیتِ نبوت و خلافت باقی نہ رہے۔ تو پھر سے خلافت حاصل ہونے کے لئے۔ ایک نبی کو رسالت کے لئے منتخب کر کے اپنی شریعت و ہدایت دے کر بھیجوں گا۔ یہ آدمی۔ "نبی" علیٰ حالہٖ ہوگا۔ اور رسول ہوگا جو اس ضرورت کی تکمیل کرے گا۔ پس اس ضرورت کی تکمیلِ کل حضور محمّد رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے ہوئی۔ یہی وہ ہستی ہے جو تمام انبیاء و رسُولوں کے سردار اور افضل ترین انسان ہیں!

در نعت سیّد الانبیاءؐ

پس محمدؐ سیّد الانبیاء بداں
اندر نوعِ آدمی ہستی کلاں

اسی نبیؐ نے انبیاء (مخلوق انسانی) کے مقصدِ نبوت اور رسُولوں کے مقصدِ رسالت کی تکمیل کر دی اسی نبیؐ کو خَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ۔ سَیِّدُ الْمُرْسَلِیْنَ کہا گیا۔ کہ کائنات کے ہر بشر کو تمام اسرارِ الٰہی سے قرآن و وحی کے ذریعہ آگاہ کیا۔ اور ہر طالب کو اُس کے مطلوب تک پہنچایا۔ لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ اللہ نے ان لوگوں پر احسان کیا جو مومن ہو چکے ہیں۔ کہ اُن کی گمراہی کی حالت میں اُن میں سے ایک رَسُول مَبعُوث کیا۔ جو اُنہیں میری آیتیں پڑھ کر سناتا ہے۔ ان کا تزکیہ کرتا ہے اور آگاہ کرتا ہے اس کتاب کے ظاہری و باطنی (احکام و مُتشابہات) آثار سے یہ چیز ارادۂ ازلی میں مقرر ہو چکی تھی کہ ارضی مخلوق میں ایک ایسے آدمی کو مخصوص کیا۔ جس نے ارادۂ ازلی کی کُلی طور پر تکمیل کرنا تھی۔ وہ یہی خلیفۂ اعظم سیّد الانبیاءؐ ہیں جن پر اتمامِ نعمت ہُوا۔ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ۔ یہی وہ نبی ہے۔ جسے فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِہٖ مَاۤ اَوْحٰی اُن تمام اَسرار کا مُشاہدہ کرایا گیا۔ جو اَسرارِ ذاتِ الٰہی کے خزانہ میں پوشیدہ تھے (جن سے اللہ اور اس کے رسول حضور محمد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہی آگاہ ہیں) اور کسی نبی کسی بشر کو ان اَسرار کا علم نہیں۔ "مَاۤ اَوْحٰی" وہ کیا اَسرار ہیں؟ یہی وہ نبی ہیں جو خلیفۃُ اللہ۔ خلیفۂ اعظم

کہلانے کے مستحق ہیں۔ کہ اُنہیں تمام اَسرارِ ظاہری و باطنی کی آگاہی حاصل ہے۔
اَسرارِ الٰہی کا کوئی ایسا بھید نہیں جو فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی میں آپ سے پوشیدہ رکھا گیا ہو۔ یہی نبیؐ ہے جس نے اِنسان کو اِس کے مقصُود تک پہنچایا۔ یہی نبیؐ ہے جو رَسُولِ اعظم ہے۔ جو مخلوق کے لئے عرفان کی کُشادہ راہیں لے کر آیا۔ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ ہر اَسرارِ نبُوّت کو واشگاف بیان کیا۔ وَیُزَکِّیْھِمْ انسان کے رُوح و جسم کو پاکیزہ بنا کر قلب کو روشن کر دیا۔ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ اسے علم القرآن میں اَسرار و معرفت سے آگاہ کیا۔ وَالْحِکْمَۃَ اور ان پوشیدہ اسرار سے انسان کو آگاہ کیا جن سے وہ بے خبر ہو چکا تھا پس یہی وہ ہستی کامل ہے جس سے انسانیت اور ارادہ الٰہی و اَزلی کی تکمیل ہو گئی۔ یہی وہ نبیؐ ہے جس سے اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کی اِبتدا بھی ہوئی اور اِنتہا بھی ہوئی۔ یہی وہ نبیؐ ہے کہ

عِلّتِ ایجادِ عالم ہم بقا
مَنبعِ اَنوارِ عالم ہم صَفا

اللہ تعالیٰ کے "کُن" کی ابتداء بھی اِسی نُور سے ہُوئی۔ (حدیث) اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ جس کی صِفت مُحَمَّدٌ ہے۔ اِسی نور سے کائنات کے تمام آثار و اَسرار و وجُودوں کا ظُہور ہوا۔ یہی نُور تمام موجُودات کی عِلّت ٹھہرا۔ یہی نُور ہے جو کائنات کی ہر خوبی و کمال کا بُنیادی وُجود ہے۔ اِسی لیئے آپ کو مُحَمَّد صلی اللہ علیہ وسلّم کا اسمِ مُقدس عطا ہوا۔ جو تمام کائنات میں ازل سے ابد تک نہ کسی کا ہوا نہ ہو گا۔ یہی نُور ہے جس کی ابتداء اللہ نے اپنے نور سے کی۔ اپنے ہی نُور سے ایک جز کو مُصطفیٰ کر کے اس ارادہ کی تکمیل کے لیے نُقطہ کی حیثیت دی جس سے تمام

کائنات کا وجود ہوا۔

خاتمِ ہر قرب ہر درجۂ نور
یک مجسّم نور از ربِّ غفور

یہی نور ہے جو اسرارِ الٰہی کے ہر مدارج و منازل کا بنیادی وجود ہے۔ یہی نور ہے جس کی ہر نور۔ ہر مادہ۔ ہر وجود پر مہر لگی ہے۔ کہ ھٰذَا مُحَمَّدٌ ط یہ سب نورِ محمدی سے بنا ہے۔ اور اس نور کی ذاتی بنیاد نورِ الٰہی کی جز ہے۔ اُسی نور کا ظہور خلیفۂ ارض کی صورت میں نامِ "احمد" صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا۔ کہ آپ نے اپنی احمدی صفت سے انتہائی حمد سے اپنی خصوصیاتِ نبوت و رسالت کی انتہائی تکمیل کی جس کی کیفیت سے اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ط کی کلّی طور پر تکمیل ہو گئی کہ

رحمتٌ للعٰلمیں دان از خُدا
قومِ خود را راہنمائندہ بقا

ایسی ہستی احمدِ مجتبٰے نے مخلوقِ ارضی کو خلیفہ کی صف میں لا کر کھڑا کر دیا۔ جبکہ اللہ تعالےٰ نے کہا۔ قُمْ فَاَنْذِرْ اور بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ ہ یا رسول اللہ اب ارادۂ ازلی کی تکمیل کیجئے۔ فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ ھُدًی کے وعدے کی تکمیل کیجئے اور لوگوں کو ان کے انجامِ بد سے ڈرایئے۔ اور جو ہدایت مَیں نے آپ کو دی اُن تک پہنچایئے۔ کیوں کہ میرے ارادۂ ازلی میں یہ مقرر ہو چکا ہے۔ کہ آپ کے ذریعہ ہی خلافتِ ارضی کی تکمیلِ کلّی ہو۔ اس لئے آپ کو رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ کا خطاب دیا جاتا ہے۔

پس تعلق باقی از باقی بود
چوں بسوئے فیض مشتاقی بود

یارسُول اللہ آپ کے ذریعہ ہم نے ہدایت و عرفان کو آسان کر دیا۔
وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَھَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ جو شخص اُس کی طرف رجوع کرے گا مقصود پائے گا۔ فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ تھوڑی محنت سے بھی انسان آسانی سے اپنا مقصود پائے گا۔ پس اے ابن آدم! جب تو اپنی اصل سے وصل کا مشتاق ہوگا۔ تو تیرا تعلق ماسویٰ سے الگ ہو کر اسی ذاتِ حقیقی سے قائم رہے گا۔ وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا یاد کر اپنے رب کی اور ماسویٰ سے علیحدہ ہو کر اسی کا ہو جا۔ تو تو آسانی سے اُس کا قرب حاصل کریگا۔

پس محمّد چشمۂ فیضِ جہاں
از قدیمی کان یک بحرِ عیاں

محمّد صلی اللہ علیہ وسلّم جہاں کے لئے معرفت کا چشمہ ہیں۔ اُنہیں سے انسان کو فیض حاصل ہو سکتا ہے۔ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ اگر تم حقیقت کو پانے کے لئے اللہ کی رضا حاصل کرنا چاہتے ہو۔ تو اِس جہان کی فانی نمائش سے منہ موڑ کر صرف اللہ کے ہو جاؤ اور ہر لمحہ تصوّرِ ذاتِ الٰہی میں منہمک ہو جاؤ۔ حتیٰ کہ تمہارا انہماک حُبّ کی صورت اختیار کر جائے اور ایک طالبِ صادق کو سوائے محبوب کے اور کوئی شئے ماسویٰ محبوب نہ رہے۔ سو اگر جذبہ حُبّ حاصل کرنا چاہتے ہو تو اُس کا طریق یہ ہے کہ اِتباعِ رسُولؐ کو اپنے لئے لازم رکھو۔ یہاں تک کہ تعمیلِ ارشاد میں کیفیت حُبّ پیدا ہو جائے کہ تم رسُولؐ کو اپنی ہر شئے سے

زیادہ عزیز جانو۔ ورنہ۔ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ - جان لو۔ احَبّ کا طریق یہ ہے کہ تم اپنی ہر عزیز شئے سے زیادہ آپؐ سے محبت رکھو۔ اس محبت میں اپنے محبوب کے سوا کسی عزیز شئے کا تصوّر حائل نہ ہو۔ اور تمہیں نورِ محمدیؐ کے سوا اور کچھ نظر نہ آئے۔ یہی نورِ محمدیؐ وجہِ فیضان ہوگا۔ اور اسی نورِ محمدیؐ۔ اتباعِ محمدیؐ میں تمہیں ذاتِ الٰہی کا عرفان حاصل ہوگا۔ کیونکہ اِس نورِ محمدیؐ کا توسّل ذاتِ الٰہی کے نور سے ہے۔

مثلِ مَن عاصی آلودہ صد گناہ
غوطہ زدہ پُر صفا آید براہ
ہر کہ آں در سایۂ احمد رسید
شد یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ پدید

ہاں مجھ جیسا کمزوریوں سے آلودا انسان بھی اگر اس نورِ محمدیؐ میں غوطہ زن ہو۔ تو وہ بھی تمام آلائشوں سے پاک ہو کر خالص ہو جائے گا۔

جو شخص بھی حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کے سایہ میں آیا۔ گویا اللہ کے نور کا سایہ اس پر ہوگا۔ اللہ اس پر راضی ہوگا۔ اس پہ انعام ہوگا اور وہ اللہ سے راضی ہو جائے گا۔

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ ط یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ ج تحقیق جن لوگوں نے بیعت کی آپؐ سے سوائے اُس کے نہیں بیعت کی اللہ سے۔

اللہ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں کے اُوپر ہوتا ہے۔ اللہ راضی ہوگیا اُن مؤمنوں سے جنہوں نے درخت کے نیچے محمدؐ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دستِ حق پرست پر اللہ کی رضا اور دین کی حفاظت کے لئے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا۔ اُس وقت دو ہاتھوں کے اُوپر تیسرا ہاتھ اللہ کی رضا کا تھا۔

ہاں! یہی طریق اِتباع ہے۔ یہی طریق حُبّ ہے۔ اِکہ عاشقانِ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے آپ کی ہمراہی میں بیتُ اللہ کا ارادہ کیا۔ اُن کا مقام "تحت الشجر"[1] پر تھا۔ کہ شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہٗ کی خبر سُن کر رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے عاشقوں کا اِمتحان لیا۔ کہ کون طالبِ صادق۔ عاشقِ صادق۔ ہمارا ساتھ دے کر دشمنوں میں قتل ہونے کے لیئے تیار ہے؟ عاشقانِ رسُول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلّم نے عقلی حدو قید سے علیحدہ ہو کر اپنی جانوں کو رسُول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلّم کے دستِ حق پرست پر فروخت کر ڈالا۔ ہر شخص اس کیفیت سے آگاہ تھا کہ مکّہ کے ہتھیار بند دشمنوں کے ساتھ بے دست و پا حالت میں جہاد کرنے میں موت یقینی ہے لیکن عاشقانِ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اِتباع و حُبّ میں اپنے محبُوب پر ہر شئے قربان کر کے موت کو خرید لیا۔ یہ ایک اِبتلا تھا یہ ایک آزمائش تھی جس پر عاشقانِ رسُول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلّم ثابت قدم نکلے۔ فَاَتَمَّ هُنَّ اُنھوں نے وعدہ پُورا کیا۔ یہ مقام انتہائی حُبّ کا تھا تو اللہ تعالےٰ اُن سے راضی ہُوا۔ بیعتِ رضوان میں جہاں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دستِ حق پرست میں طالبِ صادق کا دوسرا ہاتھ تھا۔ اُس وقت اللہ تعالےٰ

---

[1] : مقامِ حُدیبیہ۔

کا محبّت و رضا کا بھرپور رحمت و انعام کا ہاتھ۔ دونوں ہاتھوں پر تیسرا ہاتھ جلوہ فگن تھا۔ اور جو انعام و خوشنودی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُنہیں حاصل ہوئے۔ وہ اِس قدر تھے کہ ہر شخص انعامِ الٰہی پر جذبۂ تشکر و رضا سے مسرور ہوا۔ یہی کیفیت یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حُبِّ رسول اللہ میں حاصل کی۔

یہ سب کچھ حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طفیل مومن کو حاصل ہوا۔

ہر کہ آں در سایۂ احمد رسید   شُدْ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ پدید

یہ چیز بغیر اکمل رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حاصل نہیں ہو سکتی۔

سیّدُ الکونین خاتم انبیاء
آں شہی لولاک صاحب باصفا

کیوں نہ ہو! اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب سے خود بھی محبّت کی اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا تحقیق اللہ خود عبادت کرنے سے منزّہ ہے۔ وہ معبود ہے۔ لیکن اُس نے اپنی مرضی سے حُبّ کو مُحَمَّد کی صورت میں پیدا کیا۔ اُس کی مرضی و ارادہ یہی تھا۔ کہ میں احمد کو پیدا کروں۔ جو میری حمد۔ انتہائی کرے سو اپنی پسندت ہی حُب کی۔ اسے محبوب بنا کر اس کی تعریف خود کی۔ یہی کام اپنے ذمّہ رکھا۔ ملائکہ کو بھی اِسی لئے وقف کر دیا اور بنی آدم کو بھی اِس کی تعریف کے لئے بنایا۔ ورنہ وہ کچھ نہ بناتا۔ اگر اُس کا یہ مقصد نہ ہوتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بناؤں۔ احمد کو بناؤں۔ اِسی لئے وُہ تمام کائناتِ خلقت کے محبوب اور سردار ہیں۔

آں کریمُ الخُلق بحرِ فیضِ حق
آں شہِ اِسریٰ صاحب نوطبق

آہ! کیا پیارا نبی محمد! صلی اللہ علیہ وسلم جس سے حُسن پیدا ہُوا۔ جس سے حُبّ پیدا ہُوئی ہر نُور کو اُسی کے نور سے رونق حاصل ہے! ہر حُسن کو اُسی کے نُور سے لطافت و مَلاحت حاصل ہے وہ اپنے عاشقوں پر کتنے شفیق و مہربان ہیں کہ حَرِیصٌ عَلَیۡکُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ اپنی ذات سے بلامعاوضہ عطا کرنے والے! اپنے در سے کبھی کوئی سائل خالی نہ گزرا۔ ہمیں تو بس اُن کی نظرِ التفات ہی بس ہے! جس میں جنّت کی ہوَس بھی باقی نہیں رہتی۔! ہاں! وہ اپنی طرف سے فیض عطا کرنے میں مثلِ سمندر ہیں۔ وہ توشہنشاہِ کون و مکاں ہیں! اور یہ تمام مُلکِ ملکوتی۔ آسمان عرش اُس محبُوب کی سیرگاہیں ہیں۔ اِسی لیئے انہیں صاحبِ اِسریٰ کہا گیا۔ "صاحبِ معراج" کہا گیا۔

آں ستارۂ فیض زانوارِ جلیل
آں حبیب اللہ فخرِ ہر خلیل

وہ اللہ کے نُور کے درخشندہ ستارہ ہیں۔ مثل ماں کی گود میں اس کی جان سے عزیز لختِ جگر! اُس کو محمد پیدا کیا گیا۔ اُس کو حُبّ پیدا کیا گیا۔ اُس حبیبؐ نے جبکہ جبرائیلؑ کا بھی وجُود نہ ہُوا تھا اپنے بنانے والے کی محبّت میں ازل سے طواف کرنا شروع کیا اور محبوبیت کا مقام پایا۔ یہی صفتِ محبوبیت ہے جس کا عکس ہر خلیل کی محبوبیت میں پایا گیا! ہر رسُولؑ کو نورِ محمّدی کی ہی خصُوصیت حاصل ہے۔ ہر خلیل کو اسی نور اور

ہستی پر فخر ہے۔

آں شہی حامل لوائے حمد را
آں شہی شافعِ اُمم روزِ جزا

یاد رکھو! انسان دُنیا کی نعمتوں کو حاصل کرنے کے باوجود خسارے میں ہے۔ اگر محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن نہ تھاما۔ اِس جہاں کے بعد ایک شدید زمانہ آنے والا ہے۔ جہاں شاہ و گدا کی ایک ہی حیثیت ہوگی۔ جہاں پر جابر سے جابر انسان بھی چیونٹی کی حیثیت سے ہوگا اُس جہاں پر وَاحِد القہّار کی بادشاہت ہوگی! ہر شخص لرزاں ترساں پریشاں حال ہوگا! سوائے حضرتِ محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالی کے! کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے اَزل سے اِنعام مقرر کئے ہیں۔! روزِ محشر میں یہی صفتِ حبیبی رُو بہ کار آئے گی۔ تمام کائنات کے سَردار کی شان کا یہی دِن ہوگا۔ آج کے دن یہی ایک بندۂ و بشر اپنی اُمّت کی شفاعت کی جُرأت کرے گا۔ پس! جس شخص نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبّت کی۔ اُن کی قدروں کو پہچانا۔ وہی اُن کے ساتھ لَوائے الحمد کے سَایہ میں محفوظ و مامُون ہوگا!

آں محرّکِ حلقۂ جنّت را شہی
آں پئے روزِ حشر روشن مہی

اُنہیں کے فیض سے جنّت کے دروازے کھولے جائیں گے۔! اُنہیں کے فیض سے لاتعداد انسان جنّت میں داخل ہوں گے۔! تمام عالمِ حشر پہ گناہ و سزا کی ظلمت طاری ہوگی۔ مگر محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجُودِ مقدس اُس ظلمت میں چمکتے چاند کی طرح روشنی پھیلاتا ہوگا۔

آنکہ اکرم الاولین والآخرین
نیست فخرے باوجودِ ایں گزیں

قصہ مختصر کہ بعد از خدا بزرگ توئی درتمامی کائنات۔ آپؐ اوّلین و آخرین میں تمام برگزیدہ مخلوق میں مکرّم ہیں۔ اِس کے باوجود آپؐ کی صفتِ احمدی میں آپؐ کا وقت رات دن عبادت و گریہ میں گزرا۔ یہ ایک شہنشاہ سیدالکونین کی صفت کا نشان ہے۔ کہ آپؐ کو اِس حالت پر بھی فخر محسوس نہیں! ع

سلام اُس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی

دَرمدحِ چہار یارانِ باصفا رضی اللہ تعالیٰ عنہم

از سرِ فیض زِ اسرارِ قدیم
بود چہار دریا از رحمتِ رحیم

اللہ تعالیٰ نے جہاں حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدس کو تمام کائنات میں مخصوص و افضل بنایا۔ اُسی طرح آپؐ کے اصحاب میں چہار اصحاب کو بھی تمام اُمتوں میں مخصوص و ممتاز کیا۔ اُن کے وجودِ رُوحانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نُور سے مخصوص کئے گئے۔ یہ وہی چہار یارانِ باصفا ہیں۔ جنہوں نے حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت میں بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ کی تکمیل میں آپؐ کا ساتھ دیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خوشنودی کے لئے اپنے جان و مال قربان کر دیئے۔ یہ طالبانِ صادق اور عاشقانِ صادق میں شمار ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدّس سے اُنہیں تمام اُمت سے زیادہ فیض حاصل ہُوا۔ کہ اُنہیں اُن کی زندگی میں

اللہ تعالیٰ کی طرف سے نجات اور جنت کی بشارت دی گئی۔ اِنہیں خلفاءِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ذریعہ اسلام (شریعت۔ طریقت) کا اجراء ہوا۔ یہ تعلق اصحاب رسُول اللہ کا ازل سے مقرر ہُوا۔ کہ انوار و اسرارِ ربانی کا یہ پوشیدہ اور قدیم خزانہ اس طرح ظاہر ہُوا! کہ اللہ تعالےٰ نے منبعِ نورِ محمدی سے چار دریائے رحمت بنائے۔ جن کا ظہور چہار یار کی صُورت میں ہُوا۔ اور اُن کا فیضِ عام مثلِ دریا۔ جہان کو سیراب کر گیا۔

یعنے شاہ بُوبکرؓ صَادِق پیشوا
شاہِ صدق اُمت بود و راہنما

یہ حضرت صدیقِ اکبرؓ یارِ غارِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ عاشقِ رسُول اللہ صدیق اکبرؓ واحدانیت اور رِسالت کی تصدیق کرنے والے ہیں جنہوں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض نبوّت و رسالت کو مخلوق تک پہنچایا۔

مثلِ دریا نہر ہائے صِدقِ او
سُوئے ہر مُسلم رَسیدہ جُو بجُو

اُن کے علم و عرفان کا فیض دریا کی مانند ہر انسان کو سیراب کر گیا۔ اُنکے صدق نے ہر مُسلم کو اللہ اور رسُولؐ کی عظمت تسلیم کرنے پر آمادہ کیا۔

شاہِ عمُر از کرم ہائے حق و عدل
سُوئے خلقاں فیضِ چشمہ بے بدل

حضرت عمر فارُوق رضی اللہ عنہ نے فیضِ محمدیؐ سے تمام عالم کی مخلوق کو سیراب کیا۔ یہ نہ سمجھیں! کہ حضرتِ عمر فارُوقؓ ایک حکمران کی حیثیت ہی رکھتے ہیں! نہیں۔!

بلکہ اُن کی حکمرانی بھی مجسّم معرفت تھی۔ کہ اِدھر تختِ خلافت پر قرآن و سُنّت کا وعظ کر رہے ہیں۔ نظامِ ملکی بھی سرانجام دے رہے ہیں۔ اُدھر باطناً لشکروں کا معائنہ بھی کر رہے ہیں۔! یہ باطن ہی ہے کہ ساریہ کو تختِ خلافت سے ایک دُور مقام پر جنگی تربیت بھی دے رہے ہیں۔ اِس کیفیت کے بارے میں صاحبِ علم و مشاہدہ سے پوچھئے۔ کہ جسمانی حالت میں کیسے ایک دُور مقام کا مشاہدہ ہو سکتا ہے؟ اور پھر جسمانی حالت میں کیسے ساریہ آواز سُن لیتا ہے؟ ایسے واقعات روحانی طور پر ہو سکتے ہیں! لیکن یہ کیفیت جسمانی اُسی طرح کی ہے۔ جس طرح حضرت عیسےٰؑ کے لئے کہا گیا۔ قَالُوْا کَیْفَ نُکَلِّمُ مَنْ کَانَ فِی الْمَھْدِ صَبِیًّا ہاں۔! رُوحانی حیثیت میں رُوح کا کلام و سمع تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ تختِ خلافت پر خطبہ دیتے۔ میدانِ کارزار کی کیفیت جسمانی آنکھوں سے دیکھ کر ساریہ کو آگاہ کریں؟ تو جواب ملا۔ یَا سَارِیَ اِلَی الْجَبَلِ۔ ساریہ پہاڑ کی اوٹ میں آ۔! یہ رُوحانی کلام نہیں تھا۔ بلکہ حضرتِ عمر فاروقؓ کی زبان سے نکلے ہُوئے مادی الفاظ تھے۔ جو قانونِ فطرۃِ ظاہری کے اعتبار سے چند قدموں سے آگے فضا میں گُم ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ الفاظ براہِ راست ساریہ کے کانوں تک پہنچتے ہیں۔ اس کا ثبوت؟ یہ کہ ساریہ جسمانی کانوں سے شہنشاہِ اسلام کی آواز سُن کر اُس پر تعمیل کرتا ہے۔ ہاں۔! یہ تو حضرت عمر فاروقؓ خلیفۃ الارض ہیں۔ جنہیں حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا شرف حاصل تھا۔ جنہیں ملکہ خلافت و نبوت حاصل تھا۔ وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فیضِ نبوت کی شہادت مسجد نبویؐ کے اُن اصحابِ حاضرین سے پُوچھئے۔ جن میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی موجود تھے۔ جنہوں نے خود روایت کی

ہے۔ کہ ناگاہ مسجد میں رونے کی آواز سنائی دی۔ دیکھنے پر معلوم ہُوا۔ کہ سوکھا درخت کا تنا فراقِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں گریہ کناں ہے۔! ہاں۔! یہ رسُول اللہ کی ذاتِ مُقدس کا ادنیٰ نشان ہے کہ سُوکھا تنا یَبَشَرٌ مِّثْلُکُمْ کی خاصیت میں آکر انسانی خواص پا جاتا ہے! یہ صرف نورِ محمدیؐ کی خصوصیت ہے۔ تو پھر شہنشاہِ اسلام حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خصوصیت۔! سبحان اللہ۔! اُن کی حکمرانی دُنیا پر ہی نہیں بلکہ آسمانوں پر بھی ہے۔ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِکَۃُ کُلُّھُمْ اَجْمَعُوْنَ خلیفہ کی حیثیت میں ملائکہ نے اُن کی عظمت کو تسلیم کر لیا۔ اور وہ خلیفہ سے کمتر سمجھے گئے کور چشم شقی القلب جن کے قلب نُورِ ایمان و معرفت سے خالی ہیں۔ اِسے مبالغہ سمجھیں گے۔ مگر پوچھئے نیل سے پوچھئے ساریہ سے۔ پوچھئے ہرقلِ روم سے۔ کیا تم عمر رضی اللہ عنہ کی خصوصیت کی تائید نہیں کرتے؟ اور تو اور غیر ذی رُوح بھی آپؓ کی عظمت کی تصدیق کریں گے۔

شاہِ عثمانؓ مخزنِ بد از علم
کرد تدریسِ جہاں با ایں علم

شاہِ عثمانؓ ذوالنورین ہیں۔ یہ نسبت آپ کے حضورؐ سے قرب و عظمت کی دلیل ہے۔ جنہوں نے رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے فیض (قرآن) کو تمام جہان کیلئے فراہم کیا۔ آپؓ کے حلم و حیا کے سامنے ملائکہ بھی حیا کرتے ہیں۔ یہ حلم یکمال علم اپنے اندر ضرور کچھ خصوصیت رکھتا ہے۔

شاہ علیؓ از شیرِ حقی بُود پُر
در بسیطِ ارض مثلِ یک گہر

حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ شہنشاہِ ولایت و نبوت۔ اسداللہ۔ مظہرِ نورِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لَحْمُکَ لَحْمِیْ دَمُکَ دَمِیْ (تیرا گوشت میرا گوشت۔

تیرا خون میرا خون) تمامی فیض رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے جن کو وراثت میں ملا۔ اَلْعُلَمَآءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَآءِ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ۔ میری اُمّت کے عالم مانند انبیائے بنی اسرائیل کے ہیں۔ انبیاء کی وراثت علم نبوت و رسالت ہے۔ جو عالم کے ورثہ میں آتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ اکبر اَنَا دَارُ الْحِکْمَۃِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا ہم پوشیدہ اُسرار کے گھر ہیں۔ اور اُس گھر کا دروازہ علی رضی اللہ عنہ ہیں جن سے یہ حکمت مخلوق تک پہنچتی ہے وہ اُسرار و معرفت کے شہسوار تمام طریقوں کے امام جن سے لوگوں کو فیضِ روحانی حاصل ہُوا۔

ہر یکے از گوہرے اَزلی نشان
بود در عالَم منوّر بے بَیاں

چہار یاران باصفاؔ میں ہر فرد ایک گوہر بے بہا کی مثال ہیں جنہیں ازل سے نور معرفت کی روشنی ملی۔ اُنہیں کے ذریعہ عالَم کو فیض حاصل ہُوا۔

در مدح غوثِ اعظم شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

شاہِ جیلاں پیرِ ما شیخِ عظیم
کاشفِ اسرارِ حق بحرِ عظیم

جیلان کے شہنشاہ ہمارے پیر اولیائے کاملین میں شیخ اعظم ہیں۔ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے پوشیدہ اُسرار کو انسان پر ظاہر کر دیا۔ یہ علم و معرفت کے سمندر ہیں۔ جن سے طالبِ حقیقت اپنی پیاس بجھاتے ہیں۔ فرماتے ہیں ؎

مَقَامُکُمْ لِلْعُلیٰ جَمْعًا وَّلٰکِنْ   مَقَامِیْ فَوْقَکُمْ مَا زَالَ عَالِی

ترجمہ: تم سب کے مقام ذاتی طور اونچے ہیں۔ لیکن میرا مقام تم سے عالی وارفع ہے۔ جہاں تم نہیں پہنچ سکتے۔

یعنی غوث الغوث قطب الاقطاب حق
ہر ولی از ہمت او بردہ سبق

یعنی وہ غوث الاغیاث ہیں۔ جنہوں نے ایک نازک زمانہ میں دینِ اسلام کی روشنی کو عالم پر طاری کر دیا۔ انہیں محی الدین کا خطاب ملا۔ یعنی دین کو زندہ کرنے والا۔ غوث الاعظم اسلام کی وہ صاحبِ علم ہستی ہیں۔ جنہوں نے ظاہری و باطنی علم کو اِنتہا تک پہنچایا اور وہ مقام حاصل کیا جہاں بقاباللہ میں آپ کو دائمی زندگی حاصل ہوئی۔ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم اُس زندگی کے آثار کو مشاہدے میں نہیں لا سکتے) آپ کے علم اور فیض کو کبھی موت نہ ہوگی۔ بلکہ ہر ولی ہر زمانہ میں جبکہ اُن کا جسم نہ پایا جائے گا فیضِ روحانی آپ سے حاصل کرتے رہیں گے۔

اَفَلَتْ شُمُوْسُ الْاَوَّلِیْنَ وَشَمْسُنَا   اَبَدًا عَلٰی اُفُقِ الْعُلٰی لَا تَغْرُبُ

تمام ولیوں کے علم کے سورج (اُن کی ظاہری موت کے ساتھ) غروب ہوں گے۔ اور ہماری معرفت و فیض کا سورج (ہمارے بعد بھی) اُفقِ اعلےٰ پر اَبَدُ الآباد طلوع رہے گا۔ یعنی ہر ولی کی ولایت کا دفتر دُنیوی زندگی کے بعد بند ہو گا۔ اُس کا فیض بند ہو گا۔ اُس کا عمل بند ہو گا۔ ایک ولی کے بعد اُس کے قائم مقام خلیفہ کا فیض جاری ہو جائے گا۔ مگر ہماری فیض رسانی جو ہماری زندگی میں جاری ہے بعد موت بھی اِسی حال

جاری رہے گی۔ یہی کیفیت غوث الاغیاث کی ہے۔ کہ وہ قطب الارشاد ہوتا ہے۔ صاحبِ ولایت۔ صاحبِ ارشاد ہوتا ہے۔ اور جب یہی ولی قرآن و حدیث کا انتہائی عالم ہو۔ اور شریعت کے اجراء میں تبلیغ و انذار کا کام کرے غوث کہلاتا ہے۔

حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کی غوثیت کی خصوصیت یہ ہے۔ کہ آپ نے ایک نازک زمانہ میں شریعت کی اشاعت کی۔ اور مذہب کے غلط عقائد کو مٹا ڈالا۔ اور بے شمار بندگان خدا کو دینِ اسلام میں داخل کرکے معرفت و خلافت عطا کی۔ اور شریعت کی بنیادوں کو اس قدر مستحکم کر دیا کہ ایک طویل زمانہ تک اسلام کی اسی روشنی سے خلقِ خدا راہ حقیقی پاتی رہی۔ اسی کمالِ علم کے ساتھ آپؓ نے اپنے ذاتی مجاہدہ و تزکیہ سے مقامِ فنا و بقا حاصل کیا۔ اور مرتبۂ قطب الاقطاب پایا۔ قطب الاقطاب تمام اولیاء کا سردار ہوتا ہے۔ اس کا مقام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اجلاس میں (جہاں آپؐ تخت پر تشریف رکھتے ہیں) آپؐ کی دائیں جانب ہوتا ہے۔ اور جو فیض اور احکام رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اولیاء کو عطا ہوتے ہیں۔ وہ اسی قطب الاقطاب کے ذریعہ جاری ہوتے ہیں۔ چونکہ ہر ولی قائم مقام خلیفہ یا نائبِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوتا ہے۔ اس لئے زمانہ کے ہر ولی اسی قطب الاقطاب کے ماتحت ہوتے ہیں۔ ہر ولی اسی ہستی کی طرف رجوع کرتا ہے۔ یہ مقامِ قطبیت حضرت غوث الاعظم

لہ تیسرے درجہ کا قطب ہر زمانہ میں سات یا نو قطب ہوتے ہیں۔ اکثر اولیاء نے اپنے مکتوبات میں سات قطب بتائے ہیں حضرت محی الدین ابنِ عربی نے بارہ قطب بتائے ہیں۔ سات اقطاب یہ ہیں (۱) قطبُ الابدال (۲) قطبُ الاوتاد (۳) قطبِ شاہ (یا قطب سلاطین) (۴) قطب المدار۔

رضی اللہ عنہ کو بدرجہ اولیٰ حاصل تھا۔ اور آپ کے کمالِ مجاہدہ وحُبّ کے باعث آپ کو محبوبیت کا درجہ حاصل تھا۔ اِس لئے اپنے مراتب کے اعتبار سے آپ کے ہر سوال کو قبولیت کا درجہ حاصل تھا۔ فرماتے ہیں۔

وَ اَطْلَعَنِیْ عَلٰی سِرٍّ قَدِیْمٍ وَ قَلَّدَنِیْ وَاَعْطَانِیْ سُؤَالِ

مجھے اپنے قدیمی اور اَزلی اَسرار سے آگاہ کیا۔ اور لوگ میری تقلید کرنے لگے۔ میری محبوبیّت کے باعث مجھے سوال عطا کئے گئے کہ جو مانگوں قبول کیا جائیگا۔

لیعنی ہر فیض از طُرقہائے حق
از وجُودِ اُو رسید سُوئے خلق

جو فیض حضُور محمّد رسول اللہ علیہ وسلّم سے اولیاء کو ملتا ہے۔ وہ ہر صاحبِ طریق کو حضرت غوث الاعظم قطب الاقطاب کے توسّل سے ہی ملتا ہے۔ کیونکہ آپ کا علم آپؓ کے بعد بھی اِسی حال میں باقی ہے جس حال میں آپؓ کی زندگی میں تھا۔ اوّل یہ کہ آپؓ کی ولایت کی روشنی اور فیض عَلٰی اُفُقِ الْعُلٰی لَا تَغْرِبُ ۔ ہمیشہ ہر زمانہ میں قائم رہے گا۔ دوسرے ایک مجدّد کی حیثیت سے آپؓ نے دین کو جونئی قوت

حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ:۔ (۵) قطبُ الارشاد (۶) قطبُ العالم (۷) قطبُ الاقطاب۔ اِس طرح اوّل قطب الاقطاب دوسرے درجے کا قطبُ العالم اور تیسرے درجہ کا قطبُ الارشاد ہوتا ہے۔ معین الدین ابن عربی کے قول میں جو اضافہ ہے وہ بھی صحیح ہے۔ کیونکہ آپ نے ابدال اور اوتاد کو بھی ان مدارج میں شامل کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ قطبُ الاوتاد چار بھی ہوتے ہیں اور بعض مکتوبات میں ایک اور قطب کا ذکر آیا ہے اسے قطبُ القلندر سے خطاب کیا جاتا ہے۔ اِس اضافے سے ابدال او تاد۔ تین قطبُ الاوتاد کے مجموعہ سے بارّہ قطب بنتے ہیں۔

بخشی اسی ظاہری فیضِ شریعت سے ہر شخص حقیقی راہ پاتا رہے گا۔ اس لیئے ہر زمانے میں آپؐ کی محبوبیت کے باعث ہر ولی کو آپؐ کے ذریعہ فیض مل سکے گا۔

دُر طریقہ ہائے داں تو بالیقیں
فیضِ چشمہ اوست از دینِ متین

اس میں شک نہیں کہ اُمت کے تمام طریقوں میں اُنہیں کا علم اور طریقِ حصولِ عرفان جاری ہے

در صفت پیر اکمل حضرت مولانا سیّد محمد نور الزمان شاہ صاحب قطب الاقطاب۔ اویسی

مُرشدِ ما شیخ شاہ نور الزمان
راہ نمائے آفتابِ حق عیاں

ہمارے مُرشد سیّد نور الزمان شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ وُہ راہنمائے شریعت و طریقت مثلِ آفتاب ہیں۔ کہ ہر شخص اُن کے فیضِ ظاہری و باطنی سے فیضیاب ہے

نقشبندی قادری سہروردیئے
زیرِ سایہ فیضِ او ہر سرورے

نقشبندی۔ قادری۔ سہروردی سلسلوں کا ہر ولی اُنہیں کے زیرِ سایہ فیض حاصل کر رہا ہے۔

شاہ اویسیؒ قطبِ اقطابِ جہاں
ہادیئے ہر شیخ و عالم بے بیاں

حضرت شاہ سیّد نور الزمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ وقت کے خضر۔

طریقِ اویسیہ سے نسبت رکھنے والے قطب الاقطاب ہیں۔ تمام جہان کے اولیاؒ۔ مرتبۂ صدیقی کے اعتبار سے آپؒ سے ہی فیض حاصل کرتے ہیں۔

حضوریئے اجلاسِ ختمُ المرسلین
راہنمائے ہادیئے روشن جبین

آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے باطنی اجلاس (مدینہ منورہ) کے حضوری میں ہر لمحہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں تخت کے دائیں جانب مرتبۂ صدیقی پر قائم ہیں۔ آپؒ ہی کے ذریعہ وقت کے تمام اولیاء کو فیضِ محمدی حاصل ہوتا ہے اور ہر ولی آپؒ ہی کی طرف باطن میں رجوع کرتا ہے۔ کیونکہ آپؒ وقت کے اولیاء کے سردار اور راہنما ہیں۔

سیّدُ السّادات فیاضے جہاں
عالمِ علمِ لُدنؔ قطبے زماں

آپؒ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے فرزندِ معنوی بھی ہیں اور فرزندِ صُورتی بھی خالص سیّد آلِ رسولؐ سے ہیں۔ اپنے فیض کو عطا کرنے میں وہ حد درجہ فیاض ہیں۔ بلا معاوضہ۔ کم محنت پر بھی ایک طالبِ علم کو مطلوبِ حقیقی تک پہنچاتے ہیں۔ آپؒ کو ظاہری۔ باطنی علم براہِ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلّم سے عطا ہُوا۔ کیونکہ آپؒ اویسی سلسلہ سے نسبت رکھتے ہیں۔ اور زمانہ کے قطب الاقطاب ہیں۔

چشمۂ فیضِ علوم ظاہری
منبع و مخزنِ علوم باطنی

علمِ شریعت میں آپؒ کو قرآن و حدیث۔ فقہ اور تمامی دیگر علوم پر انتہائی عبور حاصل ہے۔ اور شریعت کا اجراء کرنے والے ہیں۔ اِس کے ساتھ ہی علمِ طریقت میں آپؒ کو انتہائی عرفان و لقاء حاصل ہے۔ کہ انسان کو اُس کے انتہائی مقصود تک پہنچاتے ہیں۔

اولیاں را بہر فیضِ نورِ حق
قادریاں را راہنمائے نو طبق

آپ حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ سے بسلسلہ حضرت شاہ عبدالکریمؒ بلھڑی[1]۔ شاہ عبداللطیفؒ بھٹائی۔ حضرت شاہ لونگؒ سندھی (لونگ فقیر) شاہ محمدؒ عارف صاحب اُروڑوی نسبت رکھتے ہیں۔ اس لئے سلسلہ اویسیہ کے سالکوں کو آپؒ ہی سے فیض حاصل ہوتا ہے۔ اور قادری سلسلہ کی نسبت شاہ عبدالکریمؒ، شاہ

---

[1] شاہ عبدالکریم بلھڑیؒ وقت کے قطب سلسلہ قادریہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپؒ کے فرزند شاہ حبیبؒ اللہ اور آپ کے فرزند شاہ عبداللطیفؒ بھٹائی ہیں۔ شاہ بھٹائی صاحبؒ کو اپنے والد شاہ حبیب اللہؒ صاحب سے علوم ظاہری و باطنی کی تربیت حاصل ہے۔ اور اپنے دادا سے قادری سلسلہ کی نسبت حاصل ہے۔ اور حضرت خواجہ اویسؓ قرنی سے باطنی طور پر سلسلہ اویسیہ کی بیعت و ارشاد حاصل ہوئی۔ اس لئے آپ قادری اویسی ہیں۔ حضرت سید نورالزمان شاہ صاحبؒ کو اسی سلسلہ اویسیہ کی نسبتِ اویسی حاصل ہے۔ نیز آپؒ کو براہِ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض حاصل ہوا۔

عبد اللطیفؒ صاحب حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے ملتی ہے۔ آپؒ ہر دو سلسلوں کے پیشوا ہیں۔ اور قادری سلسلہ کے طالبوں کو بھی سیر الی اللہ میں سیر کراتے ہیں۔

نقشبندیاں یافتہ اُز وے حیات
چشتیاں را زو رسیدہ آبِ حیات

آپؒ کو حضرت شاہ مظفر صاحبؒ مجذوب ولی نقشبندی سے بھی خلافت حاصل ہے۔ اِس لیے سلسلہ نقشبندی کے ولی بھی آپؒ سے اکتسابِ فیض کرتے ہیں۔ چشتی سلسلہ قادری سلسلہ سے نسبت رکھتا ہے۔ بحیثیت قطبُ الاقطاب اور قادری ہونے کے چشتیہ ولی بھی آپؒ سے ہی فیض پاتے ہیں۔

حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ:۔ کہ بغیر کسی راہنمائی کے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؒ کو حضرت شاہ مظفر صاحبؒ کے پاس بھیجا۔ حضرت شاہ مظفر صاحبؒ ماڑی انڈس سٹیشن کے قریب کالا باغ کے ایک گاؤں میں رہتے تھے۔ آپؒ سلسلہ نقشبندیہ کے باکمال ولی تھے۔ اور شاہ مظفر صاحبؒ نے حضرت شاہ صاحبؒ کو شاہ محمد عارف صاحبؒ کے پاس بھیجا۔ جہاں سے آپؒ نے سلسلہ اویسیہ کی بیعت حاصل کی۔

۲ ۔ شاہ محمد عارفؒ صاحب اروڑی۔ باکمال صاحبِ شریعت و طریقت تھے۔ آپؒ حضرت شاہ لونگ سندھیؒ (خیرپور سندھ) کے خلیفہ اکبر قطب الاقطاب ہوتے ہیں۔ ازوڑ۔ روڑی جنوب مشرق کی طرف آٹھ میل۔ شاہ شکر گنج سے دو میل دُور پہاڑی علاقہ میں واقع ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے یہاں پر شاہ محمد عارفؒ صاحب سے فیض حاصل کر کے خلافت اویسیہ حاصل کی۔ اس طرح آپؒ اویسی۔ قادری۔ نقشبندی ہیں۔

ہر کہ آں در سایۂ آں شاہ رسید
گرچہ بوداُو خشک اَز وِے نو نوید

جو کوئی بھی آپؒ کی مریدی میں آیا۔ اگر اُس کا باطن خشک و بنجر ہو گیا۔ آپؒ کی توجہ سے اُس کے قلب میں معرفت کے برگ و بار سرِ نو شاداب ہو گئے۔

ہر کہ تشنہ سُوئے چشمہ او بتافت
بس زَ نورِ فیض او یک بحر یافت

جو کوئی دیدارِ الٰہی کا پیاسا اپنی تشنگی لے کر آپؒ کے پاس آیا۔ آپؒ کے فیض سے اُسے معرفت کا سمندر پینے کو ملا۔

اَلاناںؒ از فخرِ اُو فخر الزماں
شاہ فخاران فخرِ اولیاء

اِس وقت اُن کے فخر کرنے والوں میں۔ صاحبِ فخر ہستی جناب سیّد فخر الزمان شاہ صاحبؒ آپؒ کے قائم مقام خلیفہ ہیں۔ آپؒ اپنے پیر اکمل کی ولایت کی مجسّم دلیل

لہ یہ رسالہ حضرت سیّد فخر الزمان شاہ صاحبؒ کی حیات میں تالیف ہوا ہے۔ آپ نے ۲۰۔ جولائی ۱۹۵۲ء بمطابق ۲۸ شوال المکرم ۱۳۷۱ھ بعمر اڑتالیس سال چھ ماہ بیس یوم وفات پائی۔ اِس وقت آپؒ کے دو فرزند جلیل آپؒ کے قائم مقام طریقت کا اجراء کر رہے ہیں یہاں درس و تدریس اور طریقت کا سلسلہ علیٰ حالہٖ جاری ہے۔ آپؒ کے دو فرزند حضرت مولانا شمس الزمان شاہ صاحب اور حضرت مولانا بدر الزمان شاہ صاحب موضع کوٹ چاندنہ۔ کالا باغ ضلع میانوالی کے ساکن ہیں۔ جہاں ابھی تک حضرت مولانا سیّد نور الزمان شاہ صاحبؒ کا طریق زندہ و جاری ہے۔ دامت اللہ برکاتہم۔

ہیں کہ ایک ولی کے دعوے کی یہی دلیل ہوتی ہے۔ کہ پیرِ اکمل ایک طالبِ صادق کو اپنی طرح کا ولی صاحبِ عرفان بنا کر اُس کی تمام منازل تا ذاتِ الٰہی طے کر دے سو یہی آپ کی دلیل ہے کہ حضرت سیّد فخر الزمان شاہ صاحبؒ۔ صاحبِ فنا و بقا ولی ہیں اور آپؒ کے دَر سے ہزاروں طالبانِ صادق فیضیاب ہو کر اپنے مقصودِ عرفان کی تکمیل کرتے ہیں۔ ہزاروں طالبانِ حق کو لمحوں میں زیارتِ رسول اللہؐ سے مُشرّف کرتے ہیں۔ آپؒ مرتبۂ وِلایت میں اپنے والدِ مکرّم کے قائم مقام اولیاء کے پیشوا ہیں۔ آپؒ اسم با مسمیٰ شاہِ فخاران فخرِ اولیاء ہیں۔ آپؒ کا اسمِ مبارک بھی آپؒ کی صِفَت کے لحاظ سے فخرُ الزّماں ہے۔

حضرتِ فخرُ الزّماں پیرِ منیر
قُطبِ عالم فاضِل روشن ضمیر

حضرتِ فخرُ الزّمانؒ ولی اکمل کا درجہ رکھتے ہیں۔ آپؒ خلق خدا کو اپنے مقصود تک پہنچاتے ہیں۔ آپؒ کے مریدوں میں اکثر کو مُشاہدۂ ذاتِ الٰہی حاصل ہے۔ آپؒ اپنے والد کے مرتبۂ قطب الاقطاب کے بعد مرتبۂ قطب العالم پر فائز ہیں۔

مثلِ اُو ہر سالک از وے نور یافت
گر کسے در سایۂ آں شاہ بتافت

جس طرح آپؒ کو اپنے پیرِ اکمل سے فیض حاصل ہُوا۔ اُسی طرح معرفت کے ہر طالب کو آپؒ سے فیض حاصل ہوتا ہے۔ آپؒ بھی ایک طالب کو اپنے اِنتہائی مقصود تک پہنچاتے ہیں۔

در کیفیت فقیر[۱]

چوں تجلّی در قلب سر برزند
مثلِ شمسِ عارضی پردہ درد

جب تجلّیِ انوارِ الٰہی کی موج قلب سے اُٹھتی ہے تو ایسے معلوم ہوتا ہے کہ رات کے اندھیرے میں سُورج اپنی تابانیوں کے ساتھ جلوہ گر ہُوا۔

صد ہزاراں جانِ عاشقہائے را
میکند از جسم عاشقہا جدا

اس تجلّی پر عاشقانِ حقیقت ہزار جان قربان ہو جاتے ہیں۔ اس تجلّی کے دیدار سے عاشقانِ الٰہی کی جانیں تن سے نکل کر یکسر مشاہدۂ حقیقی میں محو ہو جاتی ہیں۔

میکند آلود در عینُ الوُجود
پس بماند دائماً اندر شہُود

اس محویت میں طالبِ حقیقت یکسر مُشتاق ہو کر حقیقت کے عینی مشاہدہ کے ساتھ انوارِ حقیقی میں فنا ہو جاتا ہے۔ پس یہ وہ مقام ہے جہاں عاشقِ حقیقی کو دائمی شہود و فنا کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔

---

[۱] : فقیر اویسی۔ قادری۔ نقشبندی۔ حضرت مولانا الحاج مولوی محمد امین صاحبؒ کاشمیری خلیفۂ اکبر حضرت نورُالزمان شاہ صاحبؒ قطب الاقطاب۔

شمس پرستی و ہم آزد سُوئے یار
ایں گناہی میشود بس بے شمار

اِس اِستغراق و مشاہدہ کا تقاضا یہ ہے۔ کہ اِنسان ایسے شمس رو محبُوب کا دل و جان سے پرستار بن جاتا ہے۔ اور ایسے محسوس ہوتا ہے کہ ہم اپنی شمس پرستی ہیں۔ یار کے دیدار میں۔ شمس پرست ہو گئے۔ حالانکہ یہ گناہ تصوّر کیا جاتا ہے۔

روئے یارے من چو شمس العین ہست
از چنیں تمثیل او بالا تر است

میرے محبُوب کا چہرہ سُورج کی طرح چمکتا ہے۔! بلکہ جب میں اپنے محبوب کے ظاہری چہرے کی طرف نظر اٹھاتا ہوں تو مجھے یہ چہرہ سُورج کی مانند تاباں اور خوبصورت نظر آتا ہے۔! اور میں ہزار جان اِس پر قربان ہو جاتا ہوں۔ اِس چہرے کے نظارے میں مجھے ہر شے بھول جاتی ہے۔! میں کھو جاتا ہوں۔! زمانہ گذر جاتا ہے۔ ایک طویل زمانہ۔! نہ معلوم کتنے قرن۔!! اور محویت مجھ سے ہٹتی نہیں۔ مجھے معلوم نہیں صُبح کب ہُوئی۔ شام کب ہوئی۔ اور زمانہ کتنا گزرا ! اور جب میرے محبوب کا باطنی شمس رو چہرہ مجھ پر تجلیاں گراتا ہے۔ تو میں یکسر بے خُود ہو کر سجدہ میں گر جاتا ہوں۔! کیونکہ

اُو چوزِ اقلیمِ مُقدّس سر زند
صد ہزاراں شمس پیشِ اُو بُوَد

وہ جب میرے دل کی مُقدّس اقلیم میں جلوہ فگن ہوتا ہے۔! تو اُس کے جلو میں صد ہزاراں شمس آگے پیچھے روشن ہوتے ہیں۔

یارِ من بے مثل بے تشبیہ داں
کہ نہاں است ذاتِ او در جسم و جاں

میرے محبوب کی کوئی مثال نہیں۔ نہ میں کسی سے اس کی تشبیہہ دے سکتا ہوں کہ وہ میرے رُوح و جسم میں جذب ہو چکا ہے جب میں ہر شے کو اُسی کے رُوپ میں دیکھتا ہوں تو پھر کون سی چیز ہے۔ جو اس سے خالی ہو؟ جس کی مثال دے سکوں؟

صد ہزاراں شمس دارد در وجود
ظاہر آیند سالکاں اندر شہود

اے دوست! تُو جانتا ہے۔ کہ میں کس کی تعریف میں یہ گیت گا رہا ہوں؟ یہ ایک محبوب ہے جس نے میرے قلب میں۔ میرے تصورات میں۔ بجلیاں چمکا دی ہیں۔! میں ان تجلیوں کی اوٹ میں کس کو دیکھ رہا ہوں۔؟ ہاں یہ تجلیاں ہیں۔! خالص تجلیاں۔! جن میں مادے کا دخل نہیں۔! میرے محبوب کو ایک گوشت پوست کا لوتھڑا نہ سمجھ۔! تو اگر سالک کی نظر سے مشاہدہ کرے۔ تو تجھے اس وجود میں ہزاروں سورج چمکتے نظر آئیں گے۔ جن کی وسعت کی انتہا نظر نہیں آتی۔!

گر ز نزدیک شمس روئے در جہاں
میکند ہستیِ عالم را نہاں

اگر اِن میں سے ایک سورج کی تجلی اِس مادی کائنات پر ظاہر ہو جائے تو کائنات کے تمام نور کو جذب کر کے چھپا لے۔!

ہست ورا التقدیس در ذات و صفات
ہم چنیں تقدیس در فعل و حیات

اے صاحبِ عقل سمجھ اس رمز کو۔! یہ تقدیس۔ یہ بزرگی میرے محبوب کی کس نوعیت کی ہے۔!۔ میرا محبوب میرا پیر اکمل ہے۔! میرا محبوب اپنے انتہائی مُقامِ فنا و بقا کو پا چکا ہے۔ اب اُس کی ظاہری باطنی لطافت اِسی نورِ حقیقی سے ہے۔! جب مَیں اُس کو مقامِ بقا میں دیکھتا ہوں۔ تو مجھے ذات وصفات میں وہی کیفیت ملتی ہے۔ جو کیفیتِ حقیقی ذاتِ الٰہی کی ہے۔! استاذِ رومیؒ نے اِسی کیفیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

گفتۂ اُو گفتۂ اللہ بُوَد   گرچہ از حلقومِ عبداللہ بُوَد

ایک عارف ولی اکمل کا ہر فعل ہر گفت اُس کا فعل اُس کا گفت تصور نہیں ہوتا بلکہ گفتۂ اللہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اُس کی رُوح بقا و فنائے الٰہی حاصل کئے ہوتی ہے! اُس کے جسم پر رُوح کی حکمرانی ہوتی ہے۔ جب ولی اپنے مشاہدے میں محویت کے عالم میں کوئی بات کہہ جاتا ہے۔ وہ اس کے جسم و عقل سے متعلق نہیں ہوتی بلکہ یہ اُس کی رُوح کا تاثر ہوتا ہے۔ جو صرف زبان سے ادا ہوتا ہے۔ درحقیقت جسم بظاہر جسم ہوتا ہے اور بشر محسوس ہوتا ہے۔ لیکن اُس کے خمیر کا خصوصی مُرکب (رُوح) ذاتِ الٰہی میں فنا ہو چکا ہوتا ہے۔ جب ولی اکمل کو اِس مقام میں مُحبّ کے تابع دیکھا جاتا ہے۔ تو پھر ذاتِ الٰہی کے سوائے اور کچھ محسوس نہیں ہوتا۔ یہاں جسمانی رشتہ ختم ہو کر یکسر نورانیت رہ جاتی ہے۔ تم مشاہدۂ نورِ الٰہی کہو۔ یا فنائے شیخ میں عشق کی تاثیر کہو۔ دونوں کیفیتوں کی نوعیت ایک ہی ہوگی۔ ایسے مُقام پر ہر طالب کے لیئے اپنے کعبہ کی طرف رُخ کرکے اللہ کو سجدہ کرنا لازم آتا ہے۔ پیر اکمل کی طرف رجوع۔ رجوع الی اللہ ہے۔! شریعت بتاتی ہے۔ کہ کعبہ کی طرف مُنہ کرکے سجدہ

کرو۔! ہاں کعبہ میں اللہ کا تصوّر کرو۔ یہی حقیقی نماز ہے۔ اے مبالغہ سمجھنے والے غافل تیری نظر نہیں۔ تو مجھے شمس پرستی کرتے دیکھتا ہے۔ اور مجھ پر کُفر کا فتویٰ تھوپ دیتا ہے۔ لیکن تو اُس کے باطن سے بے خبر ہے۔ کہ میری نظریں کس کو دیکھ رہی ہیں۔ کیا دیکھ رہی ہیں۔! ہاں تو میری طرح سجدہ کرے تو کافر۔! اور میں تیری طرح سجدے سے انکار کروں تو کافر ہو جاؤں گا۔

نے چنیں تقدیس کہ فہمت رسد
بل چنیں تقدیس کہ وہمت ورد

یہ ایسی تقدیس نہیں کہ تو حواس دعقل سے اس کا احاطہ کر سکے۔ یہ تو تیرے وہم میں بھی نہیں آ سکتی۔ جب تک کہ تو ایک سالک کے قلب و شعور سے اس کیفیت کو حاصل نہ کرے۔ ہاں۔! تو جب تک اس کیفیت پر عبور حاصل نہیں کر سکتا۔ تیرا انکار بھی حقیقت سے انکار تصور ہو گا۔!

فہم و وہم ہر دو است حد مقر
بے حدے خوں شاں نمی یابند اثر
فہم و وہم ہر دو را مخلوق داں
خلق پیشِ خالقت نا یدعیاں

فہم و وہم : عقل اور واہمہ۔ دونوں حواس کے تابع اور محتاج ہیں۔ جب تک حواس کسی کیفیت کو واہمہ اور عقل تک نہ پہنچائیں۔ یہ ظاہری اشیاء کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ اگر آنکھ نہ دیکھے۔ تو نہ واہمہ کسی چیز کی ماہیت کو پا سکتا ہے۔ نہ عقل ہی کسی کیفیت کا علم پا سکتی ہے۔ عقل عاجز ہے۔ کہ میرے سامنے کیا چیز رکھی ہے بے حواس۔

وہم وعقل سب مخلوق ہیں اور محدود دائرے میں مقید ہیں۔ تو پھر وہ کیفیت جو بے کیف و بے حد ہو ان کے اثر واحاطہ میں کیسے آسکے گی؟ اس کے متعلق تو فیصلہ کر ہی نہیں کرسکتا کہ سجدہ کس کو کیا جاتا ہے؟ ہاں!۔ جو خود کور چشم۔ بے خبر۔ اپنی حالت سے بے خبر۔ علم وعمل سے دور۔ محبّت سے دُور۔ خدا کو سجدہ کرتا ہے۔ پر نہ معلوم کسے سجدہ کر رہا ہے۔ ایسا شخص اگر سجدہ کرے تو بُت کو سجدہ ہو گا۔ جب کہ اُسے معلوم نہیں کہ میں سجدہ کسے کر رہا ہوں۔ اور ایک سالک جب اپنے مشاہدہ حقیقی میں کسی کعبہ میں خدا کو پا لیتا ہے۔ تو سجدہ نہ کرے کافر ہو جائے گا۔ ایسے مؤمن کو ہی کفر کا فتویٰ دیا جاتا ہے۔ جو دیکھ کر خدا کو سجدہ کرتا ہے۔

اے امینؔ تو شکر کن پروردگار
در وجودِ تو عیاں شد ایں بہار

اے۔ امین! تو شکر کر کہ اُس پروردگارِ عالم کا۔ کہ تیرے وجود میں یہ سب آثار ظاہر ہو چکے ہیں۔ اور تجھے فنائے شیخ سے یہ تمام مراتبِ عرفاں نصیب ہوئے ہیں۔

ہر زماں از پیرِ کامل عقلِ کُل
در تو افزاید بہار و سبزہ گُل

پیر اکمل کی عنایت سے تیرے قلب کے گُلستان میں مَعرفت کے پھُول کھلے ہیں تیرا پیر اکمل عقلِ کُل ہے۔ کہ پیرِ اکمل کی صفت ہی یہ ہے۔ کہ جب چاہے طالبِ حقیقت کو مراتب عطا کرے۔ طالبِ حق اپنی ذات کے بیع (بیعت) سے پیر اکمل کی ملک ہو

لہ : الحاج مولوی محمد امین قادریؒ۔ اویسی (کاشمیری)

جاتا ہے۔ ملک ہونے کے بعد اُس کا اپنی ذات پر کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔ اُس کا ارادہ ساقط ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی مرضی سے اپنے لیئے کچھ پسند کر سکتا ہے۔ نہ طلب کر سکتا ہے۔ بلکہ ہر لمحہ پیرِ اکمل کے اِرادہ و مرضی پر چلتا ہے۔ اِس حالت میں طالب سوائے اِتباع کے اور کچھ نہیں کر سکتا۔ یہی اِتباع حُبّ کی صُورت اختیار کر جاتی ہے۔ حُبّ کی اِنتہا یہ ہے۔ کہ پیرِ اکمل ہی محبُوب بن جاتا ہے۔ تو پھر جذبۂ حُبّ میں سوائے تصورِ شیخ کے کوئی شے قلب و ذہن میں داخل نہیں ہوتی۔ جس سے ماسویٰ کی محبّت ختم ہو جاتی ہے۔ ماسویٰ سے تعلق ختم کرنا ہی طریق مُعرفت ہے۔ اور یہ چیز تصورِ شیخ۔ حُبّ شیخ سے حاصل ہوتی ہے جس کا انجام معرفتِ الٰہی ہوتا ہے۔ کیونکہ پیرِ اکمل کی صُحبت کا مقصُود بھی مُعرفتِ الٰہی ہی ہوتا ہے۔ یہ چیز پیرِ اکمل کے ذِمّہ ہو جاتی ہے۔ کہ وہ طالبِ حقیقت کو اپنے مقصُود تک پہنچائے۔ بیع ہونے کے بعد پیرِ اکمل طالب کے ہر نفع و نقصان کا ذِمّہ دار ہو جاتا ہے۔ کہ طالب کو عرفانِ الٰہی کی تکمیل کرا دے۔

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَیْہِ حَقًّا فِی التَّوْرٰۃِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ ط وَمَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ مِنَ اللّٰہِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِکُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِہٖ ط وَذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ○

تحقیق اللہ نے خرید لیں مومنوں سے اُن کی جانیں۔ اُن کے مال۔ بدلے جنّت کے۔ جہاد کریں گے۔ اللہ کی راہ میں۔ پس ماریں گے۔ اور مارے جائیں گے۔ یہ وعدہ ہے اللہ کا سچا۔ تورات میں۔ انجیل میں۔ قرآن میں۔ اور جس نے اپنے وعدے (پیمان) کو پورا کر دکھایا۔ پس خوشخبری ہے اُس سودے کی جو سودا اُس

نے اللہ سے کیا۔ یہ سودا عظیم نفع کا سودا ہے۔

اللہ نے مومنوں سے اُن کی جان و مال کے سودے میں جنّت اُن کے لیئے مقرر کی۔ مومنوں نے اللہ پر اپنی جانیں حضور محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کے دستِ حق پرست پر بیع کر لیں۔ جن کے عوض آپؐ نے انہیں مقصودِ حقیقی پر (وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ) (اِلَّا لِیَعْرِفُوْنَ۔ سیوطی) پہنچانے کی سَنَدی۔ یہی کیفیت خُلفائے رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم میں پائی جاتی ہے کہ وہ طالب صادق سے اُن کی جان و مال کے ساتھ مقصود تک پہنچانے کا سودا کرتے ہیں۔ اور نائب رسولؐ کی یہی صفت ہوتی ہے۔ کہ وہ طالبِ حق کو اپنی مِلک میں لے کر عرفان و مشاہدہ عطا کرتا ہے۔

عقلِ کُل موصُوف از آئینہ حق
از ہمہ آئینہا بردہ سبَق

پیرِ اکمل مثلِ آئینہ کے ہے۔ اور اِس میں ذاتِ حق کا عکس طالبِ حق کی رُوح کو حاصل ہوتا ہے۔ جب تک پیرِ اکمل کی رُوح سے نسبت حاصل نہ کی جائے کسی کو عرفان و مشاہدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔

نامِ اُو نورُالزّمان از نورِ احد
یافتہ گنجینۂ توحید از صمد

اُس عقلِ کُل کا نامِ نامی اِسمِ گرامی نورُالزّمانؒ ہے۔ جو نورِ احد کے مخصوص انوار میں سے ایک ہے۔ اسے اللہ تعالےٰ کی طرف سے عِلم و معرفت کے خزانے عطا کئے گئے ہیں۔

زیں سبب فرمود احمدؐ در مقال
نورِ احمد ہستی تو اندر فعال

اِسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بوقتِ زیارت (مدینہ منوّرہ) آپؒ سے فرمایا۔ کہ تم اپنے افعال (علم و عمل) میں میرے ہی نور سے ہو۔

دَر مدینہ چُوں رسیدند دَر سرائے
آمد آں ختمِ رسل خیرُ الورائے

پیر نور الزمان شاہ صاحبؒ حجِ بیت اللہ سے ہو کر مدینہ منوّرہ زیارتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آئے۔ تو سرائے میں ٹھہرے تھے۔ کہ رات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں تشریف لائے۔

گفت نامِ چیست تو اے بزرگ خرد
گفتند نامِ من چنیں خلق بُرد
مولوی نورُ الزّماں اندر جہاں
گفتند نورِ احمدی تو ہم بخواں

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا۔ آپ کا نامؑ کیا ہے؟ آپؒ نے عرض

لہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خواب میں آپؒ کو نورِ احمد کا خطاب فرمایا ہے۔

لہ آپؒ کا نام پوچھنا محبوبیت کے تابع تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سینا پر حضرت موسیٰؑ سے پوچھا اے موسیٰؑ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟ یہ خطاب بھی مقبولیت کے باعث تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو رسول بنا کر مبعوث کرنا تھا۔ اور اس مقبولیت میں آپ کو نشان عطا کرنا تھا۔ وہ نشان عصا تھا جس کی طرف اللہ نے

کہ "جہاں میں مجھے نورُالزّمان کے نام سے پکارا جاتا ہے"۔ تو حضورؐ نے فرمایا "تم نورِ احد خطاب دیئے جاتے ہو ہم نے تمہیں مخصوص برگزیدکیا"۔

کہ زِ تو نورِ احد گشتہ پدید
ہم زمانہ رونق افزا شد جدید

کہ تم سے اب مثلِ محی الدینؒ جیلانی (دین زندہ کرنے والا) اللہ کا نور عام مشاہدے میں آئے گا۔ اور ایک زمانہ تمہارے فیض سے فیضیاب۔ اور عرفان میں کامل ہو گا۔

رونقِ فیضِ الٰہی دَر جہاں
یافتہ از علمِ تو نام و نشاں

تمہارے علم سے ایک جہان میں فیضِ الٰہی (قرآن و سنّت) کی رونق ہوگی۔ تمہارے باطنی فیض سے اَسرارِ الٰہی کا عام اَنکشاف ہو گا۔

کہ زِ تو ہر فعلِ مثلِ نورِ من
ظاہر آید سالکاں اندر زمن

تم سے میری سُنّت۔ میرا طریق اور راہِ عرفان سالکوں پر ظاہر ہوگا۔ وہ میرا طریق۔ شریعت علمُ القرآن و سُنّت کا اَجراء اور اَصلِ علمُ و عَمَل اور نتیجۂ عمل (طریقت) ہے۔ اور طریقوں میں سب سے پسندیدہ طریق۔ طریق قادری اور

سوال کیا۔ یہی نشانِ نبوّت و رسالت کے لیئے بطورِ دلیل پیش کیا جاتا ہے۔ اِسی طرح حضورؐ آپؐ کی ذات سے اگرچہ واقف تھے لیکن یہ خطاب مقبولیت اور محبوبیت کی بنا پر تھا اور نام میں خصوصیت پیدا کرتی تھی۔

خصوصاً اویسی۔ جو مدت ہا مدت سے پوشیدہ تھا۔ اور عنقا تصور کیا جاتا تھا۔ آپؒ کے زمانہ میں علی الاعلان ظاہر ہوگا۔ طریقِ اویسیہ کی خصوصیت؟

ہم حضوری میشوند فی مجلسنا
آں زماں کہ میشود تو راہ نما

آپؒ قطبُ الاقطاب کی حیثیت سے وَلایت کے مُقامِ اعلےٰ پر فائز ہوں گے اور لوگوں کو ہماری مجلس کا حضوری کریں گے۔

چنانچہ آپؒ کی خصوصیت میں یہ شامل تھا کہ ہزاروں طالبانِ حقیقت ظاہری علم (قرآن۔ حدیث۔ فقہ۔ معقول۔ منقول۔ فلسفہ اور ہمہ اقسامِ علوم دینی) سے مزیّن ہوکر۔ ساتھ ہی معرفتِ الٰہی میں یکتا ہوتے۔ آپؒ کی صِفت یہ تھی کہ آپؒ لمحہ مشاہدۂ ذاتِ الٰہی میں محو رہتے۔ وَقت پر دَرس بھی دیتے۔ اور ایک طالب کو اُنگلی کے اِشارے سے چند ساعت میں زیارتِ رسولؐ سے مُشرّف کراتے جس کے لیئے کسی مجاہدہ کی ضرورت نہ ہوتی۔

ایں اُمینِ خستہ و با صد ضرر
چشم دارد سویت اے کامل نگر

اے کہ میرے محبوب! جس کی جلو میں علم و مشاہدہ پیش پیش ہے۔ یہ امینؔ آپؒ کا مُشتاق۔ دِل خستہ اور رنجیدہ تیری طرف نظر رکھتا ہے۔ کہ ایک بار میری طرف بھی نگاہِ لُطف کر۔ کہ طالبِ حق کا ذاتی عمل اُس کے حصولِ عرفان کے لیئے کافی نہیں۔ جب پیرِ اکمل چاہے۔ تو ایک ساعت میں سیکے تمام مراتب کو اِس طرح طے کرا دے گا جس طرح شاہین کے پَروں میں حقیر چیونٹی اِنتہائی بُلندیوں پر پہنچ جاتی۔

ہے۔ اے میرے محبوب۔ میری طرف نگاہِ لطف کر کہ تیری نگاہِ التفات میرے لیئے سکون کا باعث ہوگی۔!

نظرِ تو صد قذرِ ما را مات کرد
ہم شیطاں از برکت او ہیہات کرد

تیری نظر نے میری سینکڑوں خامیوں کو دُور کر دیا۔ تیری توجّہ سے شیطان بھی خوف کھا کر بھاگ جاتا ہے۔

باشد وجودِ اولیا اندر زمین
از برائے حاصلِ حق الیقین

یہ ضروری ہے۔ کہ زمین پر اولیاء کا وجود قائم رہے۔ تاکہ انسان کو ایمان بالغیب سے ماورئی۔ حق الیقین کے ساتھ اسرار و ذاتِ الٰہی کا ایمان حاصل ہو۔

تو بکوری ماندہ اے بے یقین
زیں سبب حاصل نہ شد حق الیقین۔

لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا اُن کے دل ہیں مگر اس میں قوتِ مشاہدہ و القا نہیں۔ یہ اس لیئے کہ یہ لوگ ماورئی اُدراک کا ایمان بالغیب کے ساتھ اقرار نہیں کرتے۔ یہ لوگ محنت و مجاہدہ سے جی چُراتے ہیں۔ اس لیئے انہیں اصلِ علم کی آگاہی نہیں۔ یونہی جہالت و ضِد کے باعث حقیقت کی نفی کر جاتے ہیں۔ اے باطن سے انکار کرنے والے! تو اپنی کورچشمی کے باعث اِن کیفیات و آثار کا یقین نہیں رکھتا۔ اسی سبب تجھے حقیقت کا مشاہدہ حاصل نہیں۔ کہ تو اُس پر ایمان بالغیب کے ساتھ یقین کر لے۔ اور حق الیقین تو تجھے ہو ہی نہیں سکتا۔

نورِ مرداں مشرق و مغرب گرفت
تو نہ بینی باش تو بے جان خشت

روحانی اعتبار سے مردانِ خدا مشرق و مغرب کو احاطہ کئے ہوتے ہیں۔ تو اُس حُبّ و عمل سے محروم ہے۔ بے جان پتھر کی طرح پڑا ہے۔ تو کیسے یقین کر سکتا ہے کہ مردانِ خدا کے کمالات کیا ہیں۔؟

منکرے را ایں چنیں باشد سزا
کہ نہ بیند نورِ مرداں از خدا

منکروں کے لیئے یہ سزا کافی ہے۔ کہ وہ نہ اولیاء کو پہچان سکتے ہیں۔ نہ نورِ الٰہی کی تجلی اُن کے سینوں میں پائی جاتی ہے۔

صد ہزاراں شکرِ تو اے ربِّ دیں
در دلِ من تو نہادی ایں یقیں

وَاللّٰهُ يَهْدِیْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ اللہ ہی صراطِ مستقیم تک پہنچاتا ہے۔ جسے چاہتا ہے۔ اگر وہ چاہے تو انسان کو اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر (گمراہی میں) پڑا رہنے دے۔ کہ یہ اُس کا ذاتی فعل و اختیار ہے اور جس کے دل میں اللہ اور رسولؐ کی محبت کا ذرہ سا بھی موجود ہو تو اُس کی مدد کرتا ہے اور اُسے اپنی راہِ مستقیم تک پہنچاتا ہے۔ اے پروردگار میں تیرا شکر گذار ہوں۔ کہ تو نے میرے دل میں راہِ معرفت کی قدر کی توفیق ڈال دی اور میں اُس پر یقین رکھتا ہوں ورنہ انسان کی ذاتی سرشتِ سفلی۔ انحراف و نافرمانی ہی ہے۔

اَلْاَمَاں ایقان گشتہ آں جہاں
ہست پیشِ قلبِ من یک سُر عیاں

اِس وقت میری طبیعت لطیف ہے۔ اور مجھ پر احوال وارد ہیں میرے قلب پر ایک رازِ حقیقی کا انکشاف ہو رہا ہے۔

جزِ من از کلِ اُو کلی شدہ
کز عنایت پیر اکمل پُرشدہ

میرے قلب پر رُوح کی اِس کیفیت کا عکس طاری ہے۔ کہ میری رُوح (جز) کُل میں فنا ہو کر کُل ہو گئی۔ اور وہ ذاتِ پاک پکار کر کہہ رہی ہے[1]۔ سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمُ شَانِیْ۔ پاک ہوں مَیں نہیں کوئی میری شان کے برابر۔ اور یہ سب اُس شاہینِ بلند پرواز کی عنایت سے مجھے حاصل ہُوا۔

---

[1] یہی مقام فنا جب ایک سالک کے مشاہدہ آتا ہے۔ تو یہ رُوحانی تاثر قلب پر وارد ہوتا ہے۔ اور سالک اِس کیفیت کے مشاہدہ میں محو ہو جاتا ہے۔ اُس وقت روحِ رحمانی (جز) عدم محسوس ہوتی ہے۔ اور باقی کُل محسوس و مشہُود ہوتی ہے۔ عقل و شعُور محوِ مشاہدہ ہوتے ہیں۔ تو انسان بیخودی میں اسی کیفیت فنا کو زبان سے ادا کرتا ہے۔ سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمُ شَانِیْ۔ جیسے حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ گویا یہ رُوحانی کیفیتِ فنا کا تاثر ہوتا ہے۔ جو اصل حقیقت ہے۔ کہ سالک کی رُوح قربِ الٰہی میں ذاتِ الٰہی میں سما کر فنا حاصل کرتی ہے۔ اِدھر سالک بیخودی میں اس مشاہدہ کو زبان سے ادا کرتا ہے۔ ایک حقیقی کیفیت کو زبان سے ادا کرنا۔ کلمۂ کفر تصوّر نہیں کیا جاتا۔

پیر باشد مثلِ پیرِ مَن عیاں
نے چو پیرے عرضِ کیسہ در نہاں
مثلِ زنبیلے گدایاں بس دراز
ظاہرش اندر نماز و بس نیاز
نظرِ شاں بر انیکہ آید مرغِ کے
تا نباشد خالی از حلوے شبے

پیر اگر ہوں۔ تو میرے پیر جیسے۔ نہ کہ ایسے پیر جیسا کہ گودڑی کے نیچے بھیک مانگنے کی کشتی ہو۔ اُن کے پاس زنبیل کے مانند تھیلہ ہوتا ہے۔ کہ دُنیا کی ہر مُردار چیز اُس میں سَما جاتی ہے۔ ظاہر طور پہ نمازوں۔ وظیفوں میں مشغول۔ مگر اُن کے طریقِ فقر سب حیلے۔ نذر و نیاز کے ہیں۔ اُن کی نظر مریدوں کے خوانوں پر ہوتی ہے۔ کہ نیاز خالی ہے۔ کہ ساتھ مُرغ بھی ہے۔ اُن کی شب بغیر حلوہ کے بے رونق ہو جاتی ہے۔ حقیقتاً پیرِ اکمل صاحبِ ولایت کی شناخت یہ ہے کہ پیرِ اکمل جب شریعت و طریقت کا دعویٰ کرتا ہے۔ تو یہ نازک مُقام ہوتا ہے۔ یہ مُقام قائم مقامِ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ہے۔ قرآن نے واضح طور پر رسول اللہ کی خصوصیت بتا دی ہے۔ هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وہ اللہ ہے جس نے اٹھایا اُمیوں میں سے ایک رسول اُنہیں میں سے۔ جو تلاوت کرتا ہے اُس کی آیتیں اُن پر اور تزکیہ کر کے اُنہیں پاک کرتا ہے اور آگاہ کرتا ہے۔ کِتاب کی اصلی ہیئت و کیفیت سے اور پوشیدہ کیفیات سے۔ رسول صرف اسی عمل کو پُورا کرنے آتا ہے۔ اور رسول کے بعد اُس کی جگہ

اُس کا قائم مقام اُنہیں صفات سے متصف ہوتا ہے کہ وہ قرآن کی ہر آیت۔ ہر لفظ۔ ہر حرف کی اصل سے آگاہ ہو۔ یہاں تک کہ ایک لفظ بھی اُس کے احاطۂ علم سے باہر نہ ہو۔ لوگوں کو اصل علمُ الکتاب سے آگاہ کرتا ہو۔ تزکیہ کرتا ہو۔ اور ہر انسان کو پوشیدہ اسرار دکھا سکتا ہو۔ اِس کے سِوا عالم کی کوئی تعریف نہیں۔ کوئی شخص عالمِ امّت ہونے کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ جب تک کہ وہ خود متّقی نہ ہو۔ صاحبِ شریعت نہ ہو۔ اُسے خود تزکیہ حاصل نہ ہو۔ اُسے علمُ الکتاب کے پوشیدہ اسرار کا علم نہ ہو۔ وہ متشابہات اور حکمت کے آثار کا علم نہ بتا سکتا ہو۔ اُس کے ساتھ ہی اُسے مشاہدۂ علمُ الکتاب کا ہونا ضروری ہے۔ مشاہدہ سوائے تزکیہ کے حاصل نہیں ہوسکتا۔ تزکیہ حاصل نہ ہو۔ تو قرآن کے متشابہات پر عبور حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ متشابہاتی کیفیات کو پانے کے لیئے فقۂ قلبی اور مشاہدۂ قلبی ضروری ہے۔ ورنہ قرآن کی سطحی تاویل کا احتمال ہوگا۔ قرآن و حدیث اور فقہ کی تحصیل ایک غیر مسلم بھی کرسکتا ہے۔

علمارِ امّت کی تعریف اِسی لیئے کَاَنْبِیَآءِ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ کی گئی ہے کہ اُن میں انبیاءِ بنی اسرائیل جیسی خصوصیات پائی جائیں۔ ایسا ہی عالم مسجد کے منبر پر تبلیغ کرسکتا ہے۔ ایسا ہی عالم خانقاہ میں بَیعت کرسکتا ہے۔ ورنہ جو خود سے بے خبر ہو۔ صرف عربی پر اُسے ناز ہو۔ نہ اُسے تقویٰ ہو۔ نہ اُسے تزکیہ حاصل ہو۔ نہ مشاہدہ حاصل ہو صرف کتابوں کا بوجھ سر پر لادا ہوا ہو۔ کسی دوسرے کی کیا راہنمائی کرسکتا ہے؟ عالمِ امّت نے وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ پر ہی اکتفا نہیں کرنا۔ بلکہ ایک طالبِ حقیقت کو بالمشاہدہ حقیقت سے ہمکنار کرنا ہے۔ عالمِ امّت کے لیئے یہ سند کافی نہیں۔ کہ اُس کے دادا۔ پردادا ولی گزرے ہیں۔ اور لاکھوں مرید اُس کے آستانہ پر زیارت

کے لیئے اور دینوی حاجتیں مانگنے آتے ہیں ۔ اور مُریدوں کی نیازوں سے گھرے بھر بھر جاتے ہیں ۔ لاکھوں روپیہ نیاز میں حاصل کرنا اور لاکھوں مُرید بنانا ۔ اصل شریعت و طریقت نہیں ۔ بلکہ بدعت و دھوکہ ہے ۔ ایسے عالِم جو ظاہری علمُ میں کمال حاصل کیئے ہوئے ہوں ۔ اور بزعم خود مُبلغ بھی ہوں ۔ لیکن اگر انہیں مشاہدہ و عرفان حاصل نہیں ۔ اُنہیں حق حاصل نہیں کہ اپنے آپ کو عالِم اُمّت کی حیثیت سے پیش کریں ۔ یا اِس حالت میں لوگوں کو بیعت کریں ۔ اور ایسے لوگوں پر تو افسوس ہے ۔ جو علمُ القرآن و حدیث سے قطعی نابلد آنا طریقت سے بے خبر صرف لفاظی اور شاطرانہ چالوں سے فقیری ۔ اور عالِم کا سفید و سیاہ لبادہ سَر سے پاؤں تک اوڑھے مصنوعی فقیری کا دعویٰ کرتے ہیں اور لاکھوں بندگانِ خدا کو دھوکے میں رکھ کر بھٹکا کر ۔ خلافِ شریعت اقدام پر عامل کرتے ہیں ۔ اُن کی غرض صرف لذّتِ نفس جاہ پرستی اور حصُولِ دولت ہے ۔ یہ اللہ کے کلام کو کم قیمت مال پر فروخت کر کے اپنے خزانے بھرتے ہیں ۔ اُن کا واحد مقصد اللہ و رسولؐ کا سچّا راستہ دکھانا نہیں بلکہ اپنی راہ دکھانا ہے ۔

حقیقت یہ ہے کہ عالِم امت کا دعوےٰ بالفاظ دیگر نبی ہونے کا دعوےٰ ہے ۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص صاحبِ علم ۔ صاحبِ معرفت صاحبِ مشاہدہ ہونے کا دعوےٰ کرتا ہے ۔ ایسا شخص عوامُ المُسلمین کو عرفانِ الٰہی کی تکمیل کا دعویٰ کرتا ہے ۔ اور جو شخص بغیر کمالاتِ نبوّت کے دعویٰ نبوّت کرے ۔ وہ کذّاب کہلاتا ہے ۔ خواہ وہ اپنی دانست میں دیتے ہوئے چند مسائل نیں دھوّاں دھار تقریر سے لوگوں کو متاثر ہی کیوں نہ کرے ۔ لیکن جب تک اُس میں یَتلُوا عَلَیھِم اٰیٰتِہٖ

کے ساتھ وَیُزَکِّیْھِمْ تزکیہ کی صلاحیت اور وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ کی یہ خصوصیت حاصل نہ ہو کہ وہ تزکیہ کے ساتھ مشاہدہ اُسرارِ الٰہی کا خود شاہد ہو اور دوسروں کو بھی اِس علم سے آگاہ و شاہد کراتا ہو۔ اَلْعُلَمَاءُ اُمَّتِیْ میں شمار نہیں ہو سکتا۔ درحقیقت راہِ عرفان کی راہنمائی کے لیئے ایک ولی اکمل صاحبِ علمِ شریعت و طریقت کا ہونا لازمی ہے۔ جو راہِ عرفان (صراطِ مستقیم) کے تمام آثار و اُسرار سے کُلّی طور پر آگاہ ہو۔ اور دوسرے کو بھی مقصود تک پہنچا سکتا ہو۔ عرفان کے لیئے ظاہری علم (ترجمہ قرآن و حدیث) کافی نہیں ہو سکتا۔ جب تک اُس کے ساتھ تزکیہ و مجاہدہ نہ شامل ہو۔ اِس لیئے ولایت میں ولی کے تین مدارج مُقرّر کیئے گئے ہیں۔

(۱) ولیِ کامل (۲) ولیِ مکمّل۔ (۳) ولیِ اکمل۔

۱۔ ولی کامل وہ ہے۔ جو حضوریئے اجلاس محمدی صلے اللہ علیہ وسلّم ہو۔ ہر وقت دربارِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم میں حاضر رہنے والا۔ صاحبِ مشاہدہ ہو اگر یہ کیفیت حاصل نہ ہو۔ تو باوجود۔ قُرآن و حدیث کی اِنتہائی تحصیل کے بھی وَلی نہیں کہلا سکتا۔

۲۔ ولیِ مکمّل وہ ہے۔ جو ذاتِ باری تعالیٰ کے تمامی آثار و اُنوار تا اُحدیّت مشاہدہ و مراتب حاصل کر چکا ہو۔ لیکن خود طالب کی حیثیت سے ہو۔ مُرشد کی حیثیت نہ پاتا ہو۔ ایسا شخص خود انتہا کو پاتا ہے۔ مگر کسی کو مقصود تک لے جانے کی قوّت نہیں رکھتا۔

۳۔ ولیِ اکمل۔ یہ صفت تفضیلِ کُلّی ہے۔ ولیِ اکمل وہ ہوتا ہے جو ذاتِ باری تعالےٰ

کے نورِ احدیت میں فنا و بقا حاصل کر چکا ہو۔ اُسے عرفان و مُشاہدہ حاصل ہو۔ اَرض و سمٰوات کے باطن اَسرارِ الٰہی کے ہر کیف و طریقِ راہ رَوی سے کُلی طور آگاہ ہو۔ اور ایک طالبِ حقیقت کی پوری راہنمائی کرنے والا ہو۔ ولی اکمل کی خصُوصی صِفت یہ ہوتی ہے۔ کہ طالب کو بغیر کسی مجاہدہ و تزکیہ ایک آن میں مشاہدہ عرفانِ الٰہی کی تکمیل کرا دے۔ اِن تین مدارج میں۔ ولی کامل۔ ولی مکمل بیعت کرنے کا حق نہیں رکھتے نہ ہی وہ عالِم بیعت کر سکتا ہے۔ جو صاحب مشاہدہ ولی نہ ہو۔ صرف ایک عامل یعنی مُتقی اور مُنتہی علم القرآن و حدیث ہو۔ کیونکہ جب تک اسے مشاہدہ اَسرارِ الٰہی نہیں یہ شخص کسی کی عالمِ باطن میں راہنمائی نہیں کر سکتا۔ اور بیعت صرف اِسی غرض سے ہوتی ہے۔ کہ طالبِ حقیقت کو اَسرارِ الٰہی کا مشاہدہ کر کے معرفت الٰہی کی تکمیل کرائی جائے۔ صرف ولی اکمل ہی بیعت کرنے کا حق رکھتا ہے۔ کیونکہ وُہ خود اکمل ہے۔ اور دوسرے کو مکمل کر سکتا ہے۔ اس لیئے ولی کی صِفت یہ ہونی چاہیئے۔ کہ وہ طریقِ طریقت میں ایک طالب کو اِبتدائی طور۔ زیارتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مُشرف کر کے ولی کامل کا درجہ عطا کرے۔ ولی اکمل ہی عالِم اُمت کی حیثیت سے کسی کو بیع کر کے اُس کے دین و ایمان کو سلامتی اور تکمیلِ مقصود کی ضمانت دے سکتا ہے۔ یہ شخص عُلماءِ اُمت کا سردار اور قطبُ الاقطاب ہوتا ہے۔ پیر ہو تو ایسا ہو۔ ورنہ نفس پرست اور کذّاب عاقبت کا خوف نہیں رکھتا۔ کہ اللہ تعالےٰ کے سامنے ایک دن مجھے جوابدہ ہونا ہے۔ اُس کا مقصود راہ دکھانا نہیں۔ وہ تو دُنیا کی حاجتیں پوری کر کے اپنی جیب پُر کرتا ہے۔ ہاں یہ یاد رکھنا ضروری ہے

کہ کسی ولی کے پاس دُنیا کی حاجتیں پوری کرنے کے لیئے نہیں جایا جاتا۔ ولی کے پاس ایمان کا سودا ہے۔ اُس سے سوائے ایمان کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ کسی ولی کا محض دنیاوی حاجتیں پوری کرنا محض دھوکا دینا ہے۔

اَے بَسا کہ اُز نبیازِ حلوا خواں
گشتہ خالی قلب و جاں از جلوہ جاں

ایسے لوگ فقر سے صِرف دُنیاوی جاہ و دولت وصول کرتے ہیں۔ بظاہر یہ اپنے آپ کو عارِف کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔ اور علمِ طریقت سے بے خبر لوگ اُنہیں حضورِ انور۔ ہادیِ دین۔ سراجِ مُنیر۔ غوثُ المعظم۔ قُطبِ زماں۔ مولانا۔ مُرشدُنا وغیرہ وغیرہ کا اپنی طرف سے خطاب دیتے ہیں۔ یہ لوگ اِن القابات کو قبول کر کے اپنے ظاہر کو اسی طرح پیش کرتے ہیں۔ لیکن اُن کے قلب نورِ ایمان سے خالی ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی تقلید انسان کو گمراہی اور نقصان تک پہنچاتی ہے۔ ورنہ یہ سب علامتیں ظاہری نمود کی ہیں۔ ولایت کی اصل نہیں۔

باید اے یاراں دریں راہ کوششے
تا نہ باشد نورِ حق را پوششے

اے یارانِ طریقت! یہ مدارج و مراتب حاصل کرنے کیلئے بناوٹ اور شہرت سے علیحدہ ہو کر سرتوڑ مجاہدہ۔ ریاضت چاہیئے۔ تاکہ کوئی ماسوائی کیفیت نورِ حق کو حاصل کرنے میں حائل نہ ہو۔

دَر شبے تاریک ساعت ہا دراز
باش گریاں زار زار و۔ زار و زار

اگر تُو حقیقت کا طلب گار ہے۔ تو دل میں عشق پیدا کر۔ اور اپنے محبوب کے

وصال کی خاطر سوائے تصوّرِ محبوب کے ہر شے کی نفی کر۔ تجھے جب تمام دُنیا سوئی ہو۔ چین نہ آئے اور تُو طویل راتوں میں بھی گریہ و زاری میں بسر کر۔

تا بجوش آید بتو کانِ قدیم
ریزد از دریائے حق دُرِّ یتیم

تاکہ رحمت کا دریا جوش میں آئے۔ اور اِس دریائے حق سے بے بہا موتی تجھے حاصل ہو۔

پُر شود اُز لعلِ اُو قلبِ دروں
یابی از اُنوارِ حق بیرُوں دروں

تاکہ ذاتِ باری کے انوار پے در پے تیرے قلب پر وارِد ہوں۔ اور تجھے مُشاہدۂ الٰہی حاصل ہو۔

اِیں سُخن پایاں نہ دارد اے امینؔ
حِصّہ کو دارد کہ ہست حق ُ الیقین

اے امینؔ۔ یہ بات مخاطب اور غیر مخاطب پر جب ہی اثر کرتی ہے جب کسی میں طلبِ صِدق۔ اور اولیاء سے محبت و عقیدت سے لگاؤ ہو۔ یہ حصّہ اُس کو ملتا ہے۔ جسے حق ُالیقین کا درجہ (ربالغیب کے ساتھ) حاصل ہو۔ ورنہ غیروں کے کے لیئے یہ سخن لاحاصل ہے۔

حاصل ایں آید کہ اے محصل کمال
تا بیابی حکمت از صنعے جلال

مختصر حاصل اِن باتوں کا یہ ہے کہ تُو اُس راہ کی طرف رُجوع کرتا کہ تجھے اُس خالق اکبر کے اَسرار سے آگاہی حاصل ہو جائے۔

کہ رُوی دَر پیش کامل راہنما
پُر کنی کاسہ زِخُمِ اُو چُوں گدا

کہ تُو کسی پیرِ کامل کو اپنا راہبر بنالے۔ تو وہ شرابِ معرفت سے تیرا کاسہ مثلِ گدا کے پُر کرے گا۔

میکُنی تسلیم جاں را پیش او
گردی از دریائے حق چوں شمس رو

تُو اپنی جان کو اُس کے سپرد کردے اور غلام بن جا۔ اپنے ارادۂ وحرکت کو اُس پر بیچ کردے۔ اور اپنی ذمہ داری سے یکسر دَست بَردار ہو جا۔ ماضی و مُستقبل سے آنکھیں بند کر اور اپنے پیرِ اکمل کے حکم پر بلا سوچ سمجھے عمل کر۔

اچھا ہے دل کے پاس رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

اِس میں شک نہیں کہ تیری عقل تیرے اِرادوں کو نفع ونقصان کی حدیں باندھنے والی ہے۔ لیکن ایسے علم میں جو تیرے حواس کی حدود سے باہر ہے۔ کسی کامل کے حُکم پر اپنی عقل کی حدوں سے گزر کر اُس پر عمل کر۔ ع

گردی از دریائے حق چُوں شمس رُو۔

تیرا پیر تجھے توحید کے دریا میں دھکیل دے گا۔ تو یقیناً تو اُس دریائے حق سے مُزکی ہو کر ایک مُنوّر قلب حاصل کرے گا۔

یابی اُز توحیدِ یزداں راز ہا
آں زماں کا موختی پرواز ہا

تو اُس توحیدِ حقیقی میں داخل ہو کر بے شمار ماورائے اُدراک اُسرار کو پالے گا۔ جب تو اُس کی راہ میں پرواز کی صلاحیت حاصل کرے گا۔

لیک تعجیلت بنا شد کردہین
پیش اَکمل باش از فتنہ رہین

ہاں! پیرِ اکمل کے پیش ہونے میں تجھے اَدب سیکھنا ضروری ہے۔ جب تُو اپنے آپ کو پیرِ اکمل کے حوالے کردے۔ تو۔ تُو جان لے کہ اب تیری ہر شئے تیری ملکیت میں نہ رہی۔ تیرا ذاتی اِرادہ بھی۔ ذاتی ارادہ نہ رہا۔ ہاں۔ اب تو اُپنے اِرادے سے کچھ کہہ سکتا ہے۔ نہ مانگ سکتا ہے نہ اُٹھ سکتا ہے۔ نہ بیٹھ سکتا ہے۔ یہاں تک کہ تو اُپنے مقصود سے بھی دست بردار ہو جا۔ تیرا مقصود تیرا پیر اور اس کا حکم ہی ہو گا۔

یہی طریق طالبِ صادق کا ہے۔ طالب کا کام حکم کی تعمیل۔ اور پیرِ اکمل پر یقین کامل رکھنا ہے۔ طالب کے پاس سوائے حکم کے ماتحت چلنے کے اور کچھ نہیں رہتا۔ پیرِ اکمل کی مثال ایک ماہر طبیب کی سی ہے۔ بیمار کو جس طرح سمجھے صحت کی طرف لاتا ہے۔ بیمار کی خلطوں۔ خاصیتوں کے مطابق اُس کا علاج مناسب کرتا ہے۔ کبھی طویل علاج میں رکھتا ہے تاکہ بیماری یکسر دُور ہو جائے۔ کبھی کڑوی دوا استعمال کراتا ہے۔ کبھی خلطوں میں اضافہ کرتا ہے۔ وہ بیمار کے حال سے اچھی طرح واقف اُس کی موت وحیات کا ذِمّہ دار ہوتا ہے۔ بیمار کے لئے جیسے علاج کی ضرورت

ہو ویسا ہی کرتا ہے۔ اور بیمار طبیب کے حکم پر چلنے والا اپنے علاج کو بھول جاتا ہے۔ اُس کا کام طبیب کی تابعداری ہے۔ بیمار حکیم کے پرہیز کا پابند ہے۔ اگر بیمار نے اپنی صحت کا خیال کیا۔ تو اُسے اضطراب پیدا ہوگا اور وہ واویلا شروع کرے گا۔ کہ طبیب مجھے صحت مند کیوں نہیں کرتا۔ اِس کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ بیمار طبیب کی مرضی کے خلاف اپنی مرضی کو داخل کرتا ہے۔ اِس لئے بیمار نے اپنے صحت یاب ہونے کا خیال کیا۔ یا اپنی سمجھ کو طبیب کی مرضی میں داخل کیا تو بیماری دُور نہ ہوگی۔ بلکہ نقصان ہوگا۔ گویا بیمار طبیب کے حکم پر چلنے پر آمادہ نہیں۔ بلکہ اپنی مرضی پر طبیب کو چلانا چاہتا ہے۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ یا مریض طبیب کے علاج سے گُریز کرے گا۔ یا طبیب ایسے بیمار کے علاج سے دست کش ہو جائے گا۔ یہی کیفیت طریقت میں ہے کہ طالبِ صادق میں صبر و اِستقلال ہونا چاہیئے۔ اپنے مقصود کو پانے میں جلدی نہ کرے بلکہ پیرِ اکمل کی مرضی پر صابر رہے۔ کیوں کہ پیرِ اکمل ایک طالب کی ہر ضرورت سے آگاہ ہے۔ اور اُس کے علاج میں کوشاں ہے۔ اِس لئے وہ بحیثیت طبیب کے طالبِ صادق کے مقصود کو خود پورا کرنے کا ذِمّہ دار ہے۔ ایسی صورت میں طالبِ صادق کو پیرِ اکمل پر کوئی سوال کرنے کی ضرورت نہ ہوگی بلکہ پیر کے حکم پر چلنا ہی اُس کا عمل اور اُس کی کامیابی ہے۔

اے طالبِ حقیقت! جان لے کہ طریقت۔ محنت اور عشق ہے۔ عشق کے معنی فراق ہے اور وَصل عشق کی موت۔ اگر تو عشق کے سرور سے مسرور رہنا چاہتا ہے تو دُوری کو اختیار کر، تاکہ تیرا عشق ہمیشہ تیرے ساتھ رہے۔ تو اپنے مقصود کے لئے جلد بازی سے کام نہ لے۔ ورنہ تیرا عشق ختم ہو جائے گا۔ جب تک تیرے دل

میں فراقِ یار کا سوز نہیں۔ تیرا عشق کامل نہیں۔ جب تک تیرے دل میں فراقِ یار کا درد نہ ہو تو عاشق نہ کہلائے گا۔ یہی درد محویت و اِستغراق پیدا کرتا ہے۔ یہی محویت فقر کی اصل ہے۔ ؎

آ اور دیکھ محویتِ بے خودی مری — تجھ سے بھی بے نیاز ہُوا جا رہا ہوں میں

(سیماب)

اِسے طریقِ اویسی کہتے ہیں۔ یہی کیفیت طالب کو حضرت اویس رضؓ سے نسبت دلاتی ہے۔ کون نہیں جانتا کہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اِنتہائی عاشق تھے۔ لیکن اپنی عمر میں آپ سے ایک بار بھی ملاقات نہ کی۔ اس کا سبب فراقِ یار کی لذّت تھا۔ اِسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کو اپنا دوست کہا۔ کہ یہ طریق اِنتہائی عشق کا تھا۔ ہاں یہ عشق مردانِ خدا کی صحبت سے ہی تجھے حاصل ہو گا۔ وہی تیرے قلب میں عشق کی آگ کو گرما دیں گے۔ ورنہ بغیر پیرِ اکمل تو کسی طرح بھی اپنی طلبِ صادق میں کامیاب نہ ہو سکے گا۔

ہست اندر دورئے مردِ خدا
گویا کہ از حق شدن باحق جدا

مردانِ خدا سے دُوری گویا اصلِ حق سے محرومی ہے۔ اور جب تک تجھے مردانِ خدا کی صحبت حاصل نہ ہو یہ کمال تجھے حاصل نہ ہو سکے گا۔

مَن شنیدم از زبانِ سالکِ کلان
کہ وجودِ اولیا پارس بدان

مَیں نے اولیائے کاملین سے سُنا ہے۔ کہ اَولیا کا وُجود مانندِ پارس

ہوتا ہے۔ جو کوئی اُس سے مس کر جائے سونا بن جاتا ہے۔

لیکن بیانِ ایں سخن بس راز ہست
گفتنِ اُو زیں سبب ممتاز ہست

لیکن یہ بیان ایک رازِ سربستہ ہے۔ جو خواص و عارف ہی سمجھ سکتے ہیں۔ عوام پر یہ نکتہ ظاہر کرنا جائز نہیں۔

از اثرِ پارس شود آہن زر
از اثرِ سالک شود سالک دگر

پارس کے اثر سے لوہا سونا بن جاتا ہے۔ لیکن سالک کے اثر سے دوسرا بھی سالک بن جاتا ہے۔

لیکن از اں سالک شود سالک چنیں
از اثر زر۔ زر نباشد بالیقیں

پارس سے مس ہُوا لوہا سونا بن جاتا ہے۔ اُس سونے کے مس سے لوہا سونا نہیں بن سکتا لیکن سالک کے اثر سے دُوسرا بھی پارس (سالک) بنتا ہے۔ اور اِس سالک کے اثر سے ایک اور (تیسرا) بھی سالک بن سکتا ہے۔

پس بداں کہ ہر توجہ راہ نما
میشود یُصلِح لَکُمْ اَعمَالَکُمْ را راہ نما

پس جان کہ سالک کی توجہ سے تیرا تزکیہ ہوگا۔ جو کہ نصِ قرآن ہے وَیُزَکِّیْھِمْ کی توجہ سے تیرا وجود کُندن بن جائے گا۔ جو تیرے اعمال کو صالح کر دیتی ہے۔

ہر رگِ از بدنِ تو داں بالیقین
پُر شود از نورِ پاکِ ربِّ دین

پیر کی توجہ سے تیرے بدن کی نس نس تجلیاتِ الٰہی کے انوار سے بھر جائے گی۔

یعنے ہر ذرّہ کہ کردی تو شگاف
نظر آید نورِ یزداں بے خلاف

اس حالت میں اگر تو باطناً اپنے وجود پر نظر ڈالے۔ تو تجھے اپنے جسم کے ہر بُنِ مُو سے نورِ الٰہی ٹپکتا نظر آئے گا۔

بینی از دریائے یزداں نہر ہا
آں زماں کہ جوش زد انوار ہا

تُو ذات و صفاتِ الٰہی کے انوار سے نور کی نہریں بہتا دیکھے گا جب تیرے وجود میں یہ نورِ یزداں جوش زن ہوگا۔

چُونکہ عالم غیب پردہ بر درید
میشود از غیب اقلیم ہا پدید

یہ وہ مقام ہے۔ جب تیرے سب حجاب مِٹ جائیں گے۔ تو تیرے سامنے غیب سے انوار کے ملکوں کے مُلک ظاہر ہوں گے۔

ایں ہمہ عالم مع اشیائے کُل
میشوُد معدوم از اجزائے کُل

اُس وقت یہ تمام اشیائِ مخلوق۔ معدوم ہو جائیں گی۔ تیرے سامنے اُن

کے اجزار کی ہیئتیں محو ہو جائیں گی۔

بینی از اوّل تا آخر یک توحید
گشتہ از اکرام یک عالم پدید

پھر تو ازل سے ابد تک اوّل سے آخر تک ایک ہی نورِ واحد کو پائے گا۔
ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ۔ ھُوَ الْاَوَّلُ ھُوَ الْاٰخِرُ۔ ھُوَ الظَّاھِرُ۔ ھُوَ الْبَاطِنُ۔
کی پوری تعبیر تجھ پر منکشف ہو گی۔ کہ تمام عالمِ خلق ایک ہی نورانی عالم میں مشاہدہ میں آئے گا۔

میشوند از غیب انوار آشکار
جاری از دریائے یزداں نوبہار

اُس کے بعد اب عالمِ غیب میں تیرے سامنے انوار ظاہر ہوں گے۔ جو نورِ حقیقی۔ منبعِ حقیقی سے جاری ہوتے ہیں۔

ایں سخن پایاں ندارد آں محیط
از حد و مقدار داں بیروں بسیط

میرا یہ بیان اُس ذاتِ لامحدود اللہ کی وُسعت کا اِحاطہ کرنے سے قاصر ہے وہ خیال و وہم۔ حدود و مقدار کی قید سے منزّہ۔ مخلوق سے دُور اور بیروں اِس قدر وسیع ہے۔ جہاں اُس کی ذات کے تصوّر میں پڑ کر سوائے "اللہ" (حیرت و درماندگی میں ڈالنے والا) کے زبان سے کچھ نہیں نکلتا۔

دَر بیانِ مَنازِلِ فقر کہ دَر سَیرِ سالک ظاہر آیند

بیان منازلِ فقر جو کہ سالک کو راہِ عرفاں طے کرنے میں پیش آتی ہیں۔ یہ منازل صراطِ مستقیم سے تعبیر ہیں۔ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ سے مُراد صراط اللہ (اللہ کی معرفت کا راستہ) صراط اللہ کی کیفیت سے کیا مراد ہے؟۔ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۔ اللہ کا راستہ وہی ہے۔ کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین سے ہے۔ یہی صراط اللہ ہے۔ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وہ علم ہے جو اَسْمَاءَ كُلَّهَا میں شمار ہے۔ انہیں اسمار میں سے وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا آدمؑ کو نفخِ رُوح کے ذریعہ علم دیا گیا جس سے اُسے خلیفہ و نبی کا خطاب ملا۔ اُنہیں اُسرار میں سے ہر نبی مخصوص و مصطفٰے کو علم دیا گیا۔ اُنہیں اُسرار میں سے ہر بشر کو اُس کی پیدائش کے ساتھ اُس کی رُوح کو مشاہدہ کرایا جاتا ہے۔ کیونکہ ہر بشر اِنِّي جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيفَةً ؕ کی صِفت میں شامل ہے۔ کیونکہ ہر بشر مثلِ آدمؑ و انبیاء جسم اور رُوح کا مُرکّب پیدا ہوتا ہے۔ اُس کی رُوح مشاہدۂ نوری کے لئے اُس میں داخل کی گئی ہے۔ اِس لئے ہر بشر کی رُوح کو مشاہدۂ اَسمارِ الٰہی انسان کی پیدائش سے قبل دیا جاتا ہے۔ انسان کی پیدائش کی غرض و غایت یہی ہے۔ کہ وہ اِسی سِر کی حفاظت کا ذمہ دار ہے کہ وہ اپنی مقررہ زندگی (اِلیٰ حِينٍ) میں اپنے ہوش و حواس کے قائم ہونے کے ساتھ اِس علم و مشاہدہ کی حفاظت کرے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۔ نہیں خلق کیا جنوں اور انسان کو مگر عبادت کے ذریعہ عرفان حاصل کرنے کے لئے (لِيَعْرِفُوْنَ) کہ اللہ اور اُس کے اُسرار کا مشاہدہ جاری

رکھیں۔ چنانچہ ہر رسول کو جب مخصوص کیا گیا۔ تو اُسے "نبی" کہا گیا اِس لیئے کہ اسے فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ هُدًی کے لیے خصوصی طور پر مامور کیا گیا۔ یعنی جب تمہارے حقیقت سے دُور رہونے پر تمہاری خلافت تم سے ضائع ہو۔ اور تم میں تصورِ حقیقی۔ عرفانِ الٰہی اور عَلَّمَ الْاَسْمَآءَ کی خصوصیت بوجہ غفلت باقی نہ رہے۔ تو تمہاری اصلاح کے لیئے۔ تم ہی میں سے ایک بشر تمہارے جیسا نبی۔ خلیفہ مصطفےٰ (منتخب) کیا جائے گا۔ اُس کے ذریعہ تمہاری طرف ایک ہدایت بھیجی جائے گی۔ یہ ایک شرعی قانون ہو گا۔ اُس ہدایت میں ایسے احکام۔ ایسے طریق پیش کئے جائیں گے۔ جن میں اوّل تمہارے سامنے احکام و مُتشابہات۔ طریقِ عبادت۔ اور مخفی کیفیات پیش کئے جائیں گے۔ پھر رسول تمہارا تزکیہ کرے گا۔ اس تزکیہ سے تمہاری کثافت جو تمہارے مشاہدہ اسماءِ الٰہی میں حائل ہوگی۔ دُور کی جائے گی۔ یعنی اوّل ماحول سازگار کرکے تمہیں نماز۔ روزہ کی صحبت میں لاکر حقیقت کی طرف توجہ دلائی جائے گی۔ اَمر و نہی سے تمہیں بدی سے باز رکھنے کی تلقین اور تدبیر کی جائے گی۔ پھر جسمانی تزکیہ کے ساتھ رُوحانی تزکیہ بھی کیا جائے گا۔ اور جو ہماری آیات میں آثار و اَسرار بتلائے گئے ہیں۔ اُن کا علم بالمُشاہدہ دیا جائے گا۔ یہ وہی آثار ہوں گے۔ جن سے تمہاری پیدائش کے ساتھ تمہیں رُوح کے ذریعہ آگاہ کیا گیا تھا۔ لیکن تم اُس سے بے خبر تھے۔ اِس طرح ہر وہ شخص جو عقلمندی سے حقیقت کی طرف رُجوع کرے گا پھر مقصود حاصل کرے گا۔ اور اپنا مُقامِ خلافت و نبوت پائے گا۔ اور جس نے ہماری ہدایت تسلیم کرنے سے انکار کیا اُس کا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ وہ اپنے لیئے ذلّت و رسوائی اور عذاب حاصل کرے گا۔

ہو سکتا ہے کہ اِن واقعات کو مبالغہ تصوّر کیا جائے کہ ہر شخص اپنے عقائد کی مضبوطی کے لیئے قُرآنی آیات کو توڑ موڑ کر تاویل کر کے دلیل دینے کی کوشش کرتا ہے لیکن دیکھنا یہ ہے۔ کہ اِن دلائل میں کسی شخص کی ذاتی شخصیت دلیل میں لائی جاتی ہے۔ یا حقیقی واقعات دلیل میں پیش کیئے جاتے ہیں۔

کسی شخص کی ذاتی شخصیت کو تسلیم کرنے کے لیئے انسان میں فہم ہے۔ نہ علم۔ سوائے کسی شخص کے علم کو فطری اُصُول کے تابع مبنی بر حقیقت اور نتیجہ خیز پایا جائے۔ وہ "علم و عمل" ہی ہے۔ حقیقی علم تو علمِ الٰہی یا علمِ فطرت ہے۔ اُس کے ہر علم و عمل میں حقیقت کے اصل نقوش ملتے ہیں۔ ایسے عالِم کے پاس اوّل شعورِ قلبی اور فقہِ قلبی ہونا لازمی ہے ورنہ بغیر وجہ بغیر مشاہدہ کسی شخص کی ذاتی شخصیت تسلیم کرنے سے اندھی تقلید پیدا ہو جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُصلیت پوشیدہ ہو جاتی ہے۔ اور مَن گھڑت علم و عمل فروغ پا جاتا ہے۔ ایسی حالت میں ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کی ذاتی شخصیت تسلیم کرنے پر اُس کے ایسے غلط عقائد۔ جن میں شعُورِ قلبی اور فقہِ قلبی نہ پایا جائے۔ صرف اُس کی ذاتی شخصیت کی بنا پر مجبوراً تسلیم کرنے پڑیں۔ اِس طرح خالِص نِظام میں فِتنہ پیدا ہوتا ہے۔ اور انسان اندھی تقلید کی وجہ سے بجائے صحیح راہ پانے کے غلط راہ پر چلنے لگ جاتا ہے۔ اور ایسی شخصیت کے تاثر سے انسان ایسی رَاہ اور علم و عمل کو لاعلمی کی وجہ سے قطعی حقیقت سمجھنے لگ جاتا ہے۔ اِس علم و عمل میں آیاتِ الٰہی کو ہی پیش کیا جاتا ہے۔ لیکن فرق یہ ہوتا ہے کہ ایک شخص کی تاویل شعور و فقہِ قلبی کے ساتھ حقیقی ہوتی ہے اور دوسرے کی تاویل سطحی اور عقلی ہوتی ہے جس سے آیاتِ قُرآنی کے اصل معانی و تفسیر میں شدید اختلاف پیدا

ہو جاتا ہے۔ قرآن نے اِس فتنہ کا سدِّباب خود کر دیا ہے۔ کہ قرآن نے ہر کیفیت کو اُس کی صفت کے ساتھ ہی نام و کیف میں پیش کیا ہے۔ تاکہ غلط تاویل اصل علم کو پوشیدہ نہ کرے۔ چنانچہ قرآن نے انسانی پیدائش میں اُس کی خصوصیت بیان کرتے میں کوئی پہلو نہیں چھوڑا جہاں سے فتنہ کو گنجائش ملے۔ گنجائش اگر ملتی ہے تو یہی کہ جب قرآن کی آیات کو جان بُوجھ کر بغیر فقہِ قلبی۔ کسی کی ذاتی شخصیّت پر عقلی تاویل میں لایا جائے۔ قرآن نے کھُلے الفاظ میں دانستہ طور پر تخلیقِ انسانی کے ہر پہلو کو واضح طور پر پیش کیا۔ اور ہم جب قانونِ فطرۃ کے مُطابق دیکھتے ہیں۔ کہ انسان ایک عظیم الشان ہستی ہے۔ تو اِس کے لیئے مخلوق سے کمتر درجہ دینا اور اُسی کو اصل حقیقت سمجھنا دراصل مبالغہ ہے۔

جب ہم اِس ارض پر انسان کے کمالات کا تجزیہ کرتے ہیں۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ اشرفُ المخلوقات اور خلیفہ کی حیثیت میں یہ دُنیا کی ہر مخلوق میں برتر و قوی ہے۔ اِس بارے میں قرآن نے بھی اِس کی عظمت کو سمجھانے کے لیئے دانستہ طور پر اِس کی پیدائش سے متعلق واقعہ کو پیش کیا ہے۔

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ط تحقیق میں زمین پر ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ اس آیت کی تشریح میں کسی شخص کی ذاتی شخصیّت کو اگر دلیل میں نہ لایا جائے۔ کہ "فلاں صاحب نے اِس آیت کی تشریح اِس طرح کی ہے" بلکہ دُنیا پر انسان کے ذاتی و صفاتی کمالات کو ہی دلیل میں لیا جائے۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ انسان کی برتری کو کائنات کی ہر مخلوق پر تسلیم نہ کیا جائے! قرآن نے خود بھی خلیفہ اور ارض کی تشریح کر دی ہے۔ اِس تشریح کے آگے کسی اور تشریح کی ضرورت باقی نہیں رہتی لیکن ضرورت

ہے کہ شخصی عقائد سے علیحدہ ہو کر قرآنی شرح پر ذہن کو عقائد سے خالی رکھ کر فکر کیا جائے۔

"ارض"۔ اور "خلیفہ" کے الفاظ پر غور کرنا ضروری ہے کہ یہ کیا کیفیتیں ہیں۔؟

ارض کے معنی۔ ایک مادی سفلی مقام جس کی ہر شے مادی اور سفلی ہو گی۔ زمین مادی ہے اور زمین کی اشیاء بھی مادی ہیں اور نور و نار کے مقابلہ میں سفلی درجہ رکھتی ہیں اس کی دلیل بھی قرآنی آیت سے ظاہر ہوتی ہے۔ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۖ قَالَ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ کہا ملائکہ نے کیا تو ارض پر ایسی مخلوق کو خلیفہ بنانا چاہتا ہے۔ جو سفلی زمین کی پیداوار سفلی خاصیتیں رکھنے والی ہو گی۔ ؟

خلیفہ سے مراد تسبیح و حمد کرنے والی ہستی۔ وہ تو ہم کر ہی رہے ہیں۔ زمین کی سفلی پیداوار سے تسبیح و حمد ناممکن ہے۔ کیا اس آیت سے یہ تسلیم نہیں کیا جاتا۔ کہ ملائکہ کا قول درست ہے۔؟ کہ ارضی پیدائش فساد و خونریزی کرنے والی ہے! چنانچہ دُنیا پر اس کی پیدائش کے بعد انسان کی خونریزی خود اس بیان کی دلیل ہے۔! اس آیت سے خود واضح ہے کہ اوّل مخلوق سفلی ہو گی۔ دوئم خلیفہ تسبیح و حمد کرنے والا جس میں ملائکہ کی مثل نوری صفات ہوں کیونکہ اس انسان نے ہی تسبیح و حمد کرنی ہے۔ اور تسبیح و حمد ملائکہ کا کام ہے۔ اس کے ساتھ ہی قرآن نے اس اختلاف کو ختم کرنے کا ایک اور حوالہ دیا۔ کہ باوجود انسان کے سفلی ہونے اور فساد و خوں ریزی کرنے کے۔ اللہ تعالیٰ اسے خلیفہ بنا رہا ہے۔ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

مَیں جانتا ہوں جو کچھ تم نہیں جانتے اِس کا مطلب نفی ہے۔ کہ نہیں! تم نہیں سمجھے اِس کیفیت کو۔ خلیفہ کے یہ معنی نہیں کہ سِفلی وُجُود ہی تسبیح و حمد کرے گا۔ خلیفہ کی یہ صِفت نہیں تو پھر کیا صفت ہے ؟ اِس کا ذِکر قرآن نے آگے چل کر کیا۔ اور خلیفہ کی صِفت کو واضح طور ظاہر کیا۔ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ہ مِنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ۔ اے ملائکہ میں خلیفہ کو ایک بشر کی صورت میں زمین کی مٹی سے جس مٹی کی خاصیت حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ لیس دار کیچڑ کی ہے۔ یعنی وہ مٹی کے جوہر دار قوی مُرکب اور لطیف مُرکب سے بنے گا۔ یہ مُرکب اگرچہ عام مخلوق کے مُرکب کے مشابہ ہے۔ لیکن اِس میں عام مخلوق کے مقابلہ میں لطیف جواہر ہوں گے۔ اور یہ مُرکب اِنسانی شکل (بشر) اختیار کرے گا۔ یہ اِس کا مادی اِرتقا ہوگا۔ پھر اِس کا عروج جاری رہے گا۔ فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ جب میں اُس کے اعضا مکمل کر کے بشر کی شکل میں ایک چلتا پھرتا جیتا جاگتا انسان بنا دوں گا تو سَوّٰی سے اِس میں مزید ارتقا و عروج کی صلاحیت پیدا ہوگی۔ اور پھر اِس میں شر و فساد کا مادہ کم کرنے کی قوت بھی پائی جائے گی۔ کہ اپنی قوّت کے اِعتبار سے یہ شر و فساد پر مائل نہ ہوگا۔ اگرچہ اِس میں شر و فساد کا مادّہ موجود بھی ہو۔ وہ قوّت کیا ہے۔؟ عام مخلوق کے مقابلہ میں۔ قوی حواس۔ ذہن۔ عقل و شعور کی قوی صلاحیت قلب و شعور اور ارادہ۔ ہاں! یہ تو وہی سِفلی خاصیت ہے جس میں اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِكُ الدِّمَآءَ کا شر موجود ہے۔ اِس کی دلیل۔؟ یہ کہ مخلوق میں بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جو فساد کرتے ہیں۔ مگر کچھ ایسے بھی ہیں جو فساد نہیں کرتے۔ لیکن دیکھنے میں آیا۔ کہ انبیاء اور رسول اور مخلوق میں ایسی مخلوق بھی ہے جو امن و امان و سلامتی کے دعویدار بھی ہیں۔

تو یہ خاصیت سَوّیٰ کی ہے ۔ یہی دلیل سوّٰی کی ہے ۔ اور پھر قرآن نے ایک زائد کیفیت کا حوالہ بھی دیا ۔ جو صرف مخلوقِ انسانی سے تعلق رکھتی ہے ۔ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ اور اس میں اپنی رُوح پھونک دی ۔ جہاں تک انسانی زندگی کا تعلق ہے اِس کے روزمرّہ اَحوال کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے ۔ کہ سَوّٰی سے انسان کی جسمانی ہئیت مکمل ہو جاتی ہے ۔ پھر نفخِ روح کی کیا خصوصیت ہے ۔؟ ہم دیکھتے ہیں کہ دُنیا میں صاحبِ علم ۔ صاحبِ کمال ہستیاں بھی پیدا ہوتی ہیں ۔ جنہیں وہ علم حاصل ہوتا ہے ۔ جو عام مخلوق میں ماورائی اور غیب کا درجہ رکھتا ہے ۔ وہ علم ۔؟ مادی اشیاء کی تحقیق میں کائنات کے اجزاء کی وہ کیفیتیں جو عام انسانی ذہن سے پوشیدہ ہیں یہ ٹھوس ہئیت میں بھی ہیں ۔ اور لطیف ہئیت میں بھی ہیں ۔ ٹھوس ہیئتوں کا علم مُحقّقینِ مادّہ کو حاصل ہے ۔ اور لطیف ہیئتوں کے علم کے حاملین کو انبیاء و اولیأ سے مَوسُوم کیا جاتا ہے اور پھر وہ علم جو وَحی یعنی شعورِ قلبی سے تعلّق رکھتا ہے ۔ بظاہر اُس کا تعلّق عقل یا سَوّیٰ سے نہیں ۔ تو پھر اُس کے لئے قلب و شعور کی لطافت ہی کار آمد ہو سکتی ہے ۔ اُس علم میں نفخِ رُوح کو ہی دخل ہو سکتا ہے ۔ گویا نفخِ رُوح کی خُصُوصیت صرف علمِ وَحی اور ماوَرائی اِدْرَاک علم کے لئے ہی مخصوص ہے ۔ اِس تاثر کے تابع قرآن کی اِس آیت کا مطالعہ کیا جائے ۔ کہ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ۔ ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۔ اور ہم نے علم دیا آدمؑ کو تمامی اَسماء ۔ (اَسرارِ الٰہی) کا پھر پیش کیا (مقابلہ کیا) اُوپر ملائکہ کے پس کہا ملائکہ سے خبر دو مجھ کو ! اگر تم اپنے قولِ معترض میں سچے ہو ! قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ۔ کہا ملائکہ نے

پاک ہے تو غلطی کرنے اور غلط کہنے سے۔ نہیں ہے واسطے ہمارے کوئی علم مگر تو جتنا ہمیں دے۔ تحقیق تو بہتر جاننے والا اور پوشیدہ کیفیتوں کا پانے والا ہے۔
آدمؑ میں رُوح پھونکنا۔ پھر اُسے عِلمُ الاَسماء بتانا۔ پھر ملائکہ کو شامل کر کے اُن سے سوال کرنا۔ ملائکہ کا عاجزی ظاہر کرنا۔ اِس میں کونسی کیفیت ہے جس کا اللہ تعالیٰ کو ظاہر کرنا مقصُود ہے۔؟
اوّل: اعتراض ملائکہ کا۔ پھر خصُوصیت اور نتیجہ تسبیح و حمد کا۔ پھر خصوصیتِ علم۔ ملائکہ کے علم کا کمال۔ پھر اُن کے اِعتراض کی رَدّ۔ اَتَجۡعَلُ فِیۡهَا مَنۡ یُّفۡسِدُ فِیۡهَا وَ یَسۡفِكُ الدِّمَآءَ اور خلیفہ اور تسبیح و حمد کی خصوصیت۔ کہ اَرضی بشر کی خصوصیت کیا ہے۔؟
قُرآن کے اِس دانستہ بیان سے انسان اور خلیفہ کی اصل خصُوصیت واضح ہو جاتی ہے کہ اِس آیت میں صرف علم کو پیش کیا گیا۔ اُدھر انسان میں زائد کیفیت رُوح ڈالی گئی۔ رُوح ایک نوری کیفیت ہے۔ اِس سے سفلی مُرکّب کی خصوصیت بڑھ جاتی ہے۔ وہ خصوصیت کیا ہے۔؟ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ۔ اِس رُوح کے ذریعہ آدمؑ کو اسمار کا علم دیا گیا۔ اَسۡمَآءَ کُلَّهَا میں کیا کیفیت ہے وہ اَنۡۢبِـُٔوۡنِیۡ بِاَسۡمَآءِ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ملائکہ بھی اسمار میں شامل ہیں۔ اُن سے خطاب کیا جاتا ہے۔ کہ اگر تمہارا دعویٰ درست ہے۔ کہ تم ہی تسبیح و حمد کے لائق و حامل ہو سکتے ہو۔ تو اس کا نتیجہ علم کی انتہا ہونی چاہیئے۔ اچھا تم اپنی ہی کیفیت سمٰوٰت کی خبر دو۔ بات بھی حق ہے کہ اگر اَسۡمَآءَ کُلَّهَا میں صرف زمینی اشیاء (گاجر مولی وغیرہ) ہی شامل ہیں۔ تو اِن کیفیات کے علم میں کچھ خصُوصیت نہیں۔ جبکہ یہ اشیاء آدمؑ کے

مشاہدے میں شب و روز آسکتی ہیں۔ اور ملائکہ بھی نوری اعتبار سے اُن اشیاء کا علم حاصل کر سکتے ہیں۔ جبکہ اُنہوں نے پیشتر ہی یہ جان لیا۔ کہ اَرض کی مخلوق فساد و خونریزی کرنے والی ہے۔ پھر اُن کے لئے زمین کی اشیاء کا علم حاصل کرنا مشکل نہیں ہوسکتا۔ ہاں ثُمَّ عَرَضَهُمْ میں ملائکہ کے اعتراض کی رَدّ اِسی طرح ہوسکتی ہے۔ کہ سِفلی مخلوق سِفلی حالت میں۔ ملائکہ سے بالاتر تسبیح و علم کا مظاہرہ کرے۔ اِس کے لئے وہ علم ہی ہوسکتا ہے۔ جو ملائکہ کے اِدراک سے بھی باہر ہو۔ جس علم میں ملائکہ نے عاجزی اختیار کی کہ ملکوتِ سمٰوات کے تمام علم سے کوئی ملائکہ آگاہ نہیں ہوسکتا۔ ہر ملائکہ اپنے مقام و ماحول سے ماسوٰی باقی اَسرار سے واقف نہیں تو اب موقع ہے۔ کہ آدمؑ سِفلی حالت میں اپنی رُوحانیتِ نفخِ رُوح۔ تسبیح و حمد اور کمالِ علم کا مظاہرہ کرے۔ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ۔ اے آدمؑ اب تو اُن کے اَحوال اور تمامی اَسرار بیان کر۔ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ جب آدمؑ نے ملائکہ کو اُن کے تمامی اَحوالِ قوّتِ مشاہدہ و شعور کے ذریعہ بتا دیئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے کہا۔ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ٥ کیا میں نے پہلے نہیں کہا تھا۔ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔؟ کہ تمہیں اِس بات کا علم نہیں کہ میں سِفلی مخلوق میں سِوٰی کی خصوصیت پیدا کروں گا تو یہ ارادے کے ساتھ خواہ انحراف کرے یا میری طرف آئے گا۔ اور خالص ہو کر میری تسبیح کرے گا۔ پھر اِسے اَسرارِ الٰہی کا مشاہدہ ہوگا اور یہ مجھ تک رسائی حاصل کرے گا۔ یہ کیفیّت تمہیں باوجود رُوح اور تسبیح کے حاصل نہ ہو گی۔ اس لئے مَیں نے اِسے خلیفہ کی حیثیّت سے زمین پر پیدا کرنا ہے۔ سو آدمؑ اپنے

تمامی کمالِ جسمانی و روحانی کے ساتھ زمین پر پیدا ہُوا۔
آدم کی خصوصیت سوائے اِس کے کچھ نہیں۔ کہ وہ بشر کے اعضاء مرکّب میں پیدا کیا گیا۔ اسے سَوّٰی کی خصوصیّت اور نفخِ رُوح کی خصُوصیّت حاصل ہے۔ اور یہ خصُوصیّت صِرف علم و مشاہدہ کے لِئے ہے جس سے انسان کے ذِمّہ اُس کی پیدائش کے ساتھ یہی ہے ! کہ وہ اپنی خصوصیّتِ خلافت و نبوّت کے ساتھ زمین پر قائم رہے۔ یہ خصوصیت زمین پر اِس نے حاصل نہیں کرنی ہے۔ بلکہ اَزل سے ہی اِسے حاصل ہے۔ اِس کے لِئے کوئی عبادت مقرر نہیں۔ سوائے اِس کے کہ وہ اپنے مراتب کو تصوّرِ ذاتِ الٰہی سے ہر لحظہ قائم رکھے۔ یہی کیفیت ہر اُس پیدائش کے لِئے مقرر ہے جو اَرض پر بشر کی شکل میں پیدا ہوگی۔ اُسے سَوّٰی نفخِ رُوح کی خصُوصیّت حاصل ہو۔ سو یہ شرف ہر انسان کو حاصل ہے۔ جو اولادِ آدم سے زمین پر پیدا ہُوا۔ جس کی دلیل قُرآنی آیت اَتَجْعَلُ فِیْھَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْھَا۔ سے پیشتر ہی دی گئی ہے۔
انسانی اِبتدائی پیدائش ہمیں یہ بتا رہی ہے۔ کہ ہر انسان کو مثلِ آدمؑ۔ ہیئتِ جسمانی سَوّٰی۔ اور نفخِ روح حاصل ہوتی ہے۔ یہ کیفیتیں اِس نے پیدائش کے بعد حاصل نہیں کرنی ہیں سو لازمی ہے۔ کہ یہ انسان بھی اِسی ارادہ میں شامل ہے۔ جو اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً میں کیا گیا۔ اِس لِئے لازم ہے کہ ہر انسان کو سَوّٰی اور نفخِ روح کے اعتبار سے اُس کی پیدائش کے ساتھ ہی (اُس کی روح کو) علمُ الاسماء کا علم عطا کیا جائے گا۔ اِس طرح ہر بشر اپنی خصوصیّتِ خلافت و نبوّت میں اپنی پیدائش کے ساتھ ہی مکمل ہو کر پیدا ہوتا ہے۔ قُرآن نے بشر کی خصوصیت فَلَمَّآ اَنْبَاَھُمْ بِاَسْمَآئِھِمْ سے ظاہر کر دی۔ کہ اُسے علم و خبر دیا گیا۔ اور (اُس نے علم و خبر بتایا۔ اِس لِئے ایسے بشر کو

جو خبر دینے والا۔ خبر پانے والا ہو۔ اپنی پیدائش کے ساتھ ہی خلیفہ و نبی قرار دیا جائے گا
اب خلیفہ کی کسوٹی کے اعتبار سے یہ ذمہ داری ہے۔ کہ وہ سمعٌ و بصرًا اور عقل شعور کے
ہوتے ہوئے اپنے ارادے سے غفلت برتے یا اپنے تصورِ ذاتِ الٰہی کو تسبیح و استغراق
سے علیٰ حالہٖ قائم رکھے۔ ملائکہ کا قول تو سچ ہے۔ کہ اگر اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ خصوصیت
کو انسان نے ملحوظ نہ رکھا تو یہ خالص سفلی ہے۔ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا۔
وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا۔ وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا۔ یہ اِس کی
سوائی خصوصیات ہیں۔ اگر انہیں فطرت کے مطابق استعمال نہ کیا تو اُولٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ
بَلْ هُمْ أَضَلُّ۔ یہ لوگ پھر خلیفہ کہلانے کے حقدار نہیں۔ صرف مادی حیوان بلکہ اُن سے
بدتر۔ سو ایسے لوگوں نے خواہ مخواہ دنیا پر فساد و خونریزی اور انحراف کرنا ہے۔ ہاں۔
اِن کے لئے ایک خصوصی رعایت رکھی گئی۔ جب بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ کی صفت
آگئی تو کہا۔ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ اِس حال میں میں تم پر احسان کروں گا کہ ان لوگوں
میں ہی بعض کی نبوت و خلافت قائم رہے گی۔ یہ تم جیسے۔ تم میں سے ہوں گے مگر مصطفےٰ!
منتخب ہوں گے۔ تو یہ نبی میری ہدایت کو پیش کرینگے۔ تمہاری اصلاح کریں گے۔
تو جس نے میرے رسول کی میری ہدایت کی پیروی کی وہ از سرِ نو مقامِ خلافت و نبوت
حاصل کرے گا۔ کیوں کہ اِس امر میں مقصد صرف یہی ہے۔ کہ تم زمین پر خلیفہ و نبی کی
حیثیت سے رہو۔ اِس سے کم کچھ نہیں۔ اسو زمین پر نوحؑ۔ ابراہیمؑ۔ آلِ ابراہیمؑ
میں انبیاء بنی اسرائیل اور بنی اسرائیل کے آخری نبی عیسٰےؑ اور اُن تمام انبیاء کی تصدیق و مہر کرنے
والے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوگا۔ جو آخری نبی آخری رسول ہوگا۔

جو مخلوق کو نبی بنانے والا ہو گا۔ اُس کے بعد مخلوق کو کسی نبیِ رسول کی ضرورت باقی نہ رہے گی۔ کیونکہ آپؐ کے بعد میری ہدایت قیامت تک باقی رہے گی۔ آپؐ کا عمل (اسوۂ حسنہ) قیامت تک باقی رہے گا۔ اور سب سے اہم کیفیت۔ خلفاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر زمانہ میں پائے جائیں گے۔ جو میری ہدایت کو ہمیشہ زندہ رکھیں گے۔ اُن میں خلیفہ و نبی بے شمار پائے جائیں گے جن سے علمِ نبوت ہر زمانہ میں ہر انسان کو میسّر ہو سکے گا۔ لہٰذا وقت کے ہر خلیفۂ رسول۔ خلیفۂ ارض۔ نبی و ولی کی تابعداری لازم ہو گی۔

زمانہ میں جب انسان نے تصوّرِ ذاتِ الٰہی میں حصولِ دُنیا کے تصورات کو شامل کر لیا تو رفتہ رفتہ یہ تصوّر مُستقل صُورت اختیار کر گیا۔ اور انسان اِس خبر سے قطعی لاعلم ہو گیا کہ انسان کی خصوصیت کیا ہے۔ اِسے قدرت نے کون سی نعمت عطا کی ہے۔ اس لیئے انسان کو موقع فراہم نہ ہو سکا کہ وہ اپنی ذات سے ہی اپنی قوّت دوبارہ حاصل کرے۔ اس لیئے قدرت نے انبیاء و رسل اور اولیاء کا وجُود پیدا کیا۔ جن کے پاس مُکمّل ضابطہِ ہدایت ہے۔ اِس میں احکام ہیں جن پر عمل کر کے انسان میں خصوصیاتِ خلافت از سرِ نو تازہ ہوتی ہیں۔ اِس میں مُتشَابہات ہیں جن میں اُسرار و اسمآ گُلھا کے آثار موجود ہیں۔ یہی کیفیت ایک ولی سے حاصل ہوتی ہے اور ایک ولی اِن تمام آثار و اُسرار سے آگاہ ہوتا ہے۔ یہ سب کیفیتیں ہدایت (ھدیٰ) میں شامل ہیں۔ اِنہیں اُسرار کو اولیاء نے (مُتشَابہات کی صورت میں) انسانی علم کی آگاہی کے لیئے تحریری صورت میں قلمبند کیا ہے۔ جنہیں منازل و مراتب سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ اس لیئے اب اِن آثار و اسرار کو منازلِ فقر کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے۔

منزلِ اوّل کہ آید آں پدید
مجلسِ احمدؐ بداں تو اے فرید

طالبِ حق کو عِلمُ الاَسمار کی مَعرفت میں، صراطُ اللہ کی راہ میں جو پہلی منزل پیش آتی ہے اُس کی کیفیت ایک اُجلاسِ نوری کی ہے۔ اِسے اجلاسِ محمدیؐ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ مقام ظاہری روضہ مدینہ منورہ کا ہے۔ اور اِس کے باطن میں روضہ مطہرہ کے اندر ایک اُجلاس نظر آتا ہے۔

ہَست آں مجلس زِ نورِ پاکِ اُو
مثلِ یک عالَم منوّر شمس رُو

یہ مجلس تمثیلی شکل ہے نورِ محمدیؐ کی۔ ایک روشن عالَم ہے جس میں رَوضہ مدینہ منورہ کا مُقام نظر آتا ہے۔ جب سالک اِس مقام میں پہنچتا ہے۔ اُس وقت اُس کا جذب پیرِ اکمل کے وسیلہ سے نورِ محمدیؐ میں ہوتا ہے۔ اِس جذب کی کیفیت ایک مجلس کی صورت میں محسوس ہوتی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی ہیئت نظر آتی ہے۔

جاننا چاہیئے۔ کہ اِس عالَمِ مادی کے ساتھ ایک باطنی عالَم بھی ہے۔ اِس کی ابتدا۔ اِسی مادی عالَم سے ہی ہوتی ہے۔ اس لیئے اِس باطنی عالَم کو عالَمِ ناس کہا جاتا ہے۔ (یعنی لوگوں کے مقام کا عالَم) اِس کیفیت کو طریقت کی اصطلاح میں "عالَمِ ناسوت" کہتے ہیں۔ عالَمِ ناسوت کی سالکانِ طریقت نے اکتالیس منزلیں بتائی ہیں اِسکی ابتدائی منزل کی کیفیت یہ ہے۔ کہ باطن میں یہ منزل ایک روشن عالَم کی طرح محسوس ہوتی ہے جب یہ روشنی ایک مُبتدی طالبِ حقیقت کے مشاہدے میں آئے۔ اگر اپنی عقلی تاویل

کرے۔ تو لاعلمی کے باعث وہ اِس نور کو اللہ تصور کرے گا۔ مگر یہ نور ابتدائی نور ہوتا ہے۔ اگر اِس نور کا ظہور دُنیا پر ہو جائے تو تمام عالم کی روشنی اِس نور میں جذب ہو کر ماند پڑ جائے۔ جب سالک اِس نور کا مشاہدہ کرنے لگتا ہے۔ تو اُس پر دُنیوی غیب کا کشف ظاہر ہو جاتا ہے۔ دلوں کے حال۔ غیب کے خزانے۔ قبروں کا حال۔ مُردوں کے حالات سے آگاہی ہو جاتی ہے۔ اِس کی نظرِ باطنی مشرق میں بیٹھ کر مغرب تک ہر چیز کا مشاہدہ کر لیتی ہے۔ اگر سالک اِن مقامات کے مشاہدے کے ساتھ۔ تزکیہ مجاہدہ (نفس کشی۔ فاقہ۔ شب بیداری) جاری رکھے تو اُس کا وجود تحلیل ہو کر لطیف ہو جاتا ہے۔ پھر ایسے بھی مقامات ہیں جہاں انسان کی جسمانی سُوّی میں اِس قدر لطافت پیدا ہو جاتی ہے کہ اُس کی رُوحِ حیوانی بھی لطیف و قوی ہو کر اُس کی جسمانی ہیئت کو لطیف بنا دیتی ہے۔ جس سے سالک رُوح کی مانند ایک آن میں مشرق سے مغرب تک جسمانی طور پر نقلِ مکانی کرنے لگ جاتا ہے۔ اور اِس سے عام کرامات کا ظہور ہونے لگتا ہے۔ مثلاً بیماروں کا دم سے اچھا کرنا۔ خشک درخت کا سرسبز ہو جانا۔ دریا کا بہتے بہتے رُک جانا۔ پانی پر چلنا۔ پتھر کا سونا بن جانا۔ ہوا میں اُڑنا وغیرہ۔ اگر اِس کی سُوّی میں انتہائی قوت پائی جائے تو ایسے سالک کا مُردے زندہ کرنا بھی اِس قوت میں شامل ہے۔ لیکن یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالےٰ نے خلیفۂ ارض کی خصوصیت اور جسمانی مُرکّب میں یہ خاصیتیں خود وَدِیعت کر دی ہیں۔ ایسی کرامات عطیہ اِلٰہی اور انسانی خصوصیات میں شمار ہیں۔ یہ خصوصیات اِن سے بالاتر ہیں۔ ایسی کرامات سے انسان کا درجہ انسان ہی رہتا ہے۔ اللہ نہیں بنتا۔ کیونکہ یہ کیفیتیں مخلوق سے تعلّق رکھتی ہیں۔ اللہ کی قدرتِ کاملہ اور اُس کی ذاتِ معبودِ اِن

قوتوں سے بالاتر اور عظیم تر ہے۔ ایسی کیفیات مُبالغہ تصوّر نہیں کی جاسکتیں۔ کہ انسان ایسا کرنے پر قادر نہیں۔ ماسوائے ذاتِ باری کے ایسا کرنا کسی غیر خالق سے ممکن نہیں۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے انسان کو کس حیثیت میں پیدا کیا اور اُس کی خصُوصیات کیا ہیں۔ اگر انسان اپنی تمامی خصُوصیات میں سالم ہے تو اُس کے لیئے ایسا ہونا ممکن ہے۔

سالک شریعت کی حدود کے اندر چلنے والا ہوتا ہے۔ تو اُس کا فعل اَحسن تصوُّر کیا جاتا ہے۔ لیکن ایسی مَافوقُ الفطرت کیفیات کے لیئے دین کی حد بھی مُقرر نہیں صِرف جسمانی حیثیت میں اگر ایک شخص تزکیہ و مجاہدہ کرے یعنی روزمرہ زندگی کے اَفعال میں پابندی کرے۔ وہ پابندی یہ ہے۔ کہ فاقہ کرنا۔ رات کو جاگنا اور جسم پر محنت ڈالنا۔ یکسوئی کرنا۔ اِن عادتوں سے ہر انسان کا جسم بلا تمیز مذہب و ملت لطیف ہو جاتا ہے وہ کسی مذہب سے تعلق نہ رکھنے والا ہو۔ صرف انسان کی حیثیت سے اپنے جسم پر محنت ڈال کر تزکیہ حاصل کر لیتا ہے۔ ایسے شخص سے مافوقُ الفطرت واقعات کا صدُور ہو سکتا ہے اور جو شخص عالمِ ناسُوت کی منازِل میں شریعت کی حدود کے اندر رہ کر تزکیہ و مجاہدہ کرے۔ اُسے بھی یہ کیفیات حاصل ہوتی ہیں۔ ایسا شخص عامِل کہلاتا ہے ایسے شخص کو جو عالمِ ناسُوت کی منازِل میں ہو۔ اور تمام مافوقُ الفطرت واقعات کا اُس سے ظہوُر ہوتا ہو۔ اُسے وَلی نہیں کہا جاتا۔ بلکہ عامِل۔ وہ اس لیئے کہ عالمِ ناسُوت کا مُقام ولایتِ کبریٰ میں شامل نہیں۔ اور یہ مُقام ہر شرعی اور غیر شرعی کو حاصل ہوتا ہے۔ اِن مقامات کی سَیر ایک غیر اِسلامی شخص بھی کر سکتا ہے۔ اِس میں صرف جسمانی تزکیہ شرط ہے جس کے لیئے شریعت کی پابندی نہیں۔ ایسا شخص جو بغیر شریعت اِن مقامات کی سَیر

کرتا ہے۔ وہ رُوحِ حیوانی کے ذریعہ ہوتی ہے۔ ایسا شخص اِستدراجی (یا شیطانی) ہوتا ہے۔ ایسے شخص کا مقصود صرف دُنیوی اِقتدار ہوتا ہے وہ مقصودِ حقیقی سے خالی ہوتا ہے۔ کیونکہ اُس کی بنیاد دین سے نہیں۔ بلکہ بے دینی سے ہے۔ اس لیئے اُس کا فعل شیطانی کہلاتا ہے۔ اور جو شخص سالک کی حیثیت سے عالم ناسُوت کی سیر کرتا ہے۔ وہ بھی اِسی حال میں ہوتا ہے کہ اُس کی رُوحِ حیوانی اِس عالم میں سیر کرتی ہے۔ البتہ دین پر عامل ہونے کی وجہ سے اُس کا تعلُّق رُوحِ رحمانی سے بھی ہوتا ہے۔ کیونکہ اُس کا مقصود معرفتِ الٰہی ہوتا ہے۔ اِس لیئے جب تک سالک اِن منازل میں ہو۔ عالمِ باشریعت کہلاتا ہے۔ لیکن وَلی نہیں۔ البتہ فقیری کے زُمرہ میں مستحقِ ولایت قرار دیا جاتا ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے۔ کہ عامل درود خوان ہو۔ درُود پڑھتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نوری توجہ رَوضہ مدینہ منوّرہ سے اُس کی روح پر طاری ہوتی ہے۔ اور سالک صاحبِ مشاہدہ اِس توجہ کو دیکھ لیتا ہے۔ یہی کیفیت زیارتِ رسُول میں محسوس ہوتی ہے۔

واضح ہو کہ انسانی وجود دو رُوحوں کا مرکب ہے۔ ایک رُوحِ حیوانی۔ دوسری رُوحِ رحمانی۔ حیوانی سے مراد حیاتی۔ اور حیاتی سے مُراد حرکت میں محسوس ہونے والی یا جسمانی ہیئت میں محسوس ہونے والی۔ یہی رُوح اپنی لطیف ہیئت میں مادّہ سے جسم حاصل کر کے جسمانی اور حرکت میں محسوس ہونے والی بن جاتی ہے۔ اِس کا تعلُّق خون اور مادّہ منویہ (منی) سے ہوتا ہے۔ اِس کی بنیاد مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ لا یَّخْرُجُ مِنْ بَیْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ط لطیف پانی (منی) سے ہے جو نکلتا ہے۔ مرد کی پیٹھ اور عورت کی چھاتی سے۔ اِس مادّہ منویہ میں ایک لطیف رُوح ہے۔ جو انسان کی زندگی کا سبب ہے۔ یہی رُوح انسان کو زندہ رکھتی ہے۔ یہی رُوح ہے جو مادّی غذا حاصل

کر کے ٹھوس حالت میں آکر متحرک محسوس ہوتی ہے۔ اس لئے اسے متحرک رُوح۔ جس میں آنے والی رُوح سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس رُوح میں زبردست قوت ہوتی ہے جو عالمِ باطنی کی کیفیات کا اِدراک کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اور یہ رُوح چونکہ انسانی ہے۔ اس لئے ہر انسان اسی رُوح سے پیدا ہوتا ہے۔ اور انسانی ہیئت کے اعتبار سے ہی ہر شخص بغیر پابندیٔ شریعت اِس سے اِدراک کر سکتا ہے۔ لیکن یہ رُوح عالمِ ناسوت کی حد تک ہی پرواز کر سکتی ہے۔ البتہ اِس مشاہدہ میں مُسلم اور غیر مُسلم کا یہ فرق ضرور ہے کہ غیر مسلم کی رُوحِ حیوانی عالمِ ناسوت میں پرواز کرتی ہے۔ اور مُسلم کی دونوں رُوحیں (رُوحِ حیوانی اور رُوحِ رحمانی) اِس عالَم کا مُشاہدہ کرتی ہیں۔ یہاں تک کہ عالمِ ناسوت کی اکتالیسویں منزل دونوں رُوحیں طے کر لیتی ہیں۔ اکتالیسویں منزل کے بعد عالمِ ملکوت کا مُقام ہے۔ یہ مُقام خالص ملکوتی نوری ہے۔ یہاں رُوحِ حیوانی کا دخل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اس مقام میں رُوحِ رحمانی داخل ہوتی ہے۔

عالمِ ملکوت بھی ایک رُوحانی (باطنی) مقام ہے۔ اِس کی پہلی منزل کا پہلا باب (دروازہ) اُجلاسِ محمدیؐ سے شروع ہوتا ہے۔ اس لئے ایک اِستدراجی شخص اِس باب میں رُوحِ حیوانی کے ذریعہ داخل نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ وہ دینِ محمدیؐ کی شریعت پر پورا عامل نہ ہو۔ اور ایک باشرع عامل اِس باب (عالمِ ملکوت) میں اُجلاسِ محمدیؐ میں داخل ہوتا ہے۔ یہاں تک ایک عامل اپنے ذاتی تزکیہ و مجاہدہ سے بھی پہنچ سکتا ہے۔ لیکن عالمِ ناسوت کی منازل میں ایسی کیفیات پائی جاتی ہیں۔ جن کی فہم انسانی عقل سے نہیں ہو سکتی۔ اس لئے اِن منازل میں ایک پیرِ اکمل کی راہنمائی ضروری ہے۔ ورنہ انسان اپنی عقلی تاویل اور ذاتی قوت کے عُروج کے زُعم میں۔ ایک تو کیفیات کی غلط

تاویل کر جاتا ہے۔ دُوسرا اپنے زُعم کی بدولت لاعلمی میں وہ دعوائے مہدیت کا دعویدار ہو جاتا ہے۔ اور چونکہ اُس کا تعلق دنیا سے بھی قائم ہوتا ہے۔ اِس لیے اُس کا سارا علم اور قوت دُنیوی حصُول اور اقتدار پر صرف ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ جب ایسا انسان اپنی عقلی تاویلات کو اِس علم میں داخل کرتا ہے۔ تو اُس سے غلط علم اور فتنہ کا وجُود پیدا ہو جاتا ہے اِس وجہ سے اُس کی روحانیت بھی شیطنت میں ملوث ہو جاتی ہے۔ اور آخر اِس کا نتیجہ گمراہی ہوتا ہے۔

دُنیا میں مہدیت اور مجُددیت کے دعوے کرنے والے۔ ایسے ہی لوگ ہیں جنہوں نے ایک طرف علمِ ظاہری کی تحصیل کی اور دُوسری طرف مجاہدہ و تزکیہ اِس حد تک کیا کہ اُن پر عالمِ ناسوت کے حالات مُنکشف ہونے لگے۔ اِن مُکاشفات میں ایسی بھی کیفیات اُن پر طاری ہوئیں کہ اُنہوں نے جذب کی حالت میں ایسے لطائف کا مشاہدہ کیا جن میں اُنہیں عیسٰی و مہدی ہونے کا دھوکہ لگا۔ اور انہوں نے کہا کہ اَنَا عِیسٰی ۔ اَنَا مَھْدِیْ ۔ مَیں عیسٰے ہوں۔ مَیں مہدی ہوں۔ اِس میں شک نہیں ایسے مقامات عالمِ ناسوت میں آتے ہیں۔ لیکن یہ مقامات ولایت میں شامل نہیں اس لئے یہ مقامِ مہدیت و عیسائیت یا مجدّدیت بوجہ لاعلمی کے قبول کئے جاتے ہیں۔ اِس کی اصل یہی ہے۔ کہ ایسے عالم بغیر پیرِ اکمل اپنی عقلی تاویلات میں اُلجھ کر اصل راہ سے ہٹ جاتے ہیں۔

ایک باشرع عامل کے لئے ضروری ہے۔ کہ ایسے مقام پر کسی کامل راہنما کی بیعت حاصل کر لے۔ اِس طرح ایک عامل عالمِ ناسُوت کی منازل طے کر کے پیرِ اکمل کے واسطے سے اجلاسِ محمدیؐ میں داخل ہو کر ولی کامل بن جاتا ہے۔ جب ایک عامل

اجلاسِ محمدیؐ میں داخل ہوتا ہے۔ تو وہ اِس مقام کو روحِ رحمانی کے ذریعہ مشاہدہ
میں لاتا ہے۔ اِس کا طریق یہ ہے۔ کہ عامل ابتداءً تصورِ شیخ کرتا ہے اِس کا مطلب
یہ ہے کہ پیرِ اکمل تمام مراتبِ عرفان طے کر چکا ہوتا ہے۔ اور اُسے فنائے روحِ محمدیؐ
حاصل ہوتی ہے۔ چونکہ پیرِ اکمل کو نورِ محمدیؐ میں جذب حاصل ہوتا ہے۔ اِس لیے تصورِ
شیخ کا مقصد یہی ہوتا ہے۔ کہ طالب کی رُوح پیرِ اکمل کی رُوح سے نسبت حاصل کر کے
نورِ محمدیؐ میں داخل ہو۔ اِس میں طالب کا ابتدائی مقصد صرف عمل ہی نہیں۔ بلکہ
زیارتِ رسولؐ ہوتا ہے۔ اِس لیے یہ مقام پیرِ اکمل کی رُوح سے نسبت قائم کرنے
سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ یعنی معنی و مقصد تصورِ شیخ سے ہے۔ چونکہ طالب ابتداءً
احکامِ شریعت پر ہی عامل ہوتا ہے۔ اور اُس کا مقصود معرفتِ الٰہی ہی ہوتا ہے۔
معرفتِ الٰہی بالمشاہدہ عرفان سے حاصل ہوتی ہے۔ جس کے لیے پیرِ اکمل وہ طریق
بتاتا ہے۔ جو شریعت کے اندر ہو۔ اِس میں زائد طریقِ طریقت رُوح کی رُوح سے
نسبت حاصل کرنے کے لیے تصورِ شیخ بتایا جاتا ہے۔ کیونکہ معرفتِ الٰہی میں رُوح کے
ذریعہ ہی مشاہدہ و عرفان حاصل ہو سکتا ہے۔ جس کے لیے تصورِ شیخ ضروری ہوتا ہے
تصورِ شیخ صرف مشاہدہ کے لیے ہے۔ کہ بغیر تصورِ شیخ طالب نورِ محمدیؐ میں داخل نہیں
ہو سکتا۔ جب نسبتِ شیخ کو قائم نہ کیا گیا۔ تو معرفت میں کامل کیسے ہو سکتا ہے؟ اِسلیئے
طالب کے لیے ضروری ہے۔ کہ وہ ایسے وَلی کی طرف رجوع کرے۔ جس ولی کو اجلاسِ
محمدیؐ سے وَلایت کی سَند حاصل ہو۔ ورنہ باوجود صاحبِ کرامت ہونے کے بھی ایک
غیر سندیافتہ عامل سے مقصود حاصل نہ ہو گا۔ کیونکہ کرامات کا ہونا وَلایت کی شرط
نہیں۔ تاوقتیکہ ایک وَلی۔ عالمِ ملکوت میں داخل ہو کر ذاتِ باری تعالیٰ کا عرفان و

مُشاہدہ حاصل نہ کئے ہو۔ لہٰذا ہر طالب کا اوّلین فرض یہ ہے کہ ایک ولیِ اکمل کی بیعت کرے۔ اور اپنا ابتدائی مطالبہ پیرِ اکمل کے سامنے زیارتِ رسولؐ رکھے۔ سو جو شخص زیارتِ رسولؐ کرانے کا دعویدار نہیں وہ قابلِ بیعت و راہ نمائی نہیں ہوسکتا۔ کوئی شخص یہ جان نہیں سکتا کہ ایک وَلایت کا دعویدار ولی ہے کہ نہیں۔ لیکن اِس کی آسان کسوٹی یہ ہے۔ کہ اِس کے دعوے کی دلیل میں اُس کے (عام نہیں تو خاص) مریدوں میں ولیِ مکمل ہونے چاہئیں۔ اور اُس کے مریدوں میں اکثر ولیِ کامل ہوں۔ جنہیں زیارتِ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم حاصل ہو چکی ہو یہ زیارت خواب میں بالارادہ ہو تو بہتر۔ اور بیداری کی حالت میں ہو تو ایسے شخص کی وَلایت پر کسی شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ ورنہ اگر پیر صاحب مَصْلحت اور ہیرا پھیری میں بات بنا کر ایسی کیفیت کو رازِ سربستہ سے تعبیر دے تو سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ ایسا شخص خود ولی کامل نہیں بلکہ اپنی ساکھ مصنوعی فقیری سے قائم کر رہا ہے۔ ایسے پیر سڑک کے چوراہے پر بہت ملتے ہیں۔ جن پر فقیری کا سیاہ و سفید لبادہ چڑھا ہوتا ہے۔ ایسے لوگ جھونپڑیوں میں بھی ملتے ہیں جنہوں نے دُنیا سے تعلّق قطع کر کے بدن پر خاک مل ہوتی ہے۔ لیکن ہر شام اُن کے مُصلّے روپوں سے پُر اور شب و روز لوگوں کا ہجوم اُن سے دُنیاوی حاجات مانگتا رہتا ہے۔ ایسے لوگ گدیوں اور خانقاہوں میں بھی ملتے ہیں۔ جنہوں نے لنگر چلائے ہوتے ہیں اور بزرگوں کے عُرس دھوم دھام سے مناتے ہیں۔ لاکھوں بندگانِ خدا اُن کے آستانے پر سَر رگڑتے ہیں اور دُنیا کی حاجتیں مانگتے ہیں۔ ایسے ولی کروڑوں کی جائیداد کے مالک ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ پکی اینٹوں کی عمارتوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ جن کے آستانہ پر صرف اُمراء و رؤسا کی رسائی ہوتی ہے۔ اور غریب

اِن کی محفلوں میں خلل پیدا کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے یہ لوگ بھی روٗساء کی حاجت روائی کرتے ہیں۔ اُن کے پاس نمبردار کرے مقرر ہوتے ہیں۔ اُن میں اعلےٰ طبقہ کے امیروں کے لیے نرم گدیلے۔ صوفے اور قالینوں کا فرش مہیا کیا جاتا ہے۔ اُن کے لیئے وِلایتی طرز کی چائے کیک۔ مُرغ پلاؤ پیر صاحب کے گھر سے حاضر کیا جاتا ہے۔ یہی لوگ خاصُ الخاص میں شمار ہیں۔ دوسرا نمبر کمرہ۔ عام دفتری اور درمیانہ طبقہ کے لوگوں کے لیئے ہوتا ہے۔ جنہیں گوشت روٹی ملتی ہے۔ اور تیسرے نمبر کا کمرہ۔ غریب مفلوکُ الحال اور سادہ لوح لوگوں کے لیئے ہوتا ہے۔ جنہیں بِن بگھاری دال اور جلی روٹی عنایت کی جاتی ہے یہ مَدارِج دولت اور شہرت کے لحاظ سے ہوتے ہیں۔ اور چوتھا درجہ خالص صُوفیاء کا ہوتا ہے۔ اُن کا مقام خَلوتِ خاص یا مسجد کا حُجرہ ہوتا ہے۔ یہ لوگ چوبیس گھنٹے کے حاضر باش خُدام ہوتے ہیں۔ اُنہیں یہاں آسانی سے پیٹ پالنے کا سامان حاصل ہوتا ہے۔ اُن میں ہر فرد بزُعم خود چند کلمات پڑھنے۔ یا رات جاگنے یا گھر کی نوکری کرنے سے اپنے آپ کو وَلی سمجھنے لگتا ہے۔ یہ لوگ کچھ خالص نیت کے بھی ہوتے ہیں۔ لیکن علم نہ ہونے کی وجہ سے اکثر غلط فہمی میں مُبتلا ہوتے ہیں۔ اِس لیئے اُن کا وہم اور ناقص علم پیر کی ادنیٰ بات اور فعل کو بھی معجزہ اور کرامت سمجھ کر پیر کی عظمت کا قائل کرا دیتا ہے۔ اُنہیں سوائے شب و روز کی نوکری اور دو وقت کی روٹی کے اور کچھ وَلایت حاصل نہیں ہوتی۔ لیکن پھر بھی عقیدت میں پیر پر جان قربان کرنے پر تیار رہتے ہیں۔ لیکن نہیں جانتے کہ پیر خود ہم سے خلوص استعمال نہیں کر رہا۔ باقی لوگ صرف دنیوی حاجت روائی کی خاطر یا آفات و مصائب سے محفوظ رہنے کی غرض سے بیعت کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی حاضری یا بیعت ہی اُن کی ولایت کی سند قرار دی جاتی ہے۔ چاہے وہ شریعت کی

تابعداری کو لازم سمجھیں یا نہ سمجھیں؛ دراصل یہ سب ایک پیر کی لذّتِ نفس اور دُنیوی حصُول کی ہوَس اور مُریدوں کی علم طریقت وشریعت سے لاعلمی کا نتیجہ ہے۔

بعض اولیاء گدّی نشین گدّیوں کے مالک ہوتے ہیں۔ اُنھوں نے ایک صاحبِ کمال ولی کے مقبرہ اور اُس کے فتوحات (نذرونیاز) وِراثت میں حاصل کیئے ہوتے ہیں۔ یہ لوگ ابتداءً ایک ولی کی اولاد "صاحبزادہ صاحب" کہلاتے ہیں اور مُرید انہیں عقیدت کی بنا پر عزّت کی ہوا پر کندھوں سے اُوپر اچھالتے رہتے ہیں۔ اُن کے لیئے محبّت کی بنا پر اچھی اچھی چیزیں (بطور نذر) پیر کی نسبت کی بنا پر مُہیّا کی جاتی ہیں۔ اِسطرح صاحبزادہ صاحب میں ابتدائی عمر میں عزّت افزائی اور نذر کے حصُول کی عادت پڑ جاتی ہے۔ جس وجہ سے صاحبزادہ صاحب میں خاندانی یا جدّی ملکہ وَلایت کے حصُول کی اصل جستجو نہیں پائی جاتی۔ آخر صاحبزادہ صاحب بڑے ہو کر اپنے فن میں مہارت حاصل کر جاتے ہیں۔ اُنہیں مُریدوں کی عزّت افزائی کے لیئے اپنے آپ کو ولی کی ہیئت دینی پڑتی ہے۔ جس سے اُن میں تصنّع اور بناوٹ کا مادّہ پیدا ہو جاتا ہے۔ آخر ایک ولی کے فوت ہونے پر وَلایت کی وِراثت تو کسی مستحق شخص کے ہاتھ اُس گھر سے کسی اور گھر کی طرف چلی جاتی ہے۔ وِراثت میں باقی رہ جاتا ہے۔ مقبرہ۔ خانگی جائیداد اور فتوحات اور کچھ مُرید۔ اِن چیزوں پر اولاد میں تقسیم کا جھگڑا شروع ہو جاتا ہے۔ آخر ہر فرزند تقسیم جائداد کے بعد ایک غیر معلوم وَلایت کا دعویدار ہو کر اپنی علیٰحدہ گدّی بنا لیتا ہے۔ اور مُرید بھی بکریوں کی مانند تقسیم ہوتے ہیں یہ صاحبزادگان مستقل ولایت کے مُقام پر بیٹھ کر بیعت وارشاد کا سلسلہ جاری کرتے ہیں۔ لطف یہ کہ اُن کی ولایت اتنی کامیاب رہتی ہے۔ کہ سالانہ عرس پہ لاکھوں مریدوں کا اجتماع

ہوتا ہے۔ لنگر چلتے ہیں اور ہجوم کی حالت یہ ہوتی ہے۔ کہ جذبہ شوق میں عورت مرد کی تمیز باقی نہیں رہتی۔ ایسے اژدہام میں کسی کی پگڑی گم۔ کسی کا جوتا گم۔ کسی کا بچہ گم۔ اور جیب بمعہ نیاز غائب۔ عُرس انتہائی جذبہ سے منایا جاتا ہے۔ لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ لاکھوں مُریدوں میں کتنے ایسے مُرید ہیں۔ جنہیں ایسے ولی صاحب نے اجلاس محمدیؐ میں زیارتِ رسولؐ سے مُشرف کرایا یہ تو راز ہے۔ ایہ بات وہی جان سکتے ہیں۔ جنہوں نے گدّی پر بیٹھ کر ولایت کا دعوٰے کیا ہم اِس کا کوئی فیصلہ نہیں دے سکتے۔ کہ اِن کا کردار کہاں تک حقیقت پر مبنی ہے اور ایسے ولی بھی پائے جاتے ہیں جو بظاہر نورانی چہرے والے۔ صاحبِ علم۔ قرآن وحدیث پر عبور رکھنے والے بظاہر صاحبِ شریعت۔ اُن کے مسائل قرآن وحدیث کی روشنی میں ہوتے ہیں۔ لیکن کہا نہیں جا سکتا۔ کہ آیا اُنہیں خود بھی اجلاسِ محمدیؐ کی ابتدائی منزل تک رسائی حاصل ہے یا نہیں کیونکہ ایسے ولی بھی بیعت کرتے ہیں اور اُن کے مُریدوں میں بھی اعلےٰ طبقہ کے لوگ اُن کے آستانہ پر جبہ سائی کرتے ہیں۔ اُن کے کمالات کو بھی شہرت دی جاتی ہے۔ ہزاروں مُرید اُن کے خلیفہ ہوتے ہیں۔ لیکن معلوم نہیں اُن کے مُریدوں میں کتنوں کو زیارتِ رسولؐ اور اجلاسِ محمدیؐ کا مشاہدہ یا انتہائی عرفان ومُشاہدہ میں ولی کامل کا درجہ حاصل ہے؟ الحاصل ولی اکمل صاحب بیعت وارشاد وہی ہو سکتا ہے جس کا دعویٰ انتہائی عرفان ولقا کا ہو۔ اور ولیِ کامل وہی ہو سکتا ہے جسے اوّل اجلاسِ محمدیؐ کا مشاہدہ حاصل ہو۔ اِس مقام کی کیفیت۔

اَندر آں نورِ منوّر آں جہاں
لیک اَز چشمِ حسد باشد نہاں

اِس نورِ محمدیؐ میں ایک جہان محسوس ہوتا ہے۔ یہ مقام مُتشابہات سے

تعلق رکھتا ہے۔ ایسے مُقام کو عقلی طور پر محسوس نہیں کیا جا سکتا۔ جب تک کہ شعورِ قلبی سے اِسے مُشاہدہ میں نہ لایا جائے۔ لیکن یہ مقام حاسِد کسی طرح بھی پا نہیں سکتا جبکہ اُس کا عقیدہ اِس کیفیت کی حقیقت پر جمتا ہی نہیں۔ کہ ہر چیز قرآن وحدیث سے ثابت نہیں تو یہ کیسے باور کیا جائے کہ حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور اُنکا اجلاس ہے!

یک طرف اقطاب صف بستہ شوند
جانبِ دیگر بداں غوث ہا بوند

اِس مجلس میں صدرنشین حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم ایک تخت پر جلوہ افروز ہوتے ہیں۔ اور آپؐ کے ایک طرف صف بستہ قطب بیٹھے ہوتے ہیں۔ اور دُوسری طرف غوث (جملہ اولیائے وقت) بیٹھے ہوتے ہیں۔

ایں چنیں ہر یک ولی بر قدرِ خویش
صف زدہ کردہ نگوں سر را بہ پیش

اِسی طرح ہر ولی حسبِ مراتب سرنگوں دربارِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی اپنی صف میں حاضر رہتا ہے۔

گر حقیقت کُل بیارم دربیاں
راز فقر کُلہٗ گردد عیاں

اگر مَیں اِس مجلس کی تمام حقیقت بیان کروں۔ تو احتمال ہے کہ فقر کے تمام راز ظاہر ہو جائیں۔

لیک ایں مجلس کہ مخزنِ راز ہست
باید از گفتن زبان را کرد پست

لیکن یہ مجلس اسرار کا خزانہ ہے۔ ایسے مقام پر زبان کو قابو میں رکھنا ضروری ہے۔

منزل دوئم کہ دریائے توحید
ہست آں منزل بوصلِ حق کلید

دُوسری منزل فقر کی دریائے توحید ہے۔ گویا یہ منزل عرفانِ الٰہی کی کنجی ہے۔ دریائے توحید کا مقام بیت اللہ ہے۔

سالک جب صراطِ مستقیم پر راہ روی کرتا ہے۔ تو اُس کے تصوّر میں پیرِ اکمل عالمِ باطن میں نظر آتا ہے پیرِ اکمل روضہ مدینہ منورہ کے دروازہ پر ہوتا ہے۔ اور وہ طالب کو روضہ مبارک کے اندر داخل کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کرتا ہے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم طالب کو وَلایت کی سند عطا فرماتے ہیں اور اِس طالب کو دربارِ محمدیؐ میں جگہ مل جاتی ہے۔ اور طالب جس وقت چاہے اِسی طرح تصوّر (مراقبہ) کے ساتھ حاضرِ مجلس ہوتا ہے۔ اِس سلسلہ میں چار سلسلوں (طریقوں) کے ولی پائے گئے ہیں۔ جن میں قادری چشتی نقشبندی۔ سہروردی ہیں۔ اِس سلسلہ کے لوگوں میں جنہیں یہ مقام حاصل ہو۔ اجلاسِ محمدیؐ میں حاضری دیتے ہیں۔ اُن میں اکثر فقرا رخواب میں مشاہدہ کرتے ہیں اور سب حالات خواب میں دیکھتے ہیں اور نقشبندی قادری بیداری میں مشاہدہ کرتے ہیں۔ سوائے قادری طریقہ کے اولیا ء کے دربارِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہونے کیلئے ہر سلسلہ کے ولی کو اجازت لینا ہوتی ہے۔ ورنہ اپنی مرضی سے داخل نہیں ہو سکتے۔ قادری سلسلہ کے وَلی بیداری میں مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور اُنہیں ہر وقت اجازت داخلہ کی ہوتی ہے۔ اور اویسی سلسلہ کے ولی بھی بیداری میں مشاہدہ کرتے ہیں۔ اُن میں خصوصیت

یہ ہے۔ کہ بہت کم مجاہدہ میں براہِ راست اکتالیس منزلوں سے پھلانگ کر پہلے قدم میں اُجلاس محمدیؐ میں داخل ہوتے ہیں۔ اُنہیں عالمِ ناسوت کی ان منزلوں میں سے گزرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اور دوسری خصوصیت اِس سلسلہ کی یہ ہے کہ طالب بغیر مجاہدہ تزکیہ پہلی مجلس میں ہی ابھی تعدادِ وظیفہ بھی پوری نہیں ہوتی۔ کہ اُجلاسِ محمدیؐ میں داخل ہو کر زیارتِ رسولؐ سے مُشرف ہوتا ہے۔ اور سب سے بڑی خصوصیت یہ کہ ایسے مُبتدی وَلی کو کبھی اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ جب چاہے چوبیس گھنٹے میں لمحہ لمحہ بار بار اُجلاس میں حاضر ہو سکتا ہے۔ اُسے کوئی روک نہیں سکتا نہ اُس کے لئے کسی اجازت کی ضرورت ہوتی ہے۔

اوّل اُجلاسِ محمدیؐ کے بعد تصوّرِ شیخ کے ساتھ تصوّرِ بیتُ اللہ کرنا ہوتا ہے۔ تو دوسری منزلِ فقر میں دریائے توحید نظر آتا ہے۔ دریائے توحید بیتُ اللہ کا باطن ہے۔ یعنی منزلِ دوم میں جب تصوّرِ شیخ کے ساتھ تصوّرِ بیتُ اللہ کیا جائے۔ تو عالمِ باطن میں سالک بیتُ اللہ کی جگہ ایک عظیم الشان نوری دریا کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اِسے دریائے توحید کہتے ہیں۔ اِس دریائے توحید میں بے شمار کشتیاں پھرتی نظر آتی ہیں۔ یہ کشتیاں اُن اولیاء کے تمثیلی وجود ہیں۔ جنہوں نے اللہ تعالےٰ کے وحدتِ وجود کو پالیا۔ اور وہ اِس نورِ وحدت میں ہمیشہ سیر کرتے ہیں۔ اِس دریائے توحید میں ایک عظیم الشان سنہری کشتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ مقدس کی تمثیلی شکل ہوتی ہے۔ اِس کشتی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا اُجلاس اُسی طرح نظر آتا ہے۔ جس طرح اوّل اُجلاسِ محمدیؐ۔ اِس اجلاس میں داخل ہونے کا طریق یہ ہے کہ جب سالک تصوّرِ بیتُ اللہ کرتا ہے۔ تو اپنے آپ کو پیرِ اکمل کی ہمراہی میں دریائے توحید کے کنارے پر پاتا ہے۔ تو پیر طالب

کو اِس کشتی میں سوار کر کے دوم اُجلاسِ محمدیؐ میں داخل کرتا ہے۔ یہاں پر تمام اقطاب جمع ہوتے ہیں۔ اِسی جگہ پر اقطاب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے احکام ملتے ہیں۔ یہ احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتے ہیں۔ اِن احکام میں دُنیوی نظام سے متعلق احکام بھی ہوتے ہیں۔ جو لَیْلَةُ الْبَرَاۃ میں بارگاہِ الٰہی سے۔ لوحِ محفوظ سے آسمانِ سوم پر مقرر ہو کر پہنچتے ہیں۔

حٰمٓ ۚ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۚ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ[1] اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ۝ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۙ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ؕ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ۚ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۙ (پارہ ۔ ۲۵ ۔ سورہ ۴۴ ۔ آیت اوّل)

---

[1] لیلۃ مبارکہ ۔ یہ رات مدتوں سے بحث میں آتی رہی ۔ اور اِس پر مفسّرین کے مختلف آراء و اقوال منقول کیے گئے ہیں ۔ کہا نہیں جا سکتا کہ اِس اختلاف کا باعث کیا ہے ؟ جبکہ ہر مفسّر ایک مسئلہ پر اپنا آخری فیصلہ دیتا ہے ۔ اور اپنی دانست میں اپنی تاویل کو قطعی حق سمجھتا ہے لیکن ایک مفسّر کا دوسرے مفسّر سے تاویل میں اختلاف پیدا ہوتا ہے ۔ اور بعض مفسّرین اپنے آخری فیصلہ پر لکھ دیتے ہیں ۔ " وَاللّٰهُ اَعْلَمُ " یہ تاثر اِس کیفیت کو ظاہر کرتا ہے ۔ کہ مفسّر خود اِس مسئلہ کی اصل کو پا نہیں سکا ۔ اِس اختلاف اور عدمِ تکمیلِ علم سے ظاہر ہوتا ہے ۔ کہ بعض مسائل میں عقلی بحث سے فیصلہ دیا جاتا ہے جس سے مسئلہ کی اصل کیفیت ابھی پوشیدہ رہتی ہے ۔ اِسی طرح لیلۃ مبارکہ کی مفسّرین نے مختلف تاویلیں کی ہیں اور یہ فیصلہ نہ ہو سکا کہ یہ رات شعبان کی نصف

ترجمہ:- قسم ہے اِس کتاب کی جو کھُلی دلیلوں کے ساتھ پیش کی گئی۔ تحقیق اتارا اِس کتاب کو ایک برکت والی رات میں (لوح محفوظ سے آسمانِ سوم پر) تحقیق ہم ڈرانے والے ہیں۔ اِس رات میں الگ کئے جاتے ہیں۔ تمام پوشیدہ اُمور۔ یہ احکام ہماری طرف سے ہوتے ہیں۔ ہم ہی اِنہیں بھیجتے ہیں۔ یہ رحمت ہے تیرے

حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ، کی ہے یا رمضان کی ستائیسویں کیونکہ آیت مذکور میں اِنَّآ اَنزَلنٰہُ (یعنی ہم نے اتارا قرآن کو ایک مُبارک رات میں) اُدھر سورۃ قدر میں بھی ہے اِنَّآ اَنزَلنٰہُ فِی لَیلَۃِ القَدرِ ۝ کہ ہم نے اُتارا قرآن کو ماہِ رمضان کی ستائیسویں رات (شبِ قدر) میں۔ اِس آیت کے حوالے سے قرآن کا نازل ہونا ستائیسویں رات رمضان میں ظاہر ہوتا ہے۔ اِس لئے بعض مُفسّرین اِس آیت کے حوالہ سے لیلۃ مُبارک کو بھی لیلۃ القدر سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور چونکہ پہلی آیت میں فِیھَا یُفرَقُ کُلُّ اَمرٍ حَکِیمٍ ۝ اَمرًا مِّن عِندِنَا کا بیان ہے۔ یہ آیت دَلالت کرتی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ماسوئی قرآن اُحکام نازل ہوتے ہیں، وہ نصف شعبان کی رات ہے۔ اب احکام و قُرآن کے نزُول میں یہ کیفیت باعثِ اختلاف ہو جاتی ہے۔ کہ قرآن حضوؐر پر تیئیس ۲۳ سال میں موقع بہ موقع نازل ہُوا۔ سو اِس نزُول کی کیفیت یہ ہے۔ کہ قرآن پہلی آیت کی رُو سے لوحِ محفوظ سے آسمانِ دُنیا پر نازل کیا گیا۔ اور شب قدر میں ہی آسمانِ دُنیا سے زمین پر نازل ہونا شروع ہُوا۔ اِس لئے یہ تعین اختلاف کی وجہ پیدا کرتا ہے۔ کہ اول اِقرَاْ بِاسمِ رَبِّکَ الَّذِی خَلَقَ نزُول کی اِبتدا ہے۔ جو وقت شبِ قدر کا نہیں۔ اِس لئے اِس مسئلہ میں قطعی فیصلہ ابھی تشنۂ تحقیق محسوس ہوتا ہے۔ اور الفاظ

ربّ کی طرف سے ۔ تحقیق وہ سُننے اور جاننے والا ہے۔ لیلۃ البرأت میں یعنی شعبان کی پندرھویں رات اور اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃِ الۡقَدۡرِ ۝ یعنی شبِ قدر میں بھی کتاب نازل ہونے کا بیان ہے ۔ شبِ قدر یعنی ستائیسویں رمضان کی رات ملائکہ کے ذریعہ

حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ: کے ہیر پھیر میں لیلۃ برات اور لیلۃ القدر میں فرق نہیں کیا جاتا ۔ دونوں شبوں کو عجمی طریق میں شبِ قدر سے ہی پکارا جاتا ہے ۔

جہاں تک واقعات و کیفیات کا تعلق ہے اِس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ پہلی آیت لیلۃ برات نصف شعبان کی ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ اِسی رات کی تفصیل بیان کر رہا ہے۔ کہ اِس قرآن کے واقعات (جو کھلی دلیلوں کے ساتھ پیش کیا ہے) میں شُبہ یا تاویل کی گنجائش نہیں۔ کہ اِس قرآن کو اوّل ہم نے نصف شعبان کی مُبارک رات میں لوحِ محفوظ سے ایک ساتھ آسمانِ سوئم پر اُتارا+ ۔ اور اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰہُ میں لیلۃ القدر میں بھی بیان کیا ہے۔ کہ ہم نے قرآن کو قدر کی گئی رات میں اُتارا۔ اور نصف شعبان کی رات میں فِیۡہَا یُفۡرَقُ کُلُّ اَمۡرٍ حَکِیۡمٍ کا بیان اور تَنَزَّلُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوۡحُ فِیۡہَا بِاِذۡنِ رَبِّہِمۡ ۚ مِنۡ کُلِّ اَمۡرٍ سَلٰمٌ ۟ۛ ہِیَ کا بیان لیلۃ القدر سے متعلق ہے اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نصف شعبان میں یُفۡرَقُ کُلُّ اَمۡرٍ حَکِیۡمٍ اور قرآن کا نزول لوحِ محفوظ سے آسمان سوئم پر ہُوا۔ اور لیلۃ القدر میں چونکہ لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ (یعنی قدر کی گئی رات) ہے۔ اِس لئے اِس رات سے ہی آسمان سوئم سے زمین پر نازل ہونا مقدّر کیا گیا اور اِس کی ابتدا بوقتِ اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ ہوئی اور اِس کے بعد

(+ اِس کی تفصیل آگے منازل تقریر میں آسمانوں کی سیر میں آئے گی ۔)

دربائے توحید کے اجلاس دوئم میں احکام حضور کے پیش کیے جاتے ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم اقطاب کے ذریعے اِن احکام کا دُنیا پر نفاذ فرماتے ہیں۔

ہر کسے گرد دعیاں دریائے توحید
پس بداں کہ مے شود آخر وحید

حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ: آسمان سوئم سے رفتہ رفتہ اِس کا نزول شروع ہُوا۔ اِسی طرح لیلۃ مُبارک (شب برأت) میں اللہ کی طرف سے لوحِ محفوظ میں تقدیر کیے گئے احکام آسمان سوئم پر اُترتے ہیں۔ اور لیلۃ القدر میں یہ احکام قدر کے ساتھ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ سَلَامٌ تفذ وہی احکام جو لیلۃ البرأت میں آسمانِ سوئم پر اُترتے ہیں۔ زمین پر ملائکہ کے ذریعے اتارے جاتے ہیں۔

درحقیقت قرآنی بیان کی رُو سے۔ جہاں اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِىْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ (ہم نے اتارا قرآن کو مُبارک رات میں) اشارہ ہے ماہِ شعبان کی نصف رات کا۔ اِس بیان میں تفصیل پیش کی گئی ہے۔ فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ۔ (اِس رات میں پوشیدہ امور الگ کیے جاتے ہیں) کہ قرآن سے ماسوائے اِس رات پوشیدہ احکام نازل کیے جاتے ہیں۔ جو احکام قرآن سے علاوہ ہیں۔ اِسی پوشیدہ اُمور کے نزول میں لَیلَةُ المُبارکۃ کی خصوصیت ظاہر کی گئی ہے۔ سو اِس نزول کا طریق یہی ہے کہ اِس رات (یعنی وحیِ رسالت) قرآن کا ابتدائی نزول جو (لوحِ محفوظ۔ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ فِىْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ۔ ازل سے عالمِ نُوری —— عالمِ بالا —— کے ایک مخصوص مقام پر رکھا گیا تھا) —— ایک وقت —— ایک زمانہ میں —— لوحِ محفوظ سے آسمانِ سوئم پر نازل کیا گیا۔

جب سالک اِس مُقام پر پہنچتا ہے۔ تو اُسے ذاتِ الٰہی کی تدلیات و تجلیات کے اَسرار کی آگاہی ہونی شروع ہو جاتی ہے۔

حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ: (اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔ اللہ اور اُس کے رسولؐ ہی جانتے ہیں کہ "ماہ شعبان کی پندرھویں رات کو" ـــ کب ـــ کس زمانہ میں نزولِ قرآن کے لئے مخصوص کیا گیا؟ ـــ کیونکہ اِس کا تعین نہیں کہ کب ـــ کس زمانہ سے اللہ تعالےٰ نے قُرآن کو لوحِ محفوظ سے آسمانِ سوئم پر تمام کا تمام نازل کیا! ـــ سوائے اِس کے کہ قُرآنی بیان میں اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس نُزول کا وقت ماہِ رمضان کی ستائیسویں شب کا ہے جس میں قُرآن کی ابتدائی وَحی آسمانِ سوئم سے حضور صلے اللہ علیہ وسلّم پر غارِ حرا میں ہونا ظاہر ہے۔ جس میں يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۔ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا۔ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ہ ایک اَضافی کیفیت (اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا) کا اَضافی تصوّر ہے۔ جو اَمْرٍ حَكِيْمٍ کی صُورت میں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم پر نازل ہوئے۔ لیکن چونکہ یہ اَضافی کیفیت ہے۔ اِس لیئے اِن امور کا جمع ہونا (فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ) لوحِ محفوظ میں شامل نہیں۔ بلکہ براہِ راست اللہ تعالیٰ کی ذات سے متعلق ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اِن امورِ حکیم کو ہر سال لَيْلَةُ الْبَرَاءَتْ ماہ شعبان کی نصف رات آسمانِ سوئم پر نازل کرتا ہے۔ اور لَيْلَةُ الْقَدْرِ۔ ماہ رمضان کی ستائیسویں رات۔ آسمانِ سوئم سے حضُور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ اَقدس پر۔ بیتُ اللہ کے اجلاسِ دوئم میں ہر سال نازل ہوتے ہیں۔

چونکہ قُرآن کا نُزول مختصر مدّت تک ہے۔ اِس لیئے قرآن کا نزول ایک بار لوحِ محفوظ سے آسمانِ سوئم پر ہُوا۔ اور اُس کے بعد قرآن کے نزول کی ابتداء ماہِ رمضان کی مخصوص

پس حقیقت ایں نہ آید دَر بیاں
کہ زِ وصفِ ذاتِ حق ہست ایں عیاں

پس یہ حقیقت بیان میں نہیں آسکتی۔ کیونکہ اِن کیفیات میں صفاتِ الٰہی کے پوشیدہ اَسرار ہیں۔

حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ: رات۔ ستائیسویں ماہِ رمضان میں۔ غارِ حرا، کی پہلی وَحی سے (یعنی حضورؐ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی وہ وَحی جب حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم غارِ حرا، میں مراقبہ میں تھے۔ آپؐ کی چالیس سال کی عمر شریف پُوری ہونے پر جبکہ اسوقت سن ہجری کا ابھی تعین نہیں ہُوا تھا) ہوئی ——— اور اِس نزُول کا تمتہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی آخری وحی حجۃ الوداع ۹ ذوالحجہ ۱۰ھ میں اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ ۶ پارہ مائدہ سورۃ ۴ آیت پر ہُوا۔ اِس نزول کے بعد اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ میں صرف اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ کی خصوصیت فِیْھَا یُفْرَقُ کُلُّ اَمْرٍ حَکِیْمٍ کی باقی رہتی ہے۔ کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم پر لَیْلَۃُ الْمُبٰرَکَۃِ کے پوشیدہ اَحکام کب سے نازل ہُوتے ؟ یہ امر مُتشابہات سے تعلّق رکھتا ہے۔ جیسا کہ بیان ہُوا۔ کہ قرآنی بیان تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوْحُ فِیْھَا۔ یعنی ماہِ رمضان کی ستائیسویں شب (قرآن کے نزُول تمتہ کے بعد بھی) ملائکہ اور جبریل علیہ السّلام حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں مِنْ کُلِّ اَمْرٍ سَلٰمٌ (یہ اشارہ کُلُّ اَمْرٍ حَکِیْمٍ کی طرف ہے) اُمورِ پوشیدہ لے کر ہر زمانہ میں ہر سال نازل ہوتے ہیں۔ یہ اُمور وَحیِ رسالت سے نہیں۔ کیونکہ حضورؐ کی وفات کے بعد بھی ہر زمانہ میں "لیلۃ القدر" کا نفاذ جاری ہے۔

چوں زِوَصفِ ذاتِ پاک آمد توحید
پس بیاں کردن اُزو باشد وعید

چونکہ توحید میں ذاتِ الٰہی کی وَحدانیت کے اَسرار پائے جاتے ہیں جس کا تعلق متشابہات اور رمز سے ہے۔ اِس لیئے اِس کی فہم وعقل کے ذریعہ نہیں بلکہ قلب و شعور تک ہی محدود ہے۔ ظاہری حواس وعقل ایسی کیفیات کو بوجہ کم مایئگی قبول نہیں کرتے۔ اسلئے ایسے اَسرار پوشیدہ رکھنے کی تاکید کی جاتی ہے۔

حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ:

مگر اِس رات قرآن کا نزول نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ امور پوشیدہ متشابہات سے تعلق رکھتے ہیں جس میں لَیلَۃُ الۡبَرَاءَۃِ میں کُلُّ اَمۡرٍ حَکِیۡمٍ کے احکام نازل ہوتے ہیں۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر (جسمانی حیثیت میں نہیں) رُوحانی حیثیت میں بیتُ اللہ کے دریائے توحید کے اجلاس دوئم میں ملائکہ اور جبرائیلؑ کے ذریعہ ہر سال پیش ہوتے ہیں۔ اِس حال میں کہ اِس بیان میں
— حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی۔ اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَۃِ الۡقَدۡرِ اور تَنَزَّلُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوۡحُ کا نفاذ ہمیشہ رہے گا۔ لہٰذا یہ نزول بعد وفات بھی قائم ہے۔

چونکہ قرآنی بیان کے مطابق اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَۃِ الۡقَدۡرِ کے بیان میں تَنَزَّلُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوۡحُ کا نزول بعدِ وفات بھی قائم رہے گا اور یہ نزول سوائے اِس کے نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے لیے مخصوص ہے۔ لہٰذا ہر زمانہ میں ماہِ رمضان کی ستائیسویں رات (یا جیسا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہِ رمضان کی آخری دس راتوں میں لیلۃُ القدر کے نزول کے متعلق فرمایا کہ اِن راتوں میں جاگ کر اِس نزولِ ملائکہ کا شاہدہ کرو) کا

منزلِ سوئم کہ تا عرشِ مجید
کشف گردد از عنایاتِ حمید

تیسری منزل عرشِ مجید ہے۔ جو کہ سالک بیتُ اللہ کے بعد مشاہدہ کرتا ہے۔

حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ : ـــــــــــــــــــــــــــ

ملائکہ کا نزول ساتھ مِنْ کُلِّ اَمْرٍ سَلَامٌ جاری رہے گا۔ اِس قرآنی بیان سے واضح ہے۔ کہ یہ نزول مُتشابہ ہے اور قرآنی بیان کے مطابق لَیْلَۃُ الْبَرَاءَتْ کی خصُوصیت بھی ہمیشہ کے لِئے باقی رہے گی کہ ہر سال ماہ شعبان کی نصف رات یُفْرَقُ کُلُّ اَمْرٍ حَکِیْمٍ کے بیان کے مطابق اللہ تعالیٰ پوشیدہ اَحکام اپنی ذات سے۔ آسمانِ سوئم پر نازل فرماتے ہیں۔ اور آسمانِ سوئم سے لَیْلَۃُ الْقَدْرِ میں تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوْحُ کی صُورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے دربارِ توحید دوئم اجلاس محمدّی میں پیش ہوتے ہیں۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم احکام بَیْنَ الْاَقْطَاب ہفتہ وار دُنیا میں نفاذ فرماتے ہیں۔

اور اِن اُمورِ حکیم کے نُزول کی اِبتدا کب ہوتی ہے؟ چونکہ یہ نزول بعد وفاتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم جاری و باقی ہے۔ اور ابتدا میں بھی یہ نزول قرآنی وَحی سے علیحدہ کیفیت ہے۔ جو فِی لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ میں۔ جمع نہیں۔ اِس لئے نزولِ اَمرِ حکیم کا نزول وَحیِ رسالت کے نزُول سے علیحدہ تصور کیا جاتا ہے جس کی ابتداء قرآن سے واضح نہیں ـــــــــ

چونکہ یہ نزول مُتشابہات سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے اِس کی ابتدا بھی متشابہ ہے ـــــ ـــــ نزولِ مُتشابہ اِس لئے بھی۔ کہ یہ نزول حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی رُوحانی ہیئت سے تعلق رکھتا ہے۔ کہ اَحکامِ رُوحانی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے بیتُ اللہ کے اَجلاس دوئم

طبقہ طبقہ نظر آید کُل سماوات
آں زماں کہ کشف گردد شش جہات

جب سالک دریائے توحید سے عرش کی طرف پرواز کرنے لگ جاتا ہے۔
اُسے بطریقِ معراج طبق طبق آسمانوں کی سیر کرائی جاتی ہے۔ اور ہر آسمان کی کیفیت و
احوال اور ان کے ساکنین (ملائکہ) اور مخصوص انبیاء سے ملاقات کرائی جاتی ہے۔

حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ: ______

میں پیش ہوتے ہیں۔ (اِن میں دین سے متعلق نظام دُنیوی میں دین کے نفاذ اور اِصلاحِ انسانی کے اُحوال پائے جاتے ہیں۔ جن کا نفاذ بھی اَحکام بَیْنَ الْاَقطَاب رُوحانی طور پر ہر زمانہ میں ہوتا ہے۔) اور رُوحانی طور پر ہی اِن کا نفاذ ہوتا ہے۔ اور یہ اَحکام رُوحانی عالم۔ اَجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش ہوتے ہیں۔ لہٰذا اِن اُمور کے نزول کا تعیّن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوحانی حیثیت پر اور رُوحانی عالم میں اِن کے مَقامِ رُوحانی۔ یعنی اوّل اَجلاس محمدیؐ (دربار محمدیؐ رَوضۂ مدینہ شریف) بیتُ اللہ شریف میں دریائے توحید دوئم اَجلاس محمدیؐ ——— پر ہی متعین ہو سکتا ہے۔ یہ اَمر سوائے قُرآن کے حدیثِ نبویؐ سے سمجھا جا سکتا ہے۔

چنانچہ دو اَحادیث سے اِس کیفیت کے شواہد مل سکتے ہیں۔ اوّل ———

اَوّلَ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ۔ سب سے پہلے جو کیفیت (ماسوی اللہ) پیدا ہوئی وہ ہمارا نور (ہماری رُوح) تھی ——— دوسری کُنْتُ نَبِیًّا کَانَ اٰدَمَ بَیْنَ الْمَآءِ وَالطِّیْنِ ہم اُس وقت بھی صاحبِ معرفت۔ خبر پانے والے۔ خبر دینے والے نبیؐ تھے۔ جب آدمؑ کا وجود پانی اور مٹی (حماءِ مسنون) میں تھا۔ اِن اَحادیث سے واضح ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مخلوق سے پہلے خلق کیا گیا ——— یہ وجود (محض رُوح) تھا ———

یہ مقامات دریائے توحید سے شروع ہوتے ہیں۔ اِن مقامات کی سیر بُراق کے ذریعہ ہوتی ہے۔ کہ سالک بُراق پر سوار ہو کر آسمانوں پر جاتا ہے۔ اور بغیر بُراق کے بھی ایک قدم دریائے توحید سے اُٹھایا۔ دوسرا قدم آسمانِ اوّل پر۔ اور تیسرا طریق ایک پردہ کی صُورت میں کہ پردہ سے دُوسری طرف آسمانِ اوّل میں سالک خود کو پاتا ہے۔ تیسرے طریق میں۔۔ دریائے توحید میں ایک اور دریا نظر آتا ہے۔ اِسے بحرُ القیوم کہا جاتا ہے۔ اِس مُقام پر حضرت عیسےٰ و حضرت مریم علیہما الصّلوٰۃ والسّلام اور تمام انبیاء کی صاحبزادیوں کی زیارت ہوتی ہے۔

۔ حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ:

۔۔۔ جس نُور کو محمّد صلی اللہ علیہ وسلّم سے تعبیر یا مَوسُوم کیا گیا۔ دوسرے "کُنْتُ نَبِیًّا" یعنی معرفتِ اَسرارِ الٰہی سے رُوحانی طور پر آگاہ ہونا ۔۔۔ رُوحانی حیثیت میں ۔۔۔ "رُوح" سے مُشاہدۂ اَسرارِ الٰہی پانا ۔۔۔ جبکہ ہر انسان جسمانی حیثیت میں بھی۔ رُوح سے ہی معرفتِ اَسرارِ الٰہی پاتا ہے ۔۔۔ اِس مقام پر تخلیقِ کائنات میں ہر افضل ترین مخلوق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی تخلیقی خصوصیت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم اَزل سے ہی "عِلمُ" رکھنے والے تھے۔ اِس حال میں کہ کائنات کی کوئی شے (بحیثیت نبی) آپ کے احاطۂ علم سے باہر نہ تھی یہی مفہوم "نبی" کا حقیقی مفہوم ہے۔ اور جبکہ خبر پانے میں۔ اَسرارِ الٰہی ۔۔۔ اَسرارِ ملکوتی کا مُشاہدہ ہی اصل کیفیت ہے۔ تو اَسرارِ ملکوتی کی رُوحانی ہیئت حقیقتاً عالَمِ ناسُوت۔ عالَمِ ناس کے باطنی آثار۔ عالَمِ ملکُوت۔ عالَمِ ملائکہ کے باطنی آثار۔ جس کی ہیئت اَوّل اَجلاسِ محمدّی روضۂ مطہرہ۔ دوئم اَجلاسِ محمدّی بیتُ اللہ دریائے توحید سے تشبیہہ ہے۔ لہٰذا یہ اَمر واضح ہوتا ہے۔ کہ یہ منازل و کیفیات اَزل سے متعیّن ہیں۔ اِنہیں کیفیات کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا اشارہ ہے۔

اِن تمام انبیاء زادیوں کی سردار۔ خاتونِ جنت حضرت فاطمۃ الزّہرا رضی اللہ عنہا ہیں۔ یہاں پر ایک مُقام چھوٹی سی پہاڑی کی صورت نظر آتا ہے۔ یہاں سے ہی ایک آن میں سالک آسمانوں میں داخل ہو جاتا ہے۔

آسمانِ اوّل: میں جب سالک داخل ہوتا ہے۔ تو یہاں ایک ملائکہ کا سردار ہوتا ہے۔ اِس کا نام اسماعیل ہے۔ اِس ملائکہ کے تابع ہزاروں ملائکہ ہیں۔ اِس آسمانِ اوّل میں حضرت آدم علیہ السّلام کا مُقام بھی ہے۔

آسمانِ دوئم: میں اِسرآئیل نامی فرشتوں کا سردار ہے۔ لاکھوں فرشتے اُن کے تابع رہتے ہیں۔ اِس آسمان میں ایک فرشتہ قاسم نامی ہے۔ جس کے پاس ہر انسان

حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ:

كُنْتُ نَبِيًّا كَانَ آدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّينِ۔ اور یہ حقیقت ہے کہ وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا۔ میں حضرت آدمؑ کو اِنہیں اُسرار کا مشاہدہ دیا گیا۔ جن میں عالمِ ناسوت اور عالمِ ملکوت ہیں۔ اوّل اَجلاسِ محمدیؐ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رُوحانی وجود کا مُشاہدہ جو اَزل سے اَبد تک جاری رہے گا۔ اور سنّتِ الٰہی ـــــ سنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تحت ہر نبی کو اِسی عالمِ اُسرار کے مشاہدہ سے "نبی" کا خطاب دیا جاتا ہے۔ اور ہر نبی کی رسالت (نزول وحیِ رسالت) پر ـــــ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے ساتھ۔ مقامِ رسالت میں توراۃ۔ زبُور۔ انجیل اور دیگر کتبِ رسالت عطا کی گئیں ـــ اُنہیں بھی۔ ایک متعین زمانہ پر وحیِ رسالت دی گئی۔ اور نفاذِ اسلام کے لئے احکام (اَحکام بَیْنَ الْاَقْطَاب) دریائے توحید ـــــ دوئم اَجلاس محمدیؐ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتے رہے۔ اور ہر نبی کو (جیسا کہ حضورؐ کی اُمت میں علمائے اُمت اولیائے کاملین کا مقامِ قطبیت مقرر ہے) اِسی نظام کے

+ (حاشیہ) ہم روحانی طور ازل سے تمام اسرارِ الٰہی (اَسْمَاءَ كُلَّهَا) کا علم رکھتے تھے۔

کے مقدر کیے گئے رزق کا دفتر ہے۔ اِس آسمانِ دوئم میں حضرت یحییٰؑ کا مقام ہے۔

حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ:

تحت احکام یُفرَقُ کُلُّ اَمرٍ حَکِیم۔ اَمراً مِّن عِندِنَا کے احکام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجلاس دوئم سے ملتے رہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو اُس وقت سے یہ احکام ملے۔ جب رسالت کی ابتدا۔ حضرت نوح علیہ السلام سے ہوئی۔ کہ آپ کو وحی رسالت کے ساتھ ایک مخصوص رات تَنَزَّلُ المَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوحُ حضرت جبرئیل علیہ السلام ملائکہ کے ساتھ دربار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ دریائے توحید۔ دوئم اجلاس محمدیؐ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت نوح علیہ السلام کیلئے احکامِ باطنی کے کرپیش ہوئے۔ اور یہیں سے حضرت نوح علیہ السلام کو اَمراً مِّن[+] عِندِنَا کے احکام ملے۔ یہی وہ زمانہ (رات) ہے۔ جس میں اِنَّآ اَنزَلنٰہُ فِی لَیلَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور پر آپ پر قرآن کا نزول ہوا۔ اور آخری نبیؐ کی حیثیت میں براہِ راست آپ کو ـــ آپ کی ذات کے لئے اَمراً مِّن عِندِنَا[۲] کے احکام نازل ہوئے۔ کُنتُ نَبِیًّا کَانَ اٰدَمَ بَینَ المَآءِ وَالطِّینِ۔ میں ایک تصور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے باطنی وجود (نوری) کا۔ ازل سے عالمِ ملکوت میں مقامِ افضلیت کا موجود ہونا۔ جو عالمِ ملکوت کی تشبیہی ہیئت۔ اجلاسِ محمدیؐ ـــ دریائے توحید دوئم اجلاسِ محمدیؐ کی ہیئت میں ازل سے مقرر ہے۔ اور اسی اجلاس میں آسمانِ سوئم سے اَمراً مِّن عِندِنَا ـــ تَنَزَّلُ المَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوحُ۔ اِن دونوں راتوں کو مخصوص کیا گیا۔ کہ ازل سے یہ مقرر تھا۔ کہ اِنہیں دو راتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل کیا جائے گا۔

+ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ

۲ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جب شعبان کی پندرھویں شب ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت ڈال کر (رَحمَۃً مِّن رَّبِّکَ) مومنوں کی مغفرت (مسلسلہ حاشیہ ۹۲)

آسمانِ سوئم : آسمانِ سوئم میں بکلُون نامی سردارِ ملائکہ ہے جس کے تابع ایک لاکھ ملائکہ ہیں۔ اِس آسمان میں حضرت عیسےٰ کا مقام ہے۔ یہی وہ فرشتہ ہے جس

حاشیہ ع۲ ۔ کا حکم کرتا ہے۔ بیہقی سے ایک اور روایت حدیث مروی ہے۔
عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَنْزِلُ اللّٰہُ اِلَی السَّمَآءِ الدُّنْیَا لَیْلَۃَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَیَغْفِرُ لِکُلِّ شَیْءٍ اِلَّا الرَّجُلَ الْمُشْرِکَ اَوْ فِی قَلْبِہٖ شَحْنَا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ پندرھویں شب آسمان دُنیا پر نازل ہوتا ہے۔ (یہ نزول استعارۃً ہے) اور ہر شخص کی مغفرت کرتا ہے۔ سوائے مُشرک کے اور جس کے دِل میں کینہ رہے۔
یُفْرَقُ کُلُّ اَمْرٍ حَکِیْمٍ میں۔ رزق۔ موت۔ حیات اور واقعاتِ عالم کے اہم اُمور۔ محلّہ کے۔ گھر کے۔ شہر کے۔ مُلک کے اور تمام دُنیا سے متعلق اِنتظامات بھی شامل ہیں۔ جو لیلۃُ القدر میں آسمانِ سوئم سے۔ دوئم اُجلاسِ محمّدی میں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پیش ہوتے ہیں۔ اور آپؐ اُقطاب کے سپُرد کرتے ہیں۔ یہ احکام ہفتہ بھر کے ہوتے ہیں۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم ہر جُمعہ (یعنی جمعرات کی ظہر سے لے کر جُمعہ کے خطبہ تک) یہ احکام بَیْنَ الاَقْطَاب تقسیم کرتے ہیں۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی دائیں جانب قُطْبُ الاَقطاب ہوتا ہے اُسے احکام دیتے ہیں۔ قُطْبُ الاَقْطَاب۔ قُطبِ عالَم کو۔ وہ قطبُ الارشاد کو۔ وہ قطبُ المدار کو۔ وہ قطبِ سلاطین کو۔ وہ قطبُ الاوتاد کو۔ وہ قطبُ الاَبدال کو اور قطبِ اَبدال محلّہ کے ہر اَبدال اور محافظ تک پہنچاتے ہیں۔ اِنہی احکام کے مُطابق ظاہری نِظام میں حالات رُونما ہوتے ہیں۔

کے پاس لوحِ محفوظ سے نازل شدہ اُحکام برائے اُقطاب کا بھی دفتر ہے۔ یہ احکام دریائے توحید میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش ہوتے ہیں۔ یعنی ہر سال شبِ برات میں لوحِ محفوظ سے تقدیری احکام کا دفتر اِسی فرشتے کے پاس پہنچتا ہے۔ اور ہر سال لَیْلَۃُ الْقَدْرِ میں یہ دفتر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اُجلاسِ دوئم میں پیش ہوتا ہے۔ اِس اُجلاسِ دوئم سے ہر ہفتہ اُحکام بَیْنَ الْاُقطاب تقسیم ہوتے ہیں۔

آسمانِ چہارم: میں ملائکہ کا سردار موسائیل ہے۔ چار لاکھ ملائکہ اِس کے تابع رہتے ہیں۔ اِس آسمان میں حضرت موسٰیؑ کا مقام ہے۔

آسمانِ پنجم: میں سردارِ ملائکہ سقطائیل ہے۔ جس کے تابع پانچ لاکھ ملائکہ ہیں۔ اِس آسمان پر حضرت ابراھیمؑ کا مقام ہے۔

آسمانِ ششم: میں ملائکہ کا سردار "دوبائیل" ہے جس کے تابع چھ لاکھ ملائکہ ہیں۔

آسمانِ ہفتم: اِس آسمان میں ملائکہ کا سردار دوئیل ہے۔ جس کے تابع سات لاکھ ملائکہ ہیں۔

اِن سات آسمانوں کی یہ مختصر کیفیت بیان کی گئی ہے۔ اِس کے علاوہ ہر آسمان میں اِن کی وسعت کے اعتبار سے بے شمار اَسماء اور عجائباتِ اَسرارِ الٰہی ہیں جن کا بیان کرنا مشکل ہے۔

سات آسمانوں کے بعد کُرسی کا مقام ہے۔ کُرسی بھی ایک نوری مقام ہے۔ اِس کے بعد عرش کے مقام تک اِسی طرح سالک زینہ بہ زینہ پہنچتا ہے۔ عُرش کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ اِس میں بَیْتُ الْمَعْمُور ہے۔ یہ ایک تمثیلی عظیم الشان عمارت کی صورت میں نظر آتا ہے۔ اِسی مُشابہت پر بیتُ اللہ کی تعمیر ہوئی ہے۔ یہاں پر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تیسرا اجلاس ہے یہ مقام عالم ملکوت کا آخر اور عالم جبروت کی ابتدا ہے۔ یہاں سے ملائکہ مقربین کے خصوصی مقامات اور اللہ تعالیٰ کے خصوصی صفاتی انوار شروع ہوتے ہیں۔

منزلِ چہارم تاتحت الثریٰ
یعنی از آئینہ حق کل ارض را

چوتھی منزل تحت الثریٰ ہے۔ جب سالک اس مقام پر پہنچتا ہے۔ تو اُسے تمام کیفیات یعنی کائنات کی تمام مخلوق سورج۔ چاند۔ ستارے۔ زمین کی تمام کیفیات اس طرح نظر آتے ہیں جس طرح آئینے میں ہر شے کا عکس نظر آتا ہو۔ اس مقام پر سالک ان تمام کیفیات کی اصل ہیئت سے پوری طرح آگاہی حاصل کر لیتا ہے۔ کہ سورج کیا ہے۔ اس کا مرکب کیا ہے۔ چاند ستارے وغیرہ کی سیر کر لیتا ہے۔ لیکن اس مقام میں وہ کیفیت نہیں جو عالم ناسوت میں قبروں کے احوال یا مدفنی خزانے نظر آتے ہیں بلکہ کائناتِ ارضی کی تمام تخلیقی ترکیب اور ابتداء کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَنْظُرُوْا کَیْفَ بَدَاَالْخَلْقَ پس سیر کرو زمین میں۔ اور دیکھو (فکر کرو) کہ اس کائنات میں ہر شے کی پیدائش کی ابتدا کیسے ہوئی؟ اس تحقیق میں مادی طریق سے اشیاء کی کیفیات ٹھوس جسم میں عقلی فکر کے ساتھ حاصل کی جائیں۔ تو اشیاء کی مادی ساخت علم میں آجاتی ہے۔ کہ اشیاء کی ابتداء کیسے ہوئی ہے۔ عقلی فکر کی رسائی اشیاء کے مادی وجود یعنی ابتدائی ذرہ (ایٹم) تک ہی ہے۔ اس کے بعد کیفیت غیر جسمانی ہیئتِ لطیف اختیار کر جاتی ہے۔ اس لیے عقلی تفکر بھی اشیاء کی ابتدائے حقیقی تک رسا نہیں ہو سکتی۔ اس کے بعد عقل کی پیداوار یعنی قیاس سے مدد لی جاتی ہے لیکن

جہاں تک ذہن میں وہم کا وجود پایا جاتا ہے۔ بغیر فقہِ قلبی وہم غلط تاویلات پیش کر کے اصل کیفیت کو سامنے لانے کی بجائے غلط رُخ پر لے جاتا ہے۔ اِس طرح کَیۡفَ بَدَاَ الۡخَلۡقَ کی پوری تکمیل نہیں ہوتی۔ تاوقتیکہ انسان اپنے فقہِ قلبی اور قوّتِ شعور سے اشیاء کی غیر جسمانی کیفیات کو پا کر اُن کی اِبتدا کو نہ پائے۔ سو ایک سالک ہی اِس مقام کو پا سکتا ہے۔ جب سالک مُقام تحتُ الثریٰ تک پہنچتا ہے تو اُسے ہر شے کی ابتدا کا خود مشاہدہ ہو جاتا ہے۔

نظر آید ہر زمیں با جنسِ خویش
باطریقے کہ کند ربِ کشف پیش

زمین کی ہر جنس اور کیفیت جس طرح اللہ چاہے سالک کو دکھا دیتا ہے۔

واضح ہو کہ اِس کائنات کی تخلیقی ترکیب میں۔ سبب اور مُسَبّب یعنی عِلّت اور مَعلُول کا طریق کار فرما ہے۔ اور اِس کا خالق علّتِ لامحدود ہے۔ اُس کی لامحدودیّت باعتبار اُحدیّت ہے۔ کہ اُس کی وُسعت میں کسی غیر کا وجود پایا نہیں جاتا۔ اِس لئے اُس کی ذاتِ اَحد و لامحدود کے ماسویٰ کوئی بھی کیفیت پائی جائے۔ تو وہ کیفیت بذاتہٖ کوئی وجود نہیں۔ بلکہ اُس کا وجود کسی وجود کا معلول ہی ہو سکتا ہے۔ ہر معلول کا پایا جانا ایک علت (سبب) کی دلیل ہے۔ کیونکہ جب تک سبب (علّت) نہ ہو مُسَبّب (معلول) کا وجود ظاہر نہیں ہو سکتا۔ اِس لئے ہر معلول خود علّت ہے اور ہر علّت خود معلول ہوتی ہے۔ کیونکہ کسی علّت کا وجود بھی بیشتر کسی علّت سے معلول کی حیثیت میں پیدا ہوتا ہے۔ اور جہاں تمام علّتوں کی انتہا ہو کر ایک ایسی علّت لامحدود کا وجود پایا جائے۔ جس کی وُسعت و واحدیّت میں کوئی بعد کی دوسری علّت

نہ پائی جائے۔ وہی تمام علتوں کی خالق کہلائے گی۔ گویا ہر کیفیتِ علت و معلول کا منبع و مخزن وہی علتِ لامحدود ہے جس کی علت پائی نہیں جاتی۔ جس علت سے ہر علت کا وجود قائم ہوا۔ یہ وجود کل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور تمامی مخلوق اِس کی جز کہلائے گی۔ یہی کیفیت ذاتِ الٰہی سے موسوم ہے جس سے تمام مخلوق کا ظہور ہوا یہ تمام مخلوقِ کائنات اُس ذاتِ لامحدود وسیع میں ایک نقطہ (مرکز) کی حیثیت میں ہے۔ اور اللہ کی ذات اِس کائنات پر ہر سمت سے احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اِسی سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ کَیفَ بَدَأَ الخَلْقَ کی ترکیب یہی ہے۔ کہ اللہ خود مخلوق میں مُنتشر نہیں۔ بلکہ اپنی احدیت کے اعتبار سے بیرون محیط ہے۔ اور مخلوق اِس ذات میں نقطہ کی حیثیت میں ایک جز ہے ورنہ جب اللہ لامحدود ہے۔ تو منتشر حالت میں اِس کا ہر مَظہر (مخلوق) بھی لامحدود ہیئت میں ہوگا۔ مگر ایسا نہیں۔ بلکہ ہر مخلوق۔ محدود اور فانی (ہیئت تبدیل کرنے والی) ہے۔ اِس لئے ایک مخلوق کے لئے اِس کا ابتدائی وجود مخلوق ہونا ضروری ہے تاکہ اِسی مخلوق سے محدود مخلوق کا وجود ہوسکے۔ سو اِس کی ترکیب یہی ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے جب مخلوق کی۔ بَدَأَ۔ کا آغاز کیا۔ تو اپنے نورِ لامحدود میں۔ ایک محدود نور کو نقطہ کی حیثیت دے کر اِسے مرکز کی صورت میں بنایا اور خود ہر جہت سے اُس پر احاطہ کر لیا۔ اِس طرح اُس کی لامحدودیت اور واحدیت میں بھی فرق نہ آیا اور مخلوقِ محدود کے لئے سبب بھی پیدا ہوگیا۔ اب اِسی مخلوق نور میں مرکز کی صورت میں مخلوق علت دَر علت پیدا ہونے لگی۔ ہر علت میں معلول نے مرکز کی حیثیت پائی۔ یہی معلول خود علت بنا اور اِس سے دوسرا معلول مرکز کی حیثیت سے پیدا ہوا اور یہ سلسلہ بلا تعیّن زمانہ مدتہا مدت جاری رہا۔ یہاں تک کہ عرش بنا اور

عرش کے مرکز میں کرسی معلول ہوئی اور کرسی علت بنی اس سے سات آسمان معلول ہوئے اسی کیفیت کی طرف قرآن کا اشارہ ہے کہ وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کرسی نے سات آسمانوں اور زمین کو نقطہ اور مرکز کی صورت میں پیٹ میں سمایا ہے اور خود کرسی ہر جہت سے آسمانوں پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اور ان تمام کیفیتوں پر خود اللہ تعالیٰ احاطہ کئے ہوئے ہے۔ ہر جہت سے۔ اِنَّ اللّٰہَ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ۔ اللہ تعالیٰ مخلوقِ کائنات پر ہر جہت سے احاطہ کئے ہے۔

سات آسمانوں کی بھی یہی کیفیت ہے کہ ہر آسمان ایک دوسرے پر واسع ہے آسمانِ ہفتم کا مرکز آسمانِ ششم۔ آسمانِ ششم کا مرکز آسمانِ پنجم۔ آسمان پنجم کا مرکز آسمان چہارم۔ آسمان چہارم کا مرکز آسمان سوئم۔ آسمان سوئم کا مرکز آسمان دوئم۔ آسمان دوئم کا مرکز آسمان اول، ہر آسمان اپنے مرکز کی علت ہے۔ اور آسمان اول آسمانِ دُنیا کہلاتا ہے۔ اس کے معلول تمام سورج۔ چاند۔ ستارے۔ جن سے یہ آسمان مثل انار کے دانوں کے بھرا ہوا ہے۔ اور زمین کا مقام آسمانِ اول کے عین مرکز پر ہے۔ زمین ہی تمام سیاروں سے دُور مقام ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ علتِ لا محدود خالقِ ارض وسمٰوٰت۔ آسمانوں اور زمین پر ہر جہت سے احاطہ کئے ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ کی یہی ترکیب ہے۔ اس ترکیب کی کیفیت آیاتِ قرآنی میں ھُوَ الْاَوَّلُ وہ خود ہی تھا۔ ھُوَ الْاٰخِرُ ہر حال میں اُس کی ذات میں نقص ہو سکتا ہے نہ اُس کی واحدیت میں۔ کہ کسی مخلوق کے پالنے سے اُس کی احدیت میں فرق آئے۔ جیسے اول تھا۔ آخر تک ایسا ہی اَحد رہے گا۔ ھُوَ الظَّاھِرُ۔ ہر ظاہر کیفیت اپنا وجود نہیں رکھتی۔ بلکہ معلول ہے ذاتِ الٰہی کے نور سے اس لئے ظاہر کی اشیاء کے

باطن میں بھی اُسی کا نورِ بنیادی موجود ہے۔ هُوَ الْبَاطِنُ اور جو کچھ پوشیدہ کیفیتیں پائی جاتی ہیں اور ہر کیفیت کے باطن میں بھی اُسی کا نورِ احد شامل ہے۔ اِس آیت کی شرح حدیث ترمذی سے بھی ہوتی ہے۔

وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ لَوْ اَنَّکُمْ دَلَّیْتُمْ بِحَبْلٍ اِلَی الْاَرْضِ السُّفْلٰی لَهَبَطَ عَلَی اللّٰہِ ثُمَّ قَرَأَ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ۔

حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اِس طویل حدیث کی روایت کی ہے۔ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم آسمانوں اور زمین کا ذِکر اور اُن کے فاصلے بیان فرما رہے تھے۔ کہ قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے۔ اگر تم رسّی سے ڈول باندھ کر زمین کی نچلی طرف پھینکو تو وہ ڈول اللہ پر اُترے گا۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ هُوَ الْاَوَّلُ ۔ وَالْاٰخِرُ ۔ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ .... وغیرہ ذَالِكَ ۔ اِس حدیث کی کیفیت پر غور کیا جائے۔ اور آیت پر بھی غور کر کے دونوں کیفیتوں کو ایک دوسرے سے نسبت دی جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ حدیث بطورِ اِستعارہ ہے۔ اور اِس آیت کی صحیح تفسیر اور ترکیب اِس سے ظاہر ہوتی ہے۔ کیونکہ زمین کی نچلی طرف قریب میں ذاتِ الٰہی کا وجود بہ اعتبار لامحدود۔ نہیں ہو سکتا۔ جبکہ زمین کے نیچے بہت سی کیفیتیں درمیان میں پائی جاتی ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ "زمین کی نچلی طرف" "اور ڈول پھینکنا" اور "اللہ پر ڈول کا اُترنا" زمین اور ذاتِ الٰہی کی حقیقی کیفیت کو اصلی ہیئت میں پہچانا جائے۔ اِس کے لیئے آیت خود اپنی ترکیب پیش کرتی ہے۔ کہ اوّل ذاتِ الٰہی

کی کیفیت کو سمجھا جائے۔ ھُوَ الْاَوَّلُ۔ وہ اَزل سے اَحَدٌ تھا۔ اَحَدُ کے اعتبار سے وہ ہمیشہ احد رہے گا۔ اِس لیئے اِنَّ اللّٰہَ وَاسِعٌ عَلِیمٌ کی صورت میں وہ ہر جہت سے کائنات پر اِحاطہ کئے ہے اور اُس کا تصوّر وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ سے ذہن میں آجاتا ہے۔ کہ زمین پر آسمانوں نے طبقاً عَنْ طبق ہر جہت سے اِحاطہ کیا ہے۔ اِس کا تمثیلی خاکہ ذیل میں درج ہے۔

⊕ زمین ہے زمین کے ہر طرف آسمانِ اوّل کا احاطہ ہے اُوپر نیچے، دائیں بائیں اِسی طرح آسمانِ اوّل پر آسمانِ دوم کا احاطہ ہے۔ اِسی طرح ہر آسمان ایک دُوسرے پر احاطہ کئے ہے اور ۸ کُرسی ہے۔ اِس نے آسمانوں اور زمین کو اِحاطہ میں لے رکھا ہے۔ اِس کے بعد ہر مقام منزلِ عَرش اور عَرش سے اُوپر ہر کیفیت نے اِسی طرح اِحاطہ کر رکھا ہے اور آخری کیفیت ذاتِ الٰہی کی اِسی طرح اپنی لا محدودیّت کے ساتھ اِحاطہ کئے ہے اب اِس ابتدائی نوری کیفیت سے تخلیق کی ابتداء کا تصوّر کیا جائے کہ وہ خود اللّٰہ احد اوّل تھا۔ اور آخر تک اِسی حال میں رہے گا۔ اُس کی ذات میں مخلوقِ غیر اللہ سے کمی نہ ہوگی۔ بلکہ ہر مخلوق اُس کے نُور کی جزء۔ اُسی کا نور (مختلف شکلوں میں) قرار دیا جائے گا۔ لہٰذا جو کچھ بھی ظاہر اور باطن سے تعلّق رکھتا ہے وہ

اُسی کا نور ہے۔ تو اب اُس کی اَحدیت علےٰ حالہٖ قائم و سالم ہے۔ اِس لیئے اِس اَحدیت میں مخلوق کی تخلیقی ترکیب اِسی دائرہ اور مرکز کی صورت میں ہوئی گویا زمین کو اگر مرکز قرار دیا جائے۔ تو آسمانی کیفیات۔ کُرسی عرش سے گزر کر ہر جہت سے تمہارے سامنے اللہ ہی ہو گا۔ اللہ کو ایک جہت میں اُوپر کی طرف متعیّن کرنا خلافِ فطرت ہے۔ کہ وہ اُوپر ہے اور نیچے نہیں۔ اِس کا مثالی تصوّر ایسا ہے کہ انسان خواہ اوپر کی طرف دیکھے۔ دائیں دیکھے یا بائیں دیکھے۔ یا نیچے دیکھے۔ کسی طرف اِس حال میں دیکھے کہ اُس کی نظر اپنے مُقام سے ہی آسمان و کرسی و عرش اور تمام نورانی کیفیات سے گزر کر سیدھی نورِ الٰہی پر پہنچتی ہے۔ تو تمہیں اَیۡنَمَا تُوَلُّوۡا فَثَمَّ وَجۡهُ اللّٰهِ۔ جس طرف رُخ کر کے دیکھو اُسی طرف وُہ ہے۔ خواہ اُوپر دیکھو خواہ سیدھا مشرق کی سمت دیکھو خواہ مغرب کی سمت دیکھو خواہ نیچے دیکھو۔ انسان اور اللہ کے درمیان آسمان اور باقی نوری کیفیتیں حائل ہیں۔ اور اللہ کی ذات اِسی فاصلہ سے انسان سے دُور ہے۔ لیکن انسانی قوّتِ بصارت اگر اِس قدر قوی ہو کہ نوری کیفیتوں کے بیچ سے گزرے تو وہ براہِ راست اللہ کے احاطہ کیئے ہوئے نور کو دیکھ لے گا۔ مگر انسان کی قوّتِ بصارت اِتنی قوی نہیں اِس لیئے لَا تُدۡرِکُهُ الۡاَبۡصَارُ۔ نہیں دیکھا جا سکتا اللہ کو آنکھوں سے (پارہ ۷۔ سورۃ ۶۔ آیت ۱۰۳)۔ تمہاری آنکھوں میں اِتنی قوّت نہیں۔ مگر اللہ کی ذات اپنی الٰہی قوّت کے اعتبار سے بَصِیۡرٌ ہے اِس لیئے وَهُوَ یُدۡرِکُ الۡاَبۡصَارَ۔ وہ تمہیں دیکھ سکتا ہے۔ کیونکہ هُوَ اللَّطِیۡفُ الۡخَبِیۡرُ وہ مجسّم نورِ احد ہے۔ اِسی ذات کے اعتبار سے وہ تمہیں دیکھ سکتا ہے۔ اِسی کیفیت کے تصوّر میں اگر تم زمین سے نیچے کی طرف ڈول ڈالو اور وہ تمام درمیانی

نورانی کیفیتوں سے گزرتا ہوا نیچے کی طرف سے بھی اللہ تک پہنچ سکتا ہے ڈول
ڈالنا ایک استعارہ اور محاورہ ہے۔ ورنہ اس کا مطلب یہی ہے کہ محیط ہونے
کے اعتبار سے اُس کا کوئی خاص تعین اُوپر کی طرف ہی نہیں بلکہ فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ
وہ نیچے کی طرف بھی پایا جاتا ہے۔ یہ حدیث چونکہ آسمانوں کی مسافت بیان کرتے
ہوئے بیان کی گئی ہے۔ اس لئے آسمانوں کی ترکیب کی بھی وضاحت ہو گئی۔

اُلغرض سالک جس طرف سے اُس کا تصور کرے گا۔ اُسی طرف کی وہ کیفیات
پائے گا۔ اب اللہ چاہے جس کو جتنا اِن مقامات کی سیر میں دکھا دے۔ اور ایک
طرف کے آثار دکھائے۔ زیادہ دکھائے۔ خواہ ہر جہت کا مشاہدہ کرائے۔ یہی
مطلب ع

"با طریقے کہ کند رب کشف پیش" سے ہے۔ کہ زمین کی ہر جنس کو
جتنا اللہ چاہے سالک کو دکھا دیتا ہے۔ اِسی طرح جب سالک منزلِ چہارم
میں تحت الثریٰ تک پہنچتا ہے تو اُسے بے شمار اَسرارِ مخلوق سے آگاہی کرائی
جاتی ہے۔ جس سے عقلی قوت سے کیفیات کو پرکھنے والے بے خبر ہوتے ہیں۔

منزلِ پنجم بداں تو بالیقیں
ہفت جنت ظاہر آیند اے امین

سو یقین کر لے! کہ سات جنت ہیں۔ اور اِس کا مشاہدہ اور مرتبہ بھی
انسان اپنی زندگی میں پا سکتا ہے۔ تو تجھے سات جنت کی سیر بھی حاصل ہو گی۔

بالیقیں داں ہفت جنت پیش تو
ظاہر آیند اَز عنایت ذاتِ اُو

یہ حقیقت ہے۔ کہ واقعی سات جنت کا مشاہدہ حاصل ہوگا۔ اور یہ چیز عنایتِ الٰہی میں شامل ہے۔ کہ تجھے اُس مقام تک پہنچنے کی توفیق عطا کرے۔ لیکن۔! اِس کی توفیق کے لیئے شرط ہے اور وہ یہ کہ جنت موت کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ موت اور حشر مقرر ہے۔ جنت کا ملنا حشر کے دِن مقرر ہے لیکن سالک کو اپنی زندگی میں حاصل کرنی ہے۔! لہذا تُو اپنی موت سے قبل اپنی زندگی میں موت کو پالے۔ کہ تیری رُوح تیرے جسم سے علیحدہ ہو جائے۔ اِس کا طریق یہ ہے۔ تیرا جسم کچلا جائے۔ اِنَّ نَاشِئَۃَ الَّیۡلِ ھِیَ اَشَدُّ وَطۡاً۔ تو طریقِ مصطفوی میں نمازِ عبادت۔ فاقہ کشی۔ رات کا جاگنا۔ اور دُنیا کی ہوس سے بے نیازی اِختیار کر کہ تیرا جسم مُردہ نہ ہو۔ بلکہ تحلیل ہو۔ تُو وجُود کو قائم رکھتے ہوئے اپنے اُوپر موت کی کیفیت طاری کر۔! جب ہی تُو اِس ہفت جنت کے مُقام کو پالے گا۔ اگر اتنی جرأت نہیں۔ تو پھر ایک پیرِ اکمل کے ہاتھ اپنے آپ کو بیچ ڈال تاکہ تیرا اِختیار تیرے جسم سے اُٹھ جائے۔ اور پیرِ اکمل تجھے قربانی دے دے۔ پھر پیرِ اکمل کی قدرت میں ہے کہ وہ ایک آن میں تجھے ہفت جنت کی سیر کرا دے۔

ہاں! پیرِ اکمل کے ہاتھ بیع ہونا سیکھ۔ کہ تُو اپنی تمام فانی ملکیت کو جس میں تیری جان بھی شامل ہے صرف عشق و محبت پر فروخت کر۔ جذبۂ عشق میں تُو ماسویٰ سے بے خبر ہو جا۔ بس تیرا پیر تجھے اپنے پروں میں لے لے گا۔ پیرِ اکمل اِس جنت کے مالک کا قرب حاصل کر چکا ہے۔ ہفت جنت اُس کی راہِ صراط کا ایک ادنیٰ مرحلہ ہے۔ تو اُس کے لیئے تیری زندگی میں ہفت جنت عطا کرنا آسان ہے۔! پھر تجھے معلوم ہو گا کہ ہفت جنت میں کیا کچھ پایا جاتا ہے۔ ورنہ عقلی تدبیر پر چلا۔ تو مشکل ہے۔ کہ تو اپنے

علم وعمل سے جنت کو بعد مرگ بھی پاسکے۔

تا بہ بینی تو کہ کس جنت رود
هم لباس از جنت چه گو نه تند

تجھے یہ بھی معلوم ہو جائے گا۔ کہ کون جنت میں جائے گا۔ اور اُسے کونسا مقام حاصل ہوگا۔

هم آثار آں شخص در دنیا چه هست
میرود سوئے بلندی یا که پست

تو ایک شخص کے نیک و بد ہونے کی پہچان کرے گا۔ کہ کون بلندی کی طرف جاتا ہے اور کون پستی کی طرف جارہا ہے۔ تو ایک شخص کی تقدیر سے پوری طرح آگاہ ہو جائے گا کہ وہ جنتی ہے یا جہنمی۔

ایں همه آثار آید پیشِ تو
چوں عنایت میشود از ذاتِ او

یہ تمام آثار تجھ پر منکشف ہو جائیں گے۔ جب تجھ پر ذاتِ حق کی عنایت ہوگی۔ کہ تجھے اپنے فضل و کرم سے صراطِ مستقیم پر لے جا کر اپنے انعامات سے نوازے۔

حضرتِ رومیؒ زِ تحریر و بیان
خوب کرده ایں مبحث را بیان
قصہ حضرت زیدؓ که در مثنوی
هست اندر ایں بیاں داں اے اخی

اِن آثار کو مولانا رومؒ نے اپنی مثنوی کے ایک قصہ[1] میں بیان کیا ہے۔

چونکہ پردہ غیب بر خیزد ز پیش
ظاہر آیند ایں ہمہ احوالِ خویش

کیونکہ قلب سے کثافت کا پردہ اُٹھ جاتا ہے۔ اور رُوح جن عالموں میں سیر کرتی ہے اُن کا عکس مثلِ آئینۂ قلب منعکس ہونے سے اِنسان شعور سے مشاہدہ کرنے لگ جاتا ہے۔ لیکن ایسے واقعات کے لئے لازم ہے کہ سالک اِن اسرار کو سینہ میں پوشیدہ رکھے۔

منزلِ ششم لطیفۂ قلب داں
ہست بالاتر زِ عرشِ ایں مکاں

چھٹی منزل لطیفۂ قلب ہے۔ یہ مقامِ قلب عرش سے بالاتر ہے۔ حقیقتاً قلب بظاہر ایک گوشت کا لوتھڑا ہے۔ لیکن اِنسان کی عظمت و مرتبت اِسی قلب کے ذریعے اُسے عطا کی گئی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے "اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً" ط کی خصوصیت اِنسان کو عطا کی وہ "وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّهَا" (یعنی ہم نے آدمؑ کو تمام اَسرار سے آگاہ کیا) کی خصوصیت تھی۔ جو اُسے رُوح کے ذریعہ (وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ) ہم نے آدمؑ میں اپنی رُوح علم حاصل کرنے

---

[1] ایک بار حضرت زید رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی یا رسول اللہ مجھے اپنے قلب میں کل عالم سموات والارض اور ہفت جنت نظر آتے ہیں۔ تو حضورؐ نے تصدیق فرمائی کہ ایسا ہی ہے۔ لیکن یہ عالم سِتر ہے۔ اس کو سینہ میں پوشیدہ رکھو۔

کے لیئے پھونکی) حاصل ہوئی۔ اور رُوح کے لیے قلب ہی کو مخصوص کیا گیا۔ جس کا
اِس روح سے تعلق ہے۔ اِسی لیئے قلب کو عرشِ اللہ کہا گیا۔ کہ یہ مقام رُوحی کا ہے۔
لطیفہ کے معنی نور۔ یعنی قلبی نور۔ جب سالک اِس مقام پر پہنچتا ہے۔ تو اُس پر اِس
رُوح اور قلب کی وُسعت کا راز منکشف ہو جاتا ہے۔ کہ اِس نورِ قلب میں "مِنْ
رُوحِیْ" کی اصل کیفیت کیا ہے۔

یعنی اَز دُنیا تا عَرشِ مجید
ایں قدر بالامکاں ہست آں لعید

یعنی اِس لطیفہ قلب کا نور اِس قدر وسیع ہے کہ جتنی وُسعت دُنیا سے لے
کر ہفت سماوات۔ کرسی اور عرش تک ہے۔ اِس مقام میں قُلِ الرُّوحُ مِنْ
اَمْرِ رَبِّیْ کے اَمْر کی کیفیت سالک پر عیاں ہو جاتی ہے۔ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ
الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا ٥ کا بیان اِس اَمر کا شاہد ہے۔ کہ مخاطِب الکفار۔ رُوح کے متعلق
سوال کرنے والے تک اِس رُوح کا علم نہیں پہنچا اِلَّا قَلِیْلًا" مگر تھوڑا۔ جس پر
اُن کے سوال کی بنیاد تھی۔ البتہ صاحبِ علم جسے اللہ نے علم عطا کیا ہو وہ لطیفہ قلب میں
اِس اَمر سے کُلی طور پر آگاہ ہو جاتا ہے۔

ہر کسے اَز سالکاں آنجا رسید
عیسوی مشرب ملقّب شُد پدید

جو کوئی سالک اِس مقام تک پہنچا اُسے اِصطلاحِ طریقت میں عیسوی المشرب
کہا جاتا ہے۔ یعنی اِس مقام میں سالک پر وہ راز منکشف ہو جاتا ہے جس کا ذِکر قرآن
نے قصہ حضرت مریم (آل عمران) میں کیا۔ وَنَفَخْنَا فِیْهِ مِنْ رُّوْحِنَا یعنی ہم نے

حضرت مریمؑ میں اپنی رُوح پھونکی جو رُوح ازل سے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے لیئے مقرر کر رکھی تھی۔ وَکَانَ اَمۡرًا مَّقۡضِیًّا اور حضرت عیسٰےؑ کا رُوح سے بنانا ہمارے ارادہ ازلی میں پہلے ہی سے مقرر تھا۔

یعنی رُوحُ القُدُس حضرتِ عیسیٰؑ خود
پیشِ اُو حاضر شود از فضلِ اَحد

یعنی حضرت عیسٰیؑ رُوحُ القُدُس (ملائکہ صفت رُوح) کی حیثیت سے سالک کے سامنے آتے ہیں۔

بحث کم آرم زِ رنگت ہم زِ شکل
ایں بہ مردانِ عقل آید نے بہ نقل

اب میں اِس بحث کو مختصراً بیان کرتا ہوں۔ کہ اِن آثار و کیفیات کے نوری رنگ اور ہیئتیں کیا ہیں۔؟ کیونکہ یہ کیفیتیں تحریر و کلام کے ذریعہ عقل میں سما نہیں سکتیں۔ یہ کیفیتیں عقل کی بجائے قلب و شعور کی چیزیں ہیں۔ ایسی بحث سے عام لوگ نہ راہ پا سکتے ہیں نہ اُنہیں تسلیم کر سکتے ہیں۔ بلکہ ڈر ہے کہ ایسے گندم نما جو فروش مصنوعی وِلایت کا دعویٰ کرنے والے۔ ایسی کیفیتوں سے لوگوں کو گمراہ کر کے اپنی دُنیوی لذّت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ یہ مصنوعی فقیر صراطِ مستقیم کے موڑ پر راہنمائی کا لباس پہنے بیٹھے رہتے ہیں۔ اور آسمانوں سے کان لگائے رہتے ہیں۔ کہ کوئی حیلہ بے علم لوگوں کو گمراہ کرنے کا ملے۔ اِن کی مثال ایسی ہے۔ وَلَقَدۡ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنۡیَا بِمَصَابِیۡحَ وَجَعَلۡنٰهَا رُجُوۡمًا لِّلشَّیٰطِیۡنِ وَاَعۡتَدۡنَا لَهُمۡ عَذَابَ السَّعِیۡرِ ہم نے آسمانِ دُنیا کو چراغوں سے سجایا۔ اور بنائے

آتشین شعلے اِن شیطانوں کے لیئے (جو کان لگا کر ملکوتی عالم کی باتیں سُننے کی کوشش کرتے ہیں) اور ہم نے اُن کے لیئے شدید عذاب تیار کر رکھا ہے۔ یہی کیفیت اِن غرض پرست فقیروں کی ہے۔ جو فقیری کی من گھڑت باتیں سنا کر سیدھے سادھے عوام کو غلط راہ پر لے جا کر صرف اپنی ہوس پوری کرتے ہیں۔ مبادا۔ ایسے (غرض پرست) لوگ اصل راہ کی کیفیتیں سُن کر (بظاہر) اصل علم لوگوں کو بتانا شروع کر دیں۔ اور اُن پر اپنا اثر جمائیں۔ اس لیئے ان کیفیات کی اصل سے فی الحال احتراز کیا جاتا ہے

منزلِ ہفتم لطیفۂ سِرِّ بدان
ہست بالا تر از وہم ایں مکان

ساتویں منزل لطیفۂ سِر سے موسوم ہے۔ کہ یہ اللہ تعالےٰ کے اسرارِ نوری کی ایک پوشیدہ کیفیت ہے جو مُشاہدے سے تعلق رکھتی ہے۔ وہم و عقل و ذہن میں اِس کیفیت کی شکل کو نہیں لایا جا سکتا۔

آں قدر بعدے کہ کردم من بیاں
میشود در سِرِّ سالک آں عیاں

جس قدر منزلِ اوّل سے منزلِ ششم تک بیان کیا گیا۔ اُسی قدر اِس ایک لطیفہ کی منازل کی مُسافت وُسعت ہے۔ اِسی انداز سے ایک سالک کو اِس لطیفۂ سِر میں بے شمار وسیع کیفیاتِ نوری کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

ہر کسے در سَیر گردد ایں مکاں
مشربِ ابراہیمیؑ گویند سالکاں

جو کوئی اِس مقام کی سَیر کرنے والا ہو۔ اُسے مشربِ ابراہیمیؑ کہا جاتا ہے۔

حضرتِ ابراہیمؑ جَدُّ الأنبیائ
رُو نماید مے دَہد اُو رَا لِقا

اِس مُقام پر حضرتِ ابراہیمؑ جَدُّ الانبیاء اپنی تمامی رُوحانی خصُوصیات

کے ساتھ زیارت سے مُشرّف فرماتے ہیں۔

منزلِ ہشتم لطیفہ رُوح ہست
دَاں کلیدِ مخزنِ اسرار اَلست

آٹھویں منزل لطیفہ رُوح کہلاتی ہے۔ جان کہ اِس منزل میں اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ

کے اَسرار مُنکشف ہوجاتے ہیں۔ جو اللہ تعالےٰ کے ازلی اِرادوں میں سے

ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے اُزل میں آدمؑ و اولادِ آدمؑ سے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ (کیا میں

تمہارا رب نہیں ہوں ؟) پر اپنا رب تسلیم کرنے کا وعدہ لیا تھا۔

ہر کسے اَز سالکاں آنجا رسید
مُوسویٔ مشرب ملقب شُد پدید

سالکوں میں سے جو کوئی اس مقام تک پہنچتا ہے مُوسوِی مُشرب کہلاتا ہے

حضرتِ مُوسیٰؑ کلیمُ اللہ بداں
ظاہر گردد پیشِ اُو روشن عیاں

اِس مقام پر حضرتِ موسیٰؑ کلیم اللہ اپنی روحانی خصُوصیات کے ساتھ

سالک پر ظاہر ہوجاتے ہیں۔ اِس مقام پر سالِک کو بھی یہ خاصیت حاصل ہوتی

ہے۔ کہ (اَلعُلَمَآءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَآءِ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ) سالک کا عَصا اَژدھا

بن جاتا ہے۔ اور ہاتھ یدِ بیضا کی طرح روشن ہوجاتا ہے۔

بعدِ اُو ہم ایں قدر باشُد عیاں
کز اندازہ سیرِ سالک شُد عیاں

اِس کے بعد سالک کے مشاہدے میں اِس قدر وسیع مقامات آتے ہیں جتنے سالک نے اِس سے پیشتر مقامات و منازل طے کئے ہیں۔

منزلِ نہم لطیفۂ نفس داں
نامِ اُو خفی نہادہ سالکاں

نویں منزل لطیفۂ نفس ہے۔ سالکوں نے اِس مقام کے اُسرار کو قطعاً پوشیدہ رکھا ہے۔ کہ ہر سالک سے اِس مقام کے اُسرار پوشیدہ رکھنے کے لئے وعدہ لیا جاتا ہے۔ یہ مُقام ایک وسیع القلب سالک کو ہی حاصل ہوتا ہے۔ جس کے قلب میں راز پوشیدہ رکھنے کی پُوری صلاحیت موجود ہو۔ یہ مقام مشاہدہ سے ہی تعلّق رکھتا ہے۔ اِس لئے اِس مقام کی تفصیل بیان کرنے میں تامّل ہے۔ صرف اتنا ہی کافی ہے۔ کہ

ہر کسے اَز نفس شُد محواہ فناہ
آدمی مشرب مُلقّب شد ز راہ
یعنی حضرت آدمؑ عِلّۃُ الوُجُود
رئیستہ الوُجہش شُد اَندر شہود

جو کوئی سالک اِس مقام میں اپنے نفس کو فنا کردے۔ وہ اِس راہ کا آدمیُ المشرب کہلائے گا۔ اِس پر حضرت آدمؑ کے تخلیقی راز اور ابتدائی پیدائش کے آثار ظاہر ہوں گے کہ حضرت آدمؑ کا وجُود کیسے تخلیق ہُوا۔

بعدِ اُو ہم ایں قدر باشد ضرور
کز طریقِ فکر گر گردی شعور

اِس کے بعد کے مقامات کی وُسعت اِس قدر ہے۔ کہ اگر تیرا شعور اِن مقامات کی اِنتہا کو پانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ تو یہ مقام اِس سے بھی نہایت وسیع ہے۔

منزلِ دہم لطیفۂ اُخفیٰ گشت
از ہمہ اُطوارِ منزل اعلیٰ ہست

دسویں منزل لطیفۂ اخفیٰ ہے۔ یہ منزل تمام منازل سے اعلیٰ و ارفع ہے۔

ہر کسے اَز سالکاں رفت آں مکاں
محمدیؐ المشرب ملقب شُد آں زماں

جو کوئی سالک اِس مقام کو پہنچا۔ وہ محمدیؐ المشرب کہلاتے گا یہی مُقام فنا فی الرسولؐ کی انتہا ہے۔

یعنی ہادیٔ حق حضرت شاہ رسلؐ
ظاہر گردد منبع انوارِ سُبل

یعنی یہاں پر امامُ الانبیاء۔ ہادیٔ حق۔ سردارِ انبیاء منبعِ نورِ معرفت صلی اللہ علیہ وسلم

لہ اِن لطائف (انوار) میں خصوصی انبیاء۔ حضرت آدمؑ۔ حضرت عیسےٰؑ۔ حضرت موسیٰؑ۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوتی ہے۔ یہ زیارت جلالی ہے۔ اِس سے قبل آسمانوں کی سیر میں بھی انبیاء کی اور اوّل اجلاسِ محمدیؐ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوتی

اپنی نوری خصوصیات کے ساتھ جلوہ گر ہوتے ہیں۔

بعد اُو ہم ایں قدر کہ گفتہ شدُ
کز اندازہ ظاہر آید از سند

اِس کے بعد اتنے مراحل و مقامات۔ جو نہایت بسیط اور وسیع ہیں کہ اِن کا کچھ اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ گویا جتنے مقام اب تک سالک طے کر آیا ہے۔ اُتنی وُسعت اِس ایک مقام کی ہے۔ جس کا مشاہدہ سالک کے لیئے لا انتہا کا درجہ رکھتا ہے۔

رنگ ہر یک را بیاں آرم اَلاَتاں
گرچہ اَوّل نفی کردم اَز بیاں

اِس سے قبل اگرچہ اِن مقامات کے لطائف (انوار) کے رنگ بیان کرنے میں نفی کی گئی مگر اب چونکہ سالک اِن مقاماتِ ولایت کے اسرار کو فہم میں لا چکا ہے۔ اور احتمال نہیں کہ کسی گندم نما جو فروش سے دھوکا کھا جائے۔ کیونکہ ایسے مقامات کا دعویٰ سوائے ولی کامل کے کوئی بندۂ ہوس کرنے کی جرأت نہ کر سکے گا۔ کیونکہ ایسا شخص صاحب کمال و کرامات ہونا چاہیئے۔ جو عینی مشاہدے کے ساتھ کسی طالب کو اپنے کمالات کا مشاہدہ کرائے۔ اِس لیئے اُن انوار کے رنگ بھی بتلائے جاتے ہیں۔

بقیہ گذشتہ سے پیوستہ

ہے۔ یہ جمالی انوار ہیں۔ اِن میں ملائمیت ہوتی ہے۔ اور عام آدمی اِس کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔ اِن مشاہدوں میں انبیاء کے انوار ہوتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے ارادۂ ازلی میں مقرر کئے گئے ہیں۔ کہ اِن انوار سے اُن کی رُوحیں بنائی جائیں گی۔

رنگ اوّل سبز داں تو از اُصول
کاں مقصد ہست از اصلُ الاُصول

پہلا رنگ نوُر کا سبز ہے۔ یہ رنگ اصل حقیقت کی ایک جھلک ہے۔ اِس رنگ کی نسبت نورِ عیسوئی سے ہے۔ یعنی لطیفۂ عیسٰوی۔ جو مشربِ عیسٰوی میں ظاہر ہوتا ہے۔ اِس نور کا سبز رنگ مشاہدے میں آتا ہے۔

لہ سبز نور: واضح ہو کہ جب طالب عالمِ ناسُوت میں کیفیات کا مُشاہدہ کرتا ہے تو اُس کے سامنے مختلف قسم کے اَنوار آنے شروع ہوتے ہیں۔ اگر طالب صاحبِ فہم و شعور ہو تو پیرِ اکمل کی راہنمائی میں اُسے ہر کیفیت کی تفصیل معلوم ہو جاتی ہے۔ ان اَنوار میں بعض قوّتی نور ہوتے ہیں جنہیں انسان غلط وہم اور اپنی عقلی تاویل کے باعث اللہ کا نور گمان کرنے لگ جاتا ہے۔ اور شیطان اِنہیں اَنوار کی آڑ میں وَلی کی عقل کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتا ہے۔ —— لیکن یہ اَنوار عالَمِ ناسُوت کے ہوتے ہیں۔ یہ کیفیاتِ نوری وِلایت میں شامل نہیں۔ اِسی طرح طالب کو اِبتداء میں سبز نور، سُرخ، نیلگوں یا سفید اَنوار نظر آتے ہیں۔ دراصل یہ لطائف لطائفِ قلب (قلب کے نور) سے تعبیر ہیں۔ اِس قسم کے اَنوار بعض ذِکر کرنے والوں کو بھی مُشاہدے میں آتے ہیں۔ اور بعض ایسے لوگ جنہیں وَلایت کا درجہ حاصل نہیں (یعنی عالَمِ ملکوت میں داخل نہیں) مگر یہ لوگ پیری مُریدی کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں۔ بَیعت بھی کرتے ہیں۔ یہ لوگ اللہ ھُوْ کا ذکر یا نفی اثبات کا طریق ضرب کے ساتھ بتاتے ہیں۔ یا حبسِ نفس یعنی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کو سانس کے ساتھ پڑھ کر دِل پر مَوہُوم ضرب لگاتے ہیں۔ اور سانس بند کر کے کلمہ شریف پڑھتے ہیں۔ اِس کی میعاد ایک گھنٹہ سے لے کر

مثلِ یک دریائے سبز از موجہا
یک سمندر ہست ظاہر بے بہا

یہ نُور مثل ایک دریائے ذخّار کے ہے۔ جس سے سمندر کی موجوں کی مانند لہریں اُٹھ کر طالب کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہیں۔ اور طالب اِن موجوں میں فنا ہوکر بیخود ہو جاتا ہے۔ اِس فنا کو۔ فنائے عیسٰی کہتے ہیں۔ اِسی لیئے اُسے عیسوی المشرب کہا جاتا ہے۔ اِس مقامِ بیخودی میں طالب انَا عیسٰی بیخودی میں پکارتا ہے۔ یہ مقام حیرتِ حقیقی ہے۔ اِس مقام پر جو کچھ حضرت عیسٰے علیہ السّلام پر واردات گذریں سب سالک پر مُنکشِف اور وَارِد ہوتی ہیں۔ یہاں تک کہ نفخ روح مریمؑ کلام فِی المَھد یعنی گود میں کلام کرنا۔ مُردہ زندہ کرنا۔ بیمار اچھے کرنا وغیرہ۔ سب سالک سے ظاہر ہوتے ہیں۔

حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ:

چوبیس گھنٹے اور بعض میں ایک ایک ہفتہ تک سانس بند کرنے کی قوت بڑھ جاتی ہے۔ ایسے لوگوں میں مافوق الفطرت قوت پائی جاتی ہے۔ اِنہیں بھی عالمِ ناسُوت کی نُورانی کیفیات کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ ——— ایسی حالت میں جب ذِکر کی حالت میں قلب پر ضرب (چوٹ) دی جائے۔ تو اُس پر انوارِ قلب کا آپس میں ٹکراؤ ہو جاتا ہے۔ قلب میں بھی سبز۔ سُرخ۔ نیلا۔ سفید نُور پایا جاتا ہے۔ اِنہیں انوار کے ٹکراؤ میں جب ایک شخص کا قلب لطیف ہو جاتا ہے تو انوار مشاہدے میں آتے ہیں۔ بعض لوگ جو طریقِ طریقت کے عامل نہیں ہوتے۔ صرف ذاکر کرتے۔ رات کو جاگتے اور جسم پر محنت ڈالتے ہیں۔ اُنہیں بھی انوار نظر آتے ہیں۔ یہ انوار بھی قلب کے لطائف اور عالمِ ناسُوت کی چند منزل

رنگ دوئم داں سفید از برف تر
کز بہارے لایزال آمد اثر

دُوسرا رنگ سفید مثلِ برف روشن ہے۔ کہ اِس میں اللہ تعالیٰ کی بے شمار تجلیات و تدلّیات کا نزول ہوتا ہے۔ اِس رنگ کی لطیفۂ ابراہیمیؑ سے نسبت ہے۔ اِس نور میں جب سالِک کی رُوح جذب ہو جاتی ہے۔ تو اُس پر تمام اَحوال و آثارِ ابراہیمیؑ طاری ہوتے ہیں اور جو کچھ حضرت ابراہیم علیہ السّلام پر مُشاہدات اور وَاردات اللہ تعالیٰ کی طرف سے وارِد ہوئیں تمام سالِک پر مُنکشف ہو جاتی ہیں۔

حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ: ———

کے اَنوار ہوتے ہیں۔ ایسی کیفیات وَلایت میں شامل نہیں البتہ ایک طالبِ صادق جب پیرِ اکمل کی راہنمائی میں عمل کرتا ہے۔ تو اُس کا عمل اَحسن ہوتا ہے۔ اُسے اِن اَنوار کے مشاہدے میں شیطان کی گمراہی کا خطرہ نہیں ہوتا۔ اور یہ عمل اور لطائفِ قلبیہ اِس کے قلب کی اِصلاح کرتے ہیں۔ ایسے طالب کو کبھی سبز کبھی سُرخ کبھی نیلگوں اور کبھی سفید رنگ کا نُور مشاہدے میں آتا ہے جب اِس کے قلب کی پوری اصلاح ہو جائے۔ اور طالب عالَمِ مَلکوت میں اَجلاسِ محمدیؐ میں داخل ہو جائے تو اُسے مستقل سفید رنگ کا نُور مشاہدے میں آتا ہے۔ البتہ ایسے مُبتدی طالب پر کبھی قلبی کثافت دوبارہ ہو جاتی ہے۔ وہ اُس وقت بھی سبز سرخ نُور دیکھتا ہے۔ یہ کیفیتیں ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہیں۔

مذکورہ بالا مشرب کے اَنوار اِن ابتدائی اَنوار سے مختلف ہیں۔ یہ بالائی منازل میں انتہائی قوت کے اَنوار ہوتے ہیں۔ ایسے اَنوار مستقل ہوتے ہیں۔ جو قوی لطائفِ قلبی پر ہی مُشاہدے میں آتے ہیں۔

اِس نورِی فنا کو مُشربِ ابراہیمیؑ سے تعبیر دیا جاتا ہے۔

رنگِ سوئم مثل زر جلوہ زدہ
ہمچُو بحرِ موج دَر موج آمدہ

تیسرا رنگ سُنہری نور کا ہے۔ یہ نُور بھی سُمندر کی موجوں کی طرح اُمڈتا چلا آتا ہے۔ اور سالِک اِس میں غرق ہو جاتا ہے۔ یہ نور لطیفۂ آدمی کہلاتا ہے جب سالِک اِس نور میں غرق ہو جاتا ہے۔ تو اُسے مُشربِ آدمی سے تعبیر دیا جاتا ہے۔

رنگِ چہارم نیلگوں باشد عیَاں
ایں چُنیں از سالِکاں آید بیَاں

چوتھا رنگ نیلا کھُلا ہُوا ہوتا ہے۔ اِس نُور کی نسبت موسوی نور سے ہے۔ سالِک اِس نُور میں فنا ہو کر مُوسویؑ المشرب کہلاتا ہے۔

رنگِ پنجم دَاں سیاہ بحرِ عمیق
از برائے سالِکاں جائے غرِیق

پانچواں رنگ ایک سیاہ سُمندر کی مانِند لطیف نور ہے۔ سالِک اِس نور میں اکثر دیر تک گھرا رہتا ہے۔

یعنی دَر نورِ سیاہِ احمدیؐ
ہر کسے کو شُد فنا اَز خوشِ دِلی
میشود اَز دَیر بیروں آں شفیق
چُوں شود فضلِ خُدا اُورا رفیق

اَندریں پُختہ گردد اَز وجُود
تانکہ جانِ اُو دائم ماند دَر شہُود

یہ نورِ سیاہ ۔ نورِ محمدیؐ سے تعبیر ہے۔ اِسے اِصطلاحِ طریقت میں لطیفۂ محمدیؐ یا لطیفۂ اَخفیٰ بھی کہتے ہیں ۔ اگر کوئی سالِک اِس نورُ میں فنا ہو جائے ۔ تو وہ اِس نورُ سے بہُت دیر کے بعد نکلتا ہے ۔ جاننا چاہیئے ۔ کہ حصولِ عرفانِ الٰہی میں مقصُود قُربِ الٰہی اور مُراتب کا پانا ہوتا ہے ۔ اور مُشاہدہ (کشف) اِن مُراتب کے علم کے لِئے ہوتا ہے ۔ کہ طالِب اپنے مُراتب سے آگاہ ہوتا رہے ۔ یعنی جب اِنسان اپنے لِئے عبادت مقرر کرتا ہے ۔ تو عبادَت سے اُس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اِس عبادت کے نتیجے میں مجھے جنّت یا قُربِ الٰہی حاصل ہوگا ۔ جیسا آیتِ قرآنی سے بھی ظاہر ہے ۔ ذَالِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ یہ وہ کتاب ہے کہ اِس میں شک نہیں کہ پہنچانے والی ہے ۔ ڈرنے والوں کو ۔ بدی سے پرہیز کرنے والوں کو اُن کے مطلوب تک ۔ ڈرتے والے لوگ وہ ہیں جو اپنے انجامِ آخرت سے ڈرتے ہیں کہ ہم اپنے مقصُود کو پانے میں رہ نہ جائیں ۔ اور ہمیں اپنے انجام میں عبادَت سے کوتاہی کے نتیجہ میں عذاب و ذِلّت نہ ہو ۔ تو وہ لوگ اپنے مقصُود کو پانے کے لِئے صراطِ مستقیم تک پہنچنے کے لِئے قُرآنی اَحکام پر عمل کریں ۔ تو یہ کتاب اِس کے بتائے ہوئے طریق و اَحکام کے ذریعے اُنہیں اپنے مطلُوب تک پہنچا دیتی ہے ۔ کیونکہ انسان کی پیدائش کا مقصد یہی ہے ۔ کہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ ۝ اللہ تعالیٰ نے نہیں پیدا کیا جنّوں اور انسانوں کو مگر عبادت کے لِئے ۔ اُنہیں خلیفہ کی

حیثیت میں اِسی لیئے ہی پیدا کیا۔ کہ وہ ملائکہ سے بہتر تسبیح و حمد کا مظاہرہ اپنی عبادتوں میں کریں۔ تو انہیں اِن عبادات کے نتیجہ میں معرفتِ الٰہی حاصل ہے گی سو جو شخص جتنی عبادت کرے گا۔ اسے اُسی قدر ثواب حاصل ہوتا ہے۔ یہ ثواب بظاہر محسوس نہیں ہوتا۔ کہ کس عبادت کا ثواب کتنا ہے۔ یہ ثواب عمل کے ساتھ ہی انسان کو مل جاتا ہے۔ لیکن یہ ثواب دُنیا میں نہیں پایا جاتا کہ انسان اِس بدل کو پائے۔ کیونکہ دُنیا میں اِس کے سمانے کی گنجائش نہیں۔ کیونکہ ایک عمل کا نتیجہ جب محسوس میں نہ آئے تو اُس کی ہیئت نوری ہوتی ہے۔ نور نہ تو دیکھنے میں آتا ہے نہ ہی مادّے میں اِس کے سمانے کی گنجائش ہوتی ہے۔ اِس لیئے اِس ثواب کا وجود ایک غیر مادّی عالَم میں موجود ہوتا ہے۔ گویا ثواب کے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ انسان عبادت کرے اُس کا ایک بدل (اجر) ہوتا ہے۔ جس طرح دانہ زمین میں رہ کر درخت کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔ اِسی طرح انسان کے ہر عمل کا بدل عمل کرنے کے ساتھ ہی قائم ہو جاتا ہے۔ اور یہی عمل اُس کے لیئے عالَمِ غیر مادّی میں مقامات حاصل کرتا ہے۔ یہی مقامات اپنے ثواب میں آخرت (عقبیٰ) میں پاتا ہے۔ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ آخرت میں تمہارے لیئے جنّت یا معرفتِ الٰہی تمہارے عمل پر منحصر ہے۔ جس قدر دُنیا میں عمل کرو گے اُسی قدر پاؤ گے۔ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ اللَّهِ۔ جو کچھ تم نیک عمل آخرت کے لیئے بھیجو گے وہی اللہ سے پاؤ گے۔ (پ پارہ اوّل۔ سورۃ بقرہ۔ آیت ۱۱۰)

یہ عمل اور نتیجہ ہر شخص کے لیئے مقرر ہے۔ ایک شخص جیسا عمل کرے اُسی عمل کے مطابق باطن (عقبیٰ) میں مرتبہ پاتا ہے۔ اب جسے مشاہدہ حاصل نہیں وہ اپنے

مُراتب دیکھ نہیں سکتا۔ لیکن طریقِ طریقت میں زائد عبادت پر عمل کرنے سے انسان اپنے مُراتب کو دیکھ لیتا ہے۔ یہی طریقِ عمل جسے شریعت پر عمل کرنے میں مُراتب ملیں اور وہ زائد عبادت کے ذریعہ اپنے نتیجہ کا مُشاہدہ کرے طریقت سے تعبیر ہے۔ یہ طریق سوائے پیرِ اکمل حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہ طریق اگرچہ قرآن نے پیش نہیں کیا ہے۔ لیکن اِس میں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی راہنمائی اور وحیِ خفی کے ذریعہ تربیت شامل ہے۔ کیونکہ اِس طریق میں مُشاہدہ کی کیفیات حاصل ہوتی ہیں۔ اور مشاہدہ کی کیفیات ظاہر نہیں۔ بلکہ عالَمِ باطن میں ہوتی ہیں ۔ اِس لئے یہ کیفیات ظاہر نہیں۔ کہ قرآن (وحی جلی) میں شامل ہوں۔ چونکہ یہ طریق مخصوص طریق ہے اور حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے لئے ہی پیش کیا گیا ہے۔ اِس کا ثواب چونکہ باطن میں ہے اِس لئے اِس طریق کی کیفیات اور ترتیبِ وحیِ خفی بھی پوشیدہ ہی ہوں گی۔ یہی وجہ ہے۔ کہ چونکہ اِس کا تعلق صرف مُشاہدہ سے ہے اِس لئے ایسے واقعات قرآن و حدیث یا صحابہؓ سے ظاہراً منقول نہیں ہو سکتے۔ بلکہ یہ طریق ہر صاحبِ مُشاہدہ کے لئے خفی طور پر ہی مُشاہدہ میں رہیں گے۔

یہ طریقِ مشاہدۂ نتیجۂ عمل حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نبوّت سے تعلّق رکھتا ہے۔ یعنی یہ عمل حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا رِسالت سے قبل کا شغل ہے۔ آپؐ نے اپنی ابتدائی زندگی سے ہی تنہائی۔ فاقہ۔ کم گفتنی۔ رات کا جاگنا۔ یکسوئی۔ اِستغراق اور غارِ حرا کی چلّہ کشی میں صرف ایک تصوّرِ حقیقی ذاتِ الٰہی کا شغل رکھا۔ جس کے نتیجہ میں آپؐ کو مشاہدۂ انوار و تجلّیات اور مشاہدۂ ذاتِ الٰہی حاصل ہُوا۔ اِسی مشاہدہ سے آپؐ کو ابتدائے رِسالت پر وحی کا مُشاہدہ و نزول حاصل ہُوا۔ بعدِ رسالت

آپؐ کو چونکہ تبلیغ و انذار کی مصروفیت کی وجہ سے تصور د مراقبہ کیلئے تنہائی۔ یکسوئی۔ استغراق کا پورا وقت میسر نہ ہو سکا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل آپؐ کا پسندیدہ عمل تھا اِس لیئے بعد رسالت بحکمِ خداوندی زیادہ عبادت کی صورت میں اللہ تعالےٰ نے آپؐ کے مرغوب اور پسندیدہ عمل کو پھر سے جاری کر دیا۔ یٰاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ ۙ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا۔ اے کملی اوڑھے (آدھی رات کو) جاگ) مگر تھوڑا) نِصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا ۙ اَوْ زِدْ عَلَیْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ؕ اِنَّا سَنُلْقِیْ[1] عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا ط رات کا آدھا! یہ آپؐ کی مرضی پر منحصر ہے چاہے اِس میں کم کریں یا زیادہ آپؐ کو پسند ہو۔ اور قُرآن پڑھیں۔ تحقیق ہم آپؐ پر ایک شدید بات القا کرنے والے ہیں۔ یہ شدید بات وَحیِ خفی میں شامل ہے۔ کیونکہ قرآن کی وحی جاری تو ہو چکی ہے۔ اِس لیئے یہ شدید بات ظاہر نہیں تو خفی ہی ہو سکتی ہے۔

پھر دوبارہ حکم ہُوا۔ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّیْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ہ وَمِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ ق عَسٰۤى اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سُورج گھڑے کی مانند ہوتا ہے۔ رات گہری ہونے تک۔ اور صُبح کو قُرآن پڑھیں۔ تحقیق صُبح کا قرآن پڑھنا مُشاہدے میں آتا ہے۔ اور رات کو نماز پڑھیں۔ یہ عبادت آپؐ کے لیئے (احکام سے علیحدہ) زائد عبادت میں شامل ہے۔ تاکہ آپؐ کا رب عنقریب اِس عمل سے مقامِ محمود تک پہنچائے۔ کہ آپؐ قیامت تک حمد کیے جائیں۔

---

[1] سَنُلْقِیْ (شدید بات) القا سے ہے۔ یہ اشارہ آپؐ کے جسمانی معراج کی طرف ہے۔ ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی جسمانی حالت میں نورِ ذات کے قریب ہو کر تجلیاتِ الٰہی کا مشاہدہ (آنکھوں سے) کرنا اِس حال میں کہ تجلیات کی شدت سے آنکھ بھی نہ جھپکی۔

اِن آیات میں تلاوتِ قرآن۔ رات کا جاگنا۔ دو زائد احکام دیئے گئے ہیں۔
اور اِن دونوں کا نتیجہ عمل بتایا گیا ہے۔ قیامِ لیل کا نتیجہ اِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ
وَ طْأً وَّ أَقْوَمُ قِيلًا ۝ رات کا جاگنا ایک شدید عمل ہے۔ اِس سے نفس (جسم)
کی کثیف آلائشیں کچلی جاتی ہیں۔ (یہ شدید سخت ہے اور نفس کو کچلنے والا) اور
رات کے جاگنے کے ساتھ جب جسم لطیف اور مزکّی اور رُوح قوی ہو جاتے تو
اِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا ۝ صبح کے وقت قرآن کا پڑھنا مشاہدے میں
آجاتا ہے۔ یعنی صُبح کے وقت جو کچھ قرآن سے پڑھا جائے۔ اِس کے نتیجۂ عمل میں
اَنوار پیدا ہوتے ہیں۔ یہ اَنوار مُشاہدے میں آتے ہیں۔ یہی طریق ہے۔ جو حضور صلی اللہ
علیہ وسلّم سے جاری ہُوا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے عُشاق نے بھی محبتِ رسول صلی اللہ
علیہ وسلّم میں زائد عبادت کی حیثیت سے اِس پر عمل کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے
اُنہیں منع نہیں فرمایا۔ بلکہ اِجازت دے دی۔ اور جو کیفیات اِس خاصُ الخاص
جماعت کو مشاہدے میں حاصل ہوئیں۔ وہ وَحیِ خفی میں شمار ہیں۔ اور اِنہی عاشقانِ
رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کی راہنمائی میں اپنی جانوں پر محنت ڈال کر انتہائی مقامِ معرفت
حاصل کیا۔ اِنہی خلفائے رسولؐ اللہ نے اِس وَحیِ خفی کو اُمّت میں جاری کیا چونکہ
یہ طریق وَحیِ خفی میں شامل ہے۔ اِس لئے ظاہراً اِس کا کوئی ثبوت نہیں دیا جا سکتا۔
یہ عمل خاصُ الخاص بندگانِ خدا کا ہے۔ اِس لئے اِس کا تعلّق مُتشابہات سے ہے۔
جس کا ثبُوت مُشاہدے سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ یہی طریق طریقت سے موسُوم
ہے۔ کہ یہ طریق اصحابِ رسولؐ اللہ کی مخصُوص جماعت (وَ طَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِينَ
مَعَكَ) کا طریقِ عرفان و مُشاہدہ ہے۔ جو عمل کے نتیجہ میں حاصل ہوتا ہے۔ اِس طریق

میں ایک طرف رات کا جاگنا۔ تزکیہ کرنا۔ تنہائی۔ یکسوئی میں قُرْاٰنَ الْفَجْرِ تلاوتِ قُرآن کا وظیفہ شامل ہے۔ یہ طریق ایک خلیفۂ رسول اللہؐ پیرِ اکمل سے وَحیِ خفی کے تابع حاصل ہوتا ہے۔ پیرِ اکمل اِس علم سے واقف ہے۔ راہِ عرفان سے واقف ہے۔ اور ایک طالب کو اُس کے مقصود تک پہنچانے میں راہنمائی اور تزکیہ اور حصولِ علم کی پوری صلاحیت رکھتا ہے۔ یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حمد اور تقلید قیامت تک جاری رہے گی۔ اِسی طریق سے مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝ کی تکمیل ہوگی۔ اس لئے یہ طریقِ طریقت اگرچہ قرآن کے احکام و شریعت میں شامل ہے۔ لیکن چونکہ اِس میں زائد عبادت اور نتیجۂ عمل کو وَحیِ خفی (پوشیدہ مشاہدہ) کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے۔ اِس لئے یہ طریق شریعت سے الگ نہیں مگر زائد عمل میں شامل ہونے کی وجہ سے وَحیِ جلی سے علیحدہ محسوس کیا جاتا ہے۔ اِس طریق میں زائد عمل ایسا ہے جو اُحکام خمسہ سے زائد ہے۔ اور قرآن نے مُجملاً اِس طریق کو پیش کیا۔ مگر حضورؐ نے اِس عمل و حکم کی وَحیِ خفی کے ذریعے تعلیم دی۔ اِس لئے یہ شریعتِ ظاہری سے الگ محسوس ہوتا ہے۔ ورنہ یہ طریق قطعی قُرآن کے اُحکام میں شامل ہے۔ اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ط وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ط عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ط عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى لا وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ لا وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ز صلے فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ لا تحقیق اللہ جانتا ہے کہ آپ اُٹھتے ہیں رات کو تھوڑا

تیسرا حصّہ رات اور کبھی نصف رات اور کبھی تین چوتھائی رات۔ اور ایک جماعت بھی اسی طرح اِس زائد عبادت میں آپ کے شریک ہوتی ہے اللہ کو رات اور دن کی کیفیت کا اندازہ ہے۔ وہ جانتا ہے کہ آپ کے ساتھ اشتراکِ عمل کرنے والے کبھی پُورے نہ اُتر سکیں گے۔ پس پڑھو اتنا ہی۔ جتنا میسّر ہو سکے۔ وہ اللہ جانتا ہے۔ کہ اُن میں کبھی لوگ بیمار ہوں گے۔ اور بعض لوگ کاروبارِ دنیوی میں محنت کر کے تھک بھی جاتے ہیں۔ اور بعض اوقات جہاد بھی کرنا ہوگا۔ تو رات دن کی لگا تار جہد ہیں۔ اِس زائد عبادت سے اُنہیں جسم پر زیادہ بوجھ ہوگا۔ اس لیئے اللہ ان لوگوں سے رعایت کرتا ہے۔ پس پڑھیں قرآن جتنا اُن سے ہو سکے تو مَیں تھوڑے عمل پر زیادہ اجر دوں گا۔ اِس لیئے قرآن میں آسانی یہاں تک ہے۔ کہ بجائے تمام قرآن پڑھنے کے اگر انسان فرصت نہیں پا سکتا۔ تو اُس کے لِئے اَللّٰہُ الصَّمَدُ یا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یا اَللّٰہُ اَحَدٌ۔ غرض ایک حرفِ قرآن بھی مَا تَیَسَّرَ مِنْہُ میں آ سکتا ہے۔ یہی رعایت وظیفہ اور اللہ کے اسماء کا تعداد کے ساتھ وِرد کرنا۔ فقر یا طریقت سے تعبیر ہے۔ اِس کے لِئے وظیفہ کا تعیّن اور ارشادِ پیر اکمل کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے۔ کہ پیرِ اکمل کو حرفِ قرآنی کا علم اور اُس کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ کس حرف یا کلمہ میں کتنا نتیجہ (نور) پیدا ہوتا ہے۔ سو پیرِ اکمل وظیفہ کی صورت میں آیاتِ قرآنی کی تلاوت یا درود شریف جس کا سب سے بڑا نتیجۂ عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا حدیث مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ وَاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرًا[1]۔

---

[1] جس نے ہم پر ایک بار درود بھیجا اللہ تعالیٰ اُس پر دس بار رحمتیں نازل کرتا ہے۔

ویسے ہر حرف کا اُسی حرف کے مطابق نتیجہ ہے۔ یہ قرآن کے ہر حرف کا ایک ثواب ہے۔ لیکن درُود شریف کا دس درجہ بلکہ دس سے بھی زیادہ ثواب اللہ تعالےٰ کی طرف سے خاص طور پر انعام دیا جاتا ہے۔ اِس لیئے ماسویٰ باقی کلمات کے وظیفہ کے بہتر وظیفہ درُود شریف ہے۔ کہ اِس کا نتیجہ نورِ محمدیؐ ہے۔ اور درُود شریف پڑھنے سے طالب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نوُری توجہ میں آکر زیارت رسولؐ اللہ سے مشرف ہو جاتا ہے۔

جہاں تک سِلسلوں کا تعلق ہے۔ اکثر سِلسلوں میں آیاتِ قرآنی کا وظیفہ دیا جاتا ہے۔ اور کچھ حصہ درُود شریف کا دیا جاتا ہے۔ قادری سِلسلہ میں بھی قرآنی وظائف کے ساتھ کثرت سے درُود شریف دیا جاتا ہے۔ اور اویسی سِلسلہ میں صرف درُود شریف دیا جاتا ہے جس سے طالب فوراً زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہو جاتا ہے۔

یوُں تو ہر شخص جو شریعت پر عامل ہو اپنے مراتب پا لیتا ہے۔ لیکن جیسے بیان کیا جا چکا ہے کہ صاحبِ نسبت سالک پیرِ اکمل کی راہنمائی میں مراتبِ اعلیٰ اور مُشاہدہ حاصل کرتا ہے۔ اِسی طرح جب ایک سالک منازِلِ فقر میں داخل ہوتا ہے تو اُس کا عمل اُس کی محنت اور اُس کا جذبۂ شوق اُسے تیزی سے مقصوُد کی طرف لے جاتا ہے۔ جب سالک میں پیرِ اکمل کی تابعداری اور عشق اور لگاؤ کا جذبہ تیز ہو جاتا ہے۔ تو اُس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خصوُصی توجہ فرماتے ہیں۔ اِس توجہ میں بے شمار اَنوار ہوتے ہیں۔ اِسی طرح جب اعلےٰ منازل میں سالک پہنچتا ہے تو اُس کے جذبۂ حُبّ کے تابع اچانک تجلیات سالک پر وارِد ہوتی ہیں۔ یہ تجلیات قوی اور

قوّتِ برداشت سے زیادہ ہوتی ہیں۔ اگر یہ تجلّیات براہِ راست قلب اور ذہن تک آئیں تو انسان برداشت نہ کرنے کی صُورت میں یا تو جاں بحق ہو جاتا ہے۔ یا مجذُوب ہو جاتا ہے۔ وَرنہ مشاہدے میں قبض آجاتا ہے۔ کہ سالِک مشاہدہ کرنے سے رَہ جاتا ہے۔

بعض ایسی صورتیں ہیں۔ کہ ایک سالِک پیرِ اکمل کی عِنایت سے صِرف جذبۂ حُبّ اور اپنے عشق اور دلچسپی کی وجہ سے اگرچہ اُس کا عمل اور تزکیہ بہت کم ہو۔ پیرِ اکمل طالب کو اعلےٰ مراتب تک لے جاتا ہے۔ ایسے وقت میں جب سالِک کا نفس کُھلا (مُزکّیٰ) نہ ہو تو مشاہدہ کرتے کرتے اچانک اُسے سیاہ نور ڈھانپ لیتا ہے یہی نُور لطیفۂ محمّدی یا لطیفۂ اُخفیٰ سے مُوسُوم ہے۔ اِس سیاہ نور میں سالِک اُس وقت تک رہتا ہے۔ جب تک اُس کا جسمانی تزکیہ قوی ہو کر نفس لطیف حالت میں نہ آئے۔

یہی صُورت لطیفۂ اُخفیٰ کی ہے۔ کہ اِس مقام پر سالِک کا تزکیہ مکمّل اور مُستقِل رہنا چاہیئے۔ دُنیوی حصُول کی طرف بہت کم مائل رہنا چاہیئے۔ وَرنہ اگر تزکیہ میں کسی وَقت بھی کمی آئی ہو تو ”میشود از دیر بیروں آں شفیق“ = اور اِسی حالتِ جذبِ اُخفیٰ میں سالِک رُوح وجسم سے پختہ ہو جاتا ہے۔ اور جب اِس نور سے باہر آیا تو صاحبِ کرامت وَلی بن جاتا ہے۔

ہمچنیں داں بیست و پنج منزل وصُول
کہ بیاں کردن اَز آں باشد فضُول

اِسی طرح جان۔ کہ پچیس منزلیں اِن مقامات سے آگے ”اصول“ کی آتی ہیں۔

اِن کی تفصیل بیان کرنا فضول ہے۔ کہ اِن منازل کی کیفیات عقل و وہم کی حدود میں سما نہیں سکتیں۔ یہ مقام بہت کم لوگوں کو حاصل ہوتا ہے۔ مُن گھڑت فقیر ایسے مقامات کی کوئی جُزیا تفصیل بیان نہیں کر سکتا۔

ہر کسے کو میرسد آنجا بفضل
گیرد از فضلِ خدا او نیک بذل

جو شخص اِس مقام تک پہنچا۔ اُسے اللہ کے فضل سے کمالِ علمِ لقا حاصل ہُوا۔ ایسے مقام پانے والوں میں اَلَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللہُ مِنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ ہوتے ہیں۔

بعد ازاں داں پنج منزل از "اظلال"
تا بیابی معرفتِ حق را جمال

اِن پچیس منازل کے بعد اور پانچ منزلیں ہیں۔ اِنہیں "اظلال" کہا جاتا ہے۔ یہاں سے ذاتِ الٰہی کے جلالی انوار کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ یہاں سے معرفتِ حق کی حضوری ہوتی ہے۔

اندریں داں شش منزل از شیُون
تا شوی تو روشن از نورِ بے چون

اِن پانچ منزلوں کے درمیان چھ اور منزلیں ہیں۔ جن میں نورِ باری تعالےٰ کی تجلیات کا نزول رہتا ہے۔ اِن منزلوں کو شیُونَ کہا جاتا ہے۔

بعد ازیں داں ہفت دریا از وصول
کز صفاتِ ذاتِ حق اصل الاصول

اس کے بعد سات منزلیں دریاؤں کی شکل میں محسوس ہوتی ہیں۔ ان میں ذاتِ الٰہی کے صفاتی انوار مشاہدے میں آتے ہیں۔ انہیں "اصول الاصول" کہا جاتا ہے۔

بالا ایں ہفت دریا ہست یک دریا کلاں
سبقت رحمتی علےٰ غضبی را نشاں

اِن سات دریاؤں سے اُوپر ایک عظیمُ الشّان وسیع دریائے نُور واقع ہے جس میں سالک فنا ہو کر اِس آیت کی تفسیر کے اَصل بُطن (تفسیر) سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ کہ سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ عَلےٰ غَضَبِیْ

"میری صفتِ رَحمت میری صفتِ غضب پر سبقت لے جاتی ہے۔"

یعنی آں تا وقتیکہ جوشد از کرم
میشوند ایں جملہ ذروے منعدم

یعنی جس وقت اِس دریائے رحمت میں جوش آجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہر مخلوق پر اپنی رَحمت اور مُعافی کا دَروازہ کھول دیتا ہے۔ کہ ہر شخص توبہ سے اپنی مغفرت حاصل کرے۔ ؎

ایں دَرگہ ما درگہِ نومیدی نیست
گرچہ ہزار بار توبہ شکستی باز بار آ

میری درگاہ پر نااُمیدی نہیں۔ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ۔ میری رَحمت سے نااُمید نہ ہو کیونکہ سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ عَلےٰ غَضَبِیْ۔ میں اپنے غضب میں بھی رَحمت اِستعمال کرتا ہوں۔ اِس لِئے اگر تو ہزار بار توبہ توڑے پھر بھی تو ایک بار مجھے پُکارے تو میں تجھے مُعاف کر دوں گا۔ جب سالک اِس دریائے

رحمت میں فنا ہو جاتا ہے تو وہ خود اسی صفت سے متصف ہو جاتا ہے۔ کہ دشمن کے ظلم پر بھی اُسے فیض پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی صفت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ کہ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَؤُفٌ رَّحِیْمٌ ۝ اپنے دشمنوں کی نقصان رسانی پر اُن کی ہدایت و نجات کی دعا مانگی۔ اور شدید کافروں کو عرفانِ الٰہی کی روشنی سے منور کر دیا۔ اس مقام میں سالک جب فنا ہو جاتا ہے۔ تو اُسے تمام منازل اور تمام مخلوق کیفیات اسی نور میں گم نظر آتی ہیں۔ یہ اس وجہ سے کہ یہی وہ نورِ اول ہے۔ جس سے تمام منازل و مخلوق بنائی گئیں۔ جس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ۔ اس نور کا نام "محمد" ہے کہ ہر مخلوق ہر شے نوری میں اسی نور کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اور ہر کیفیت میں اسی نور کا سالک مشاہدہ کرتا ہے۔ یہ مقام حقیقی فنا فی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ یہی نور قریب ذاتِ الٰہی کے ہے۔ یہی نور ہے جو ازل میں ذاتِ الٰہی کے نور میں طواف کناں حمد کرتا رہا۔ اسی لئے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نور سے ذاتِ الٰہی کی ہر شے سے بدرجہ اولیٰ حمد کی تو اَحْمَدْ لقب پایا۔ اسی نور کی صفت حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَؤُفٌ رَّحِیْمٌ ہے۔ اسی نور کی صفت ہے کہ دنیا کا کوئی بشر ہدایت سے خالی نہ رہے۔ خواہ وہ آپؐ کے دشمنوں سے ہی کیوں نہ ہو۔

آں کسے از سیر گیرد ایں مکاں
غالب فہمد رحمتِ حق بر عوام

یہ اسی نور کا اثر ہے۔ کہ جب سالک اس مقام کو پاتا ہے۔ تو سمجھ لیتا ہے

کہ اُس کے بندوں کو اُس کی رحمت کبھی نافرمانی کی سزا نہ دے گی۔

پس بداند او کہ از رحمت رحیم
کس نمی سوزد ز عصیاں در جحیم

پس وہ جاننے لگتا ہے۔ کہ اِس رحمت کا تقاضا یہی ہے کہ کوئی شخص اپنے گناہوں کی سزا میں جہنم میں نہ ڈالا جائے گا۔ یہ تاثرِ اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت کا ہے۔ جس کا ظہور محمدؐ و احمدؐ کی صورت میں ہوا۔

ایں ہمہ آثار از وحدُ الوجُود
ظاہر آیند سالکاں اندر شہود

یہ تمام آثار وحدتِ وجود کے ہیں۔ جب سالک ذاتِ الٰہی کے عرفان میں ہر شئے مخلوق کا وجود گم اور جذبِ کل میں مشاہدہ کرتا ہے کہ وہ یہی سمجھتا ہے کہ سوائے ذاتِ الٰہی کے اور نورِ محمدیؐ کے اور کوئی شئے نہیں۔ تو عذاب و سوال کا وجود کیسے ہو گا؟

بعد ازاں بے کیف و بے کینہ بیچون
ظاہر آید یک حقیقت از دروں

اِس کے بعد ایک ہی لامحدود کیفیتِ نوری۔ بے مثال۔ بے تشبیہہ۔ خالص ذاتِ الٰہی کی آتی ہے۔ جس کی نہ کوئی کیفیت بیان میں آسکتی ہے۔ نہ کوئی مکان۔ نہ کوئی حد ہوتی ہے۔

اندر آں از حکمت صنع جلال
میشود با ذاتِ حق عین الوصال

اِس نورِ حق میں پہنچ کر سالک کی مُعرفت وعرفان وجذب وفنا تکمیل پذیر ہوجاتی ہے۔ اور اُسے عَینُ الیقین ۔ حَقُّ الیقین اور عَینُ الحق حاصل ہوجاتا ہے یہی حَقُّ الیقین عَینُ الوِصَال ہے کہ سالک اپنے معبُود کے وجُود میں گُم ہوکر فنا فی اللہ کا مُقام حاصل کرلیتا ہے۔ جس سے اُس کے مقصُود اور نصبُ العَین کی تکمیل ہوجاتی ہے۔

آنکہ نجویٰ گفت پیغمبر بحَشر
ہم اَزاں نجویٰ ست اینجا یک اَثر

حضُور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے جس نجویٰ (سرگوشی) کا حشر میں ذِکر فرمایا ہے۔ سالک کو اپنی زندگی میں اُسی مقام پر قبل اَز موت حاصل ہوتی ہے۔

بعد ازاں آں مسئلہ از واحدُ الوجُود[۲]
حل شَود از فضلِ حَق گردد شہُود

اِس کے بعد وحدۃُ الوجُود کا مسئلہ حل ہوجاتا ہے۔ جب سالک کو [۱] ـــــ وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ۙ وَفِیْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ کے ذریعہ اپنی اور مخلوق کی تخلیق اور خالقِ کائنات کا عَینی مشاہدہ ہوجاتا ہے کہ کائناتِ خلقت کس طرح اُس خالقِ کُل کی جُز سے نمُودار ہوئی۔ تو وہ جان لیتا ہے کہ یہ تمام کائنات ایک نورِ ابتدائی سے عِلّت ومَعلُول کی صورت میں منازل

---

[۱] پارہ ۲۶، سُورہ ۵۱، آیت ۲۰

[۲] وحدۃ الوجود کی شرح کے لیئے دیکھئے مضمون "نور العرفان" ص۲۶

درمنازل وجود میں آئی اور مخلوق (غیر اللہ) کی صورت میں ظہور پذیر ہوئی۔ مگر حقیقتاً وہ نورِ ابتدائی اُس ذاتِ لامحدود کے نور کا ایک جزو ہے۔ اِس لئے وہ ذاتِ حق ہی ہے جس کے نور سے ہر شئے مخلوق ہے۔ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحَانَهٗ ط بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط اور کہتے ہیں وہ لوگ کہ اللہ کے بیٹے بیٹیاں ہیں۔ وہ پاک ہے جننے سے لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ۔ بلکہ یہ سب کیفیتیں بغیر جننے کے پیدا ہوئیں۔ ہاں! جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے سب اُسی (کے نور) سے ہے۔ اور اُسی میں صراطِ مستقیم ہے۔ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۙ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ۔ اور آپؐ البتہ لاتے ہیں لوگوں کو صراطِ مستقیم کی طرف (صراطِ مستقیم کیا ہے؟) اللہ کا راستہ (اللہ کا راستہ کیا ہے؟) وُہی جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ یہ سب اُسی کے نور سے بنا ہے۔ خبردار ہو جاؤ سب کام اللہ کی طرف پھیرے جاتے ہیں۔ (پارہ ۲۵، سورہ شوریٰ، آیت ۵۲-۵۳)

آں خلاف از قلم کس کہ شد پدید
ظاہر گردد کل حقیقت چوں بدید

اِس وقت میری تحریر میں جو اسرار پوشیدہ رکھے گئے ہیں۔ یہ تمام حقیقتیں سالک پر بروقتِ مشاہدہ خود بخود عیاں ہو جائیں گی۔

جملہ تاویلات، علامت بے وصول
چوں رسد با اصل شد عین الوصول

یہ تمام تاویلات اور علامتیں بغیر فنا و مشاہدہ بے نتیجہ ہیں۔ جب انسان اصل سے واصل ہُوا۔ تو پھر عینی کیفیت قبول کرنے میں کونسی شے مانع ہے۔!

چُوں اصل نہ دید تاویلات شُد
چُوں بہ اصل آید یقینِ عین شُد

جب تک انسان شعوری وقلبی مُشاہدہ اِن کیفیات و منازل کا نہ کرے۔ اِس کے لیئے یہ واقعات محض ایک قصہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ کیفیتیں مُبالغہ تصوّر کی جائیں گی۔ لیکن جب ایک ولیِ اکمل کی راہنمائی میں اِنسان حقیقت کی طرف یقین کے ساتھ رجُوع کرے۔ تو یقینی طور پر اُس کے عینُ الیقین میں آجائیں گی۔

فَنَا فِی الله

دو طریقہ داں فَنَا فِی اللہ را
بشنو تفصیل ہر یکے را ماجرا

اَب فنا فی اللہ کی کیفیت بیان کی جاتی ہے۔ کہ فنا فی اللہ دو طرح سے ہے۔ اور دونوں کی کیفیت تفصیل کے ساتھ بیان کی جاتی ہے۔

اوّل ہمہ اُوست نزدِ صُوفیا
از برائے حل شُدن مسئلہ فنا

فنا کی اوّل کیفیت طریقِ ہمہ اُوست سے ہے۔ صُوفیا کے نزدیک مسئلہ فنا اِسی طریق سے ثابت ہے۔

دویم ہمہ در اوست از اصلِ فقر
اندر اصطلاحِ صوفیا کلمہ مقرّ

دوسرا طریق ہمہ دَر اُوست کا ہے۔ جو کہ اصل فقر ہے۔

معنی ہمہ اُوست ایں کہ کُل جہاں
عدم ہست ہر جا وجُود اُو عیاں

ہمہ اُوست کے معنی یہ ہیں کہ تمام جہان عدم کی حیثیت رکھتا ہے۔ یعنی بظاہر جو وجُود غیر اللہ نظر آتا ہے۔ دَر اصل یہ تمام وجُود بھی اُسی ذات کے وُجُود میں شمار ہے۔

یعنی ہر ذرّہ و ہر چیز ہر اشیاء
گشتہ فانی در وجُود اللہ بقا
پس نظر آید بہ ہر جا جلوہ اُو
اندر ہر اجزائے عالم حسنِ اُو

پس ہر جگہ ہر شے میں اُسی کا جلوہ نظر آتا ہے۔ اور اِس عالم کی ہر چیز میں اُسی کا نورُ مشاہدہ میں آتا ہے۔ لیکن ہمہ اُوست کے اِس تصوّر و فکر میں ذاتِ الٰہی کی اصل کو ملحُوظ رکھنا ضروری ہے اور پھر کائناتِ عالم کی اِبتدائی تخلیق میں اِس کی تخلیقی ترکیب کا اندازہ کرنا بھی ضروری ہے۔ کہ جب ہمہ اُوست کے تصوّر میں یہ کہا جائے۔ کہ ہر جگہ ہر شے میں اُسی کا جلوہ نظر آتا ہے کوئی شے حقیقتاً غیر اللہ نہیں بلکہ وہ خودُ ہے۔ ! ایسی حالت میں مخلوق اللہ سے تعبیر نہیں دی جائے گی۔ اِس لئے ضروری ہے کہ اَوّل جس ذات کو بحث میں لایا جائے۔ اگر مُشاہدہ نہیں

تو پھر بھی اُس کی اصل کو ضرور اُس کی اُحدیت اور لامحدُودیت کے ساتھ بحث میں لایا جائے۔ اِس لیئے ہمہ اُوست کے تصوُّر کی اِبتداء اَزل سے اور احدو لامحدُودحیثیت سے کی جائے۔ تو یہ طریق بُنیادی ہوگا۔ جس سے ظاہر ہوگا کہ جب وہ ذات خودموجود تھی تو اُس وقت وہ ہمہ اُوست تھی اور جب مخلوق پیدا ہوئی تو اُس کی ابتداء اور اُس کا وجود کہاں سے اور کس طرح ظاہر ہُوا؟ اس لیئے ضروری ہے۔ کہ ذاتِ باری تعالیٰ کے اَزلی نور سے تصوُّر و فکر کی اِبتداء کی جائے۔

هُوَ الْاَوَّلُ ۔ هُوَ الْاٰخِرُ۔ وہی ذات ہے جس کا وجود اوّل وازل سے مُستقل تھا اور وہ اللہ تھا کہ اُس کی نہ ابتدا ہے۔ نہ اِنتہا۔ اُس کی ابتدا و انتہا کا کوئی متعین تصوُّر انسانی ذہن میں قائم نہیں ہوسکتا۔ اِس لیئے اُس کی ابتدا و انتہا حیران کُن ہے۔ اُس کی حیران کن حیرت میں ڈالنے والی ہستی۔ کہ وہ کب سے تھا اور کب تک رہے گا؟ اوّل و آخر کے تعین سے بھی پاک ہے۔ مگر جب ہم مخلوق کا تصوّر کرتے ہیں۔ تو ہمارے ذہن میں یہ کیفیت آتی ہے کہ وہ مخلُوق سے اوّل بھی اَحَدٌ تھا اور مخلوقِ فانی کے بعد بھی اَحَدٌ ہی رہے گا۔ تو اُس کی احدیت میں نہ اوّل میں فرق تھا۔ نہ درمیانی دَور (مخلوق) میں فرق ہے۔ لہذا اس کی آخر بھی بلا تعین اَحَدٌ ہی رہے گی۔ تو ہمارے ذہن میں اُس کی اُحدیت کا یہ تصوّر ہوگا کہ اَحَدٌ ہونے کی حیثیت میں ازلی اَبدی نُور لامحدود ہے۔ اور اُس کی ذات میں کسی مخلوق ہونے سے فرق پیدا نہیں ہوسکتا۔ لہذا کسی غیر اللہ مخلوق کے ظہور کے لِئے سوائے ذاتِ الٰہی کے کوئی تخلیقی مواد باہر سے نہیں پایا جاسکتا۔ اور جب کہ اُس کی ذات سے کوئی مقام خالی نہیں تو کسی غیر اللہ مخلوق کے ظہور کے لِئے کوئی مقام ایسا نہیں پایا جاسکتا۔

جہاں وہ ذات نہ ہو اور مخلوق ماسویٰ ذات کے لیئے خالی مقام میسر ہو۔ اب اگر ایک غیر اللہ مخلوق کے لیئے نہ کوئی ذریعہ اور مواد ہی فراہم ہوسکتا ہے اور نہ کوئی مقام ہی اُس کے قرار کیلئے میسر ہے۔ تو مخلوق کا وجود کہاں اور کیسے ظہور میں آیا۔؟ سو اِس کا ذریعہ سوائے اِس کے اور کچھ نہیں کہ ذاتِ الٰہی سے ہی مخلوق کا وُجود لیا جائے اور اِس کا وجود جب ذاتِ الٰہی سے ہی لیا گیا۔ تو اِس وجود کے لیئے اب کسی خاص مقام کی ضرورت بھی باقی نہیں رہتی۔ جہاں اِس کے لیئے کوئی علیحدہ مقام متعین کیا جائے۔

یہ بات ضرور ہے کہ اللہ کی ذات اَحد و لا محدُود ہے۔ ایک طرف اُس کی تخلیق بھی لاَ محدُود ہو۔ اور دُوسری طرف باِعتبارِ ذات نہ فانی ہو۔ نہ محدُود۔ لیکن۔ یہ بات ظاہر ہے۔ کہ خودُ اللہ کی ذات اَحد ہے۔ اور مخلوق محدُود و فانی ہے اور غیر اللہ۔ جب اللہ کی ذات سے ماسویٰ کسی غیر اللہ مخلوق کا وجود پا یا گیا تو اللہ کی احدیّت میں فرق ہوگا۔ اِس لیئے فکر اِس حال میں کرنا ہے۔ کہ اللہ کی ذات کی احدیّت قائم و باقی رہے۔ اور مخلوقِ فانی کا وجُود بھی غیر اللہ میں شمار ہو ۔ سو اِس کی صُورت یہ ہے اُس نے اپنے ہی نورِ احد سے ایک مخلوق پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو اِس کے لیئے اللہ تعالےٰ نے اپنے نوُر سے ایک جُز کو مخلوق کے لیئے بنایا۔ گویا اُس کی تخلیق کے ارادے میں پہلے مخلوق کا ظہُور نہیں۔ بلکہ اپنے نوُر سے ایک نوُری جُز کو مخلوق کرتا ہے تاکہ مخلوق کا وجُود بھی قائم رہے۔ اور اُس کی احدیّت بھی قائم رہے۔ سو اِس جُز کی حیثیت نوُرِ باری تعالےٰ میں ایک مُرکز یا نُقطہ کی سی ہے۔ کہ نقطہ بھی اُسی کا نوُر اور خود اَحَدٌ بیروں سے لامحدُود۔ یا جُز تخلیقی اِعتبار سے غیر اللہ مگر وجُودی اِعتبار سے نورِ الٰہی۔! یہ نوُر مخلوق بھی ہے غیر اللہ بھی ہے کہ محدود ہے اور فانی بھی ہے۔ کہ

اللہ تعالیٰ پھر اِس کی مخلوقیت اور جزوی ہستی مٹا کر ذات میں یک جز کرے۔ اِس طرح نہ اُس کی اَحدیت میں فرق ہو گا۔ اور ھُوَ الْاَوَّلُ بھی ہو گا۔ ھُوَ الْاٰخِرُ بھی ہو گا۔ یعنی پہلا وجود ذاتِ باری وہ خود اَحَدٌ ہے۔ اور آخر یعنی دُوسرا بھی وہ خود ہی ہے۔ مگر دُوسرے میں فرق مخلوق کا ہے۔! لہٰذا نہ اُس کی اَحدیت میں فرق ہُوا نہ اُس کی لامحدُودیت میں فرق آیا۔ اور مخلوق کا وجود بھی ظاہر ہو گیا۔ اب جو مخلوق اللہ کے ارادہ ازلی میں ہے۔ وہ اُسی نورِ ازلی وابتدائی سے مخلوق۔ غیر اللہ اور فانی بنے گی۔ مگر مقامِ اوّل پر نورِ ابتدائی نورِ الٰہی کی جُز سے ہے۔! اِس لیئے ہر وجود میں بُنیادی وجود نورِ الٰہی ہی ثابت ہے۔ اِسی طرح جب ہر مخلوق۔ مخلوقِ اوّل سے بنی تو اُس کے لیئے غیر اللہ۔ محدود۔ اور فانی ہونا لازم ہے۔

یہی طریق ہمہ اُوست کا ہے۔ کہ

پس نظر آید بہ ہر جا جلوہ اُو
اندر ہر اجزائے عالم حُسنِ اُو

کہ مخلوق اپنی جُزوی ہیئت میں اگرچہ غیر اللہ ہے لیکن اِس کا بنیادی وجود ذاتِ الٰہی کا نور ہے۔ اب اندازہ کرنا ہے کہ مخلوق کی فنا کیسے ہوتی ہے۔؟ سو اِس کی فنا سے مُراد یہ ہے۔ کہ مخلوق کی بقا کو قائم کرنا۔ گویا فنا کی اَصل۔ اور اُس کا نتیجہ۔ بقا سے ہی ہے۔ بقا سے مراد اپنی اصل کی طرف لوٹانا۔ جیسے مخلوق کا وجود۔ خالق سے ظاہر ہُوا۔ اب پھر اُسے محو کرنا۔ تو یہ محویت اِسی صورت میں ہو سکتی ہے۔ کہ مخلوق کو اصل کی طرف لوٹا کر اَصل میں یکجان یا یک جز۔ کرنا۔ یا مخلوق کو اِس حالت میں تصوّر میں لانا۔ کہ اِس کی مخلوقی ہیئت مٹا کر اِس کی اصل پر نظر ڈالنا۔

ذاتِ الٰہی خود بقا ہے۔ اور مخلوق طالب فنا۔ سو مخلوق کی تخلیق اِس اَمر کی شاہد ہے۔ کہ اسے فنا کی صورت میں پیدا کیا جائے تاکہ پھر بقا کی طرف لایا جائے پس مخلوق و خالق کی کیفیت میں ایک اِرادہ اور منصوبہ قائم ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے اِرادہ میں ہے۔ کہ وہ مخلوق پیدا کرے۔ جس کے لیئے اللہ تعالیٰ نے مخلوق سے قبل اِرادہ کیا۔ کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً۔ یہی تصور اِرادۂ اَزلی میں وجہِ تخلیقِ کائنات ہے۔ کہ اِسی کیفیت سے فنا و بقا کی تکمیل کی جائے گی۔ سو اِسی اِرادہ کو پُورا کرنے کے لیئے اللہ تعالےٰ نے اپنے نُور سے ایک نورِ ابتدائی کی تخلیق کی۔ اور اِسی نورُ سے منازل در منازل مَراحل در مَراحل کیفیاتِ نوری۔ مرکز در مرکز پیدا کیں۔ یہاں تک کہ عَرش نمودار ہُوا۔ کرسی نمودار ہوئی۔ اور کرسی سے سات آسمانوں کا وجود ہُوا۔ ہر مقام طبقٌ عَن طبق بنے۔ اِسی طرح عَرش۔ کُرسی۔ آسمان طبقٌ عَن طبق وجُود میں آئے۔ اور آخری مقام آسمانِ اوّل کا ہُوا۔ اِسی آسمان میں۔ بے شمار سُورج چاند۔ ستارے بنے اور زمین بھی اِسی آسمان کی جُز ایک سیّارے کی حیثیت سے مرکز میں بنی۔ چُنانچہ قرآن اِس تخلیق کی نشاندہی کرتا ہے۔

اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ۔ کیا یہ کافر نہیں دیکھتے کہ یہ آسمان اور زمین ملے ہُوئے تھے۔ پس ہم نے اِنہیں جُدا جُدا کر دیا۔ اور زمین کی کیفیت نوری ہیئت میں سے ناری ہیئت میں آگئی۔ اور اِس ناری ہیئت میں ہم نے پانی سے آثارِ حیات (یعنی ہیئتِ جسمانی) پیدا کیئے۔ یہ مخلوق کی آخری ترکیب ہے۔ جس میں اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کا ارادہ پُورا کرنا ہے۔ سو اِس تمام مخلوق کی ترکیب میں۔

ہمہ اُوست کا تصوّر صاف ظاہر ہے۔ کہ زمین سے لے کر نورِ ابتدائی تک فنا و بقا کے نظام میں جب ہر معلول کو اُس کی علّت کی طرف لوٹایا جائے تو یہ فنا بسلسلہ وار ابتدائی مخلوق نورِ اوّل پر قرار پکڑے گی۔ اور پھر ہر کیفیتِ مخلوق اِسی مخلوق نور میں گم ہو جائے گی۔ اور یہ مخلوق نورِ اوّل اپنے منبعِ حقیقی میں گم ہو کر اپنی اصلی بقا کو حاصل کرے گی۔ اِس لیئے اِس تصوّر میں جب ہم ابتدار سے تصوّر کو شروع کریں تو ہمیں نورِ لامحدود کا وجود۔ نورِ اوّل میں محسوس ہو گا۔ اور جب ہم اِس کی فنا کا تصوّر کریں گے تو ہمیں اِس نور میں نورِ الٰہی کا مشاہدہ ہو گا۔ اور جب مخلوقی اعتبار سے مخلوق کا تصوّر کریں گے تو ہمیں ہر شے کی بُنیاد میں نورِ اوّل ہی مُشاہدے میں آئے گا۔ اِس طرح ہمارے عرفان کی تکمیل ہو گی۔ کہ ہم ہر شے میں ایک ہی نورِ اوّل مخلوق کو پہچانیں گے۔ تو اُسے مُحَمَّدؐ سے موسوم کیا جائے گا۔ یعنی پہچانا گیا۔ (ہر مخلوق میں) ہر مخلوق سے تصوّر کریں گے۔ اور جب محمّد (نورِ اوّل) کا عرفان کریں گے تو اُس میں ذاتِ الٰہی کا عرفان (پہچانا گیا) حاصل ہو گا۔ کیونکہ خالق نے مخلوق کی یہی ترکیب بنائی ہے۔

لہ یہ حقیقت ہے۔ کہ کائنات کی تخلیق اگر براہِ راست اللہ کے نور سے تصوّر کی جائے تو اصولِ فطرت کے تحت ہر شے اللہ کے تصوّر میں پہچانی جائے گی جس میں مخلوق کا تصوّر قائم نہ ہو سکے گا۔ لہذا اُصولِ تخلیق کے تحت جب تک ذاتِ الٰہی سے ایک مخلوق نور مخصوص نہ ہو مخلوق کا وجود۔ مخلوقی حیثیت میں قائم نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ قول ہے۔ لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْأَفْلَاكَ۔ لہذا ضروری ہُوا کہ مخلوق کی ہیئتِ مخلوقی کے لیئے۔ ایک نور۔ ذاتِ الٰہی سے۔ مخصوص کیا جائے۔ جس سے کُل کائناتِ خلقت کا مخلوقی وجود۔ تخلیق ہو۔ اور یہی نور ہر مخلوقی وجود کا بُنیادی وجود ہو

اور اس کے مشاہدہ وعرفان اور اصل کی یہی کیفیت ہے۔ کہ ہر شے میں ذاتِ الٰہی کا وجود ہی اصل وجود ہے۔ مگر تخلیقی اعتبار سے ہر شے لَولَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ ۔ کہ نورِ محمدیؐ کی شکل میں بنا کر مخلوق ہیئت وجود میں لائی گئی۔ لہٰذا مخلوق کے لیے اگر ابتدا میں نورِ محمدیؐ نہ بنایا جاتا۔ تو مخلوق کا مخلوقی ہیئت وحیثیت میں بننا ممکن نہ تھا۔

معنی ہمہ درست اینکہ کُل جہاں
عدم گشتہ در وجُود اللہ نہاں
یعنی ایں ہمہ عالم شُد محواہ فنا
در وجُودِ ذاتِ اُو دائم لقا

یعنی اس کے مشاہدے میں تمام مخلوق اس نور میں لوٹ کر ایک ہی کُل اور لقا کی ہیئت میں محسوس ہوتی ہے۔ کیوں کہ ہر شے کا وجود۔ ہیئت۔ تمثیل سب اسی کے نور سے پیدا ہوئی ہے۔ جب کہ ان کیفیتوں کے لیے کہیں اور سے کوئی مواد حاصل نہیں۔

حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ:

تو ہر مخلوقی وجود کی پہچان میں نورِ اوّل کے وجود کو پہچانا جائے گا۔ اسی نور کی پہچان کو۔ "پہچانا گیا"۔ "محمد" سے تعبیر دیا گیا۔ اگر یہ نور مخلوق (افلاک) کے لیے ابتدا میں مخلوق نہ کیا جائے تو مخلوق کا مخلوقی ہیئت میں، خلق ہونا ممکن نہیں۔

ف۱ اگر پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ اوّل کو مخلوقی حیثیت میں نہ بنایا جاتا تو کائنات کا مخلوقی حیثیت میں تخلیق ہونا ممکن نہ تھا۔

اوّل آخر ظاہر باطن اُوست دُاں
غیر اللہ با بقاءُ اُو عدم داں

نصِ قُرآن ہے۔کھلی دلیل کے ساتھ کہ وہ اوّل احد تھا۔آخر بھی احد ہے۔ ظاہر میں جو کچھ ہے۔ اُحد ہے۔باطن میں جو کچھ ہے اُحد ہے۔کیونکہ اُحد سے مُراد جس کے مُقابل کسی کیفیت کا وُجُود پایا نہیں جا سکتا۔اِس لیئے غیر اللہ کو بقاء کی حالت میں عدم قرار دیا جاتا ہے۔

پس بفہم آید کہ ہمہ دُرُ وست ایں
چوں بفضلِ اللہ رسید حق الیقیں

پس آخر میں یہی کیفیت سمجھ میں آتی ہے۔کہ اگر حق کو دیکھا جائے۔تو ہمہ اُوست ہمہ دَر اُوست کی ترکیب میں حق الیقین کے ساتھ تسلیم کرنا ضروری ہے۔ ایسی کیفیت کو عقل بھی تسلیم کرنے پر آمادہ ہے۔اِس لیئے ہمہ اُوست اور ہمہ دَر اُوست کی ترکیب کو عقلی طور پر ایک تمثیلی خاکہ میں ظاہر کیا جاتا ہے۔جس میں منازِلِ فقر کی منازل کو از اول تا آخر ہمہ اُوست و ہمہ دَر اُوست کی ترکیب میں پیش کیا جاتا ہے۔ملاحظہ ہو لف (خاکہ) صفحہ نمبر (۱۶۱) پر

دَر نتیجہ ہر دُو معنے یک شُدند
گرچہ اَز اَلفاظ ظاہر دُو بودند

نتیجہ میں (منازِلِ فقر کا ماحصل) ہمہ اُوست۔ ہمہ دَر اُوست ایک ہی کیفیت۔طریقِ عرفان و بقائے الہٰی ہے۔صرف اَلفاظ میں دُو کیفیتیں (دُو تصوّرات) محسوس ہوتی ہیں۔

اَوّل یہ کہ حصُولِ مقصُود میں۔عرفان کے لئے۔ایمان بالغیب کے ساتھ اللہ

کا وجود تسلیم کرنا۔ یہ توحید ہے۔ کہ وہ اَحد ہے۔ لاشریک ہے۔ اُس کے سوا کوئی غیر کیفیت موجود و باقی نہیں ہو سکتی۔ اور یہ مخلوق کسی غیر سے نہیں۔ بلکہ اُسی کے نور سے اَحسنِ تقویم کے ساتھ مخلوق ہوئی۔ یہ ہمہ اوست ہے۔

دوسرا تصور۔ اِس کی تحقیق و تلاش اور حصولِ قرب کی جو راہ ہے۔ وہ ـــــــ وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ ط اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ٥ ـــــــ اور زمین کی پیدائش میں اللہ کی خالقیت کے آثار نمایاں ہیں۔ اور تمہارے مرکبِ جسمانی میں بھی بے شمار نشاناتِ خالقیت ہیں۔ تم اِن پر ایک معبود کو پہچاننے کے لئے فکر کرو۔

سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَنْظُرُوْا کَیْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ پس پھرو زمین پر اور تحقیق و تجسّس کرو۔ آیاتِ سمٰوٰت و الارض میں کہ اللہ نے اِس مخلوق کی اِبتداء کس طرح کی ہے تو تمہیں اِس زمین کی اشیاء۔ اور اپنے مرکبِ انسانی میں اِس کا پتہ مل جائے گا۔ تم اپنی آنکھوں سے دیکھو۔ عقل سے تحقیق کرو۔ یہاں تک کہ تمہاری تحقیق آسمانوں تک پہنچے۔ تو آسمانوں کی تخلیق پر بھی فکر کرو۔ تم میں عقل سے ماسویٰ۔ قلب۔ شعور (ذہن) اور روحِ رحمانی موجود ہیں۔ یہ تمہیں مخلوق کی ابتداء کا علم حاصل کرنے میں مجھ تک پہنچائیں گی۔ کہ ایک خالق نے کس طرح مخلوق کو پیدا کیا۔ اور تم اپنے نفس سے (صرف ایمان بالغیب کے ساتھ کہ اللہ ہے۔!) تحقیق شروع کرو تو تمہیں میرے تمام اسرار سے بالمشاہدہ آگاہی حاصل ہو گی۔ یہی کیفیت "عرفان" سے تعبیر ہو گی۔ یہی طریقِ تجسّس اور مشاہدۂ ہمہ اوست۔ ہمہ دہلیزست سے تعبیر ہے کہ سالک اپنی اِبتداء میں اپنے نفس سے فکر کی ابتداء کرتا

ہے۔ اور رُوحانی طور - عالمِ ناسُوت - عالمِ مَلکُوت - عالمِ جبرُوت - عالمِ لاہُوت میں منازلِ فقر کو طے کرتا ہے۔ اور بالآخر وہ آخر مقام اِنَّ اللهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ کی حقیقت کو بیرون پاتا ہے - ہر کیفیت اَندرُون ذاتِ باری جس طریق سے بنائی گئی ہے اُسے ہمہ دَر اُوست سے تعبیر دیا جاتا ہے جو کہ ہمہ اُوست ہے۔

فَنَاءِ نفسی

چیست معنیٰ فَنَاء نزدِ وَلی
محو شُدن صفتِ اُو جلی خفی

صاحبِ علم و عرفان وَلی کے نزدیک فنا کی کیفیت و ترکیب کیا ہے؟
یعنی مِٹ جانا جسمانی روحانی صفتِ انسانی کا۔

یعنی ہمہ اُوصاف کہ دَارد بشر
محو شدہ - ظاہر آید چوُں حشر

یعنی اِنسان جو کہ بشری خاصیت رکھتا ہے۔ اپنی اِن صفاتِ بشری کو مٹا کر اِس طرح ہو جائے کہ اِس میں مخلوق آثار باقی نہ رہیں۔

کردہ ہمہ اُوصافِ بشری رَا فنا
اَز اوصافِ ذاتِ حق با حق پناہ

یعنی کہ اپنی بشری خاصیت کو اِس قدر تحلیل و مُزکّی کرلے۔ کہ اُس بشری جسم کی ہر کیفیت لطیف ہو کر یکسر رُوح ہو جائے۔ اور یہی کیفیت لطیف ہو کر ذاتِ الٰہی میں جذب ہو جائے۔ لیکن یہ مقام بہت اعلےٰ و اَرفع ہے۔ اِس مقام پر

بُشر نہیں پہنچ سکتا۔ یہ مقام سوائے حضور محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی نبی۔ کسی اِنسان کو حاصل نہیں کہ آپؐ کے مقام کی تابہ اللہ تعالیٰ خود کرتا ہے۔
ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰیۙ فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی ○ پھر یہ بُشر۔ یہ نبی۔ یہ رسول اپنی جسمانی ہیئتِ نورانی کے ساتھ مجھ میں فنا ہوگیا۔ ایسی کیفیت "محو شدن صفتِ اُو جلی خفی" کی ہے کہ رُوح اور جسم دونوں نور ہو کر ذاتِ الٰہی میں سما کر اپنی مخلوقی ہیئت عدم کر ڈالیں۔ (ص۱ پارہ ۲۷، سورہ نجم، آیت ۸-۹)

البتہ۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک جسم اور ایک رُوح عطا کی ہے انسان اگر جسم کی فنا حاصل نہیں کر سکتا۔ تو بھی اُسے رُوح کے ذریعہ فنا حاصل کرنی ہے۔ اور یہ رُوحِ رحمانی اِسی فنا کو پانے کے لیئے اِنسان کو عطا کی گئی ہے۔ یہ رُوح۔! وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ۔ یعنی اللہ کے نور سے ہے۔ اِس لیئے اِس نور کو اِس کے منبعِ حقیقی تک پہنچانا۔ فنا کہلاتا ہے۔ سو انسان جب صراطِ اللہ کی منزلوں میں راہ رَوی کرتا ہے۔ تو اُس کی رُوح ہر منزل و مقام سے گزرتی ہے۔ یہاں تک کہ ذاتِ الٰہی کے نور کے قریب ہو کر (یہی رُوح) ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی کا مقام حاصل کرتی ہے۔ یہی کیفیت فناءِ نفسی سے تعبیر ہے۔

جاننا چاہیئے۔ کہ فنا کا تعلق مخلوق سے ہوتا ہے۔ فنا سے مراد ایک ہیئت سے اِنتقال کر کے دُوسری ہیئت میں تبدیل ہو کر پہلی ہیئت گُم کر دینا ہے۔ جیسے انسان اپنی ایک جسمانی ہیئت پاتا ہے۔ زمین میں دفن ہو کر اُس کی خاصیتیں اجزائے زمین میں جذب ہو کر وُہی ہیئت پاتی ہیں۔ جن میں یہ جذب ہو جاتی ہیں۔ آخر انسان محو ہو کر اپنی ہیئتِ جسمانی کھو بیٹھتا ہے۔ مگر چونکہ اجزائے زمینی باقی رہتے ہیں۔

اِس لِئے اِنہیں اَجزاء میں اُس کا وُجُود بھی باقی رہتا ہے۔ یہاں انسان کا نام اور جسم مِٹ جاتا ہے۔ لیکن اَجزائے زمینی میں اِنتقال کے بعد اُس کا وُجُود بھی باقی رہتا ہے۔ یہی کیفیت ہر وُجُود میں پائی جاتی ہے۔ کہ جب تک اِس میں مخلوقی اور معلُولی کیفیت پائی جائے۔ وہ ایک وقت کسی دُوسری ہَیئت میں انتقال کرنے پر فِطری طور پر مجبُور ہے۔ اور ہر فانی کیفیت اپنے سے قوی کیفیت میں جو اُس کی ابتدائی عِلّت وسَبَب ہو۔ جذب و فنا حاصل کرتی ہے۔ چونکہ زمین ہر مخلوق سے قوی اور اُن کی عِلّت ہے۔ اس لِئے ہر جسم اِسی زمین میں جذب ہو کر اپنی ہَیئت تبدیل کرتا ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ مخلوق میں ہر وجُود خود مُستقِل ہَیئت نہیں رکھتا۔ بلکہ اُس کا وُجُود کسی عِلّت وسَبَب سے پیدا ہوتا ہے۔ بغیر اِس ترکیب کے کوئی شَے خواہ وہ اِدراک میں آنے والی ہو۔ یا ماوراءِ اِدراک ہو۔ خواہ وہ جسمانی ہو یا رُوحانی ہر مخلُوق کی ایک عِلّت وسَبَب ضرور ہے۔ چنانچہ ہَمَہ اُوست اور ہَمَہ ازاُوست کے بیان میں اِس عِلّت ومعلُول کی ترکیب وَاضح طور پر ظاہر کی گئی ہے کہ اللہ تعالےٰ خود قَوِیٌّ عَظِیۡمٌ ہے۔ اِس سے بڑھ کر کوئی کیفیت قوی نہیں۔ لہٰذا وہ اپنی وُسعت کے اعتبار سے مُستقِل ہے۔ اور ہر مخلوق اِسی عِلّت کی معلُول (بطریقِ ہَمَہ اُوست) ہے۔ یہاں تک کہ اَرض اور اُس کی پَیدائش آخری (انسان) بھی اِسی کی مخلُوق ومعلُول ہے۔ سو ہر مخلُوق کی فنا عِلّت ومعلُول کی ترتیب کے ساتھ اُس کی عِلّتِ لامحدُود میں ہوگی۔ جس کے لِئے ہر کیفیت کے ساتھ مَوت مقرر کی گئی ہے۔ کُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَةُ الۡمَوۡتِ۔ ہر جان دار نے مَوت کو پانا ہے۔ یہی موت ایک معلُول کی ہَیئت تبدیل کر کے اِسے اِس کی عِلّت میں تبدیل کر دیتی ہے۔ اِسی اِنتقالِ ہَیئت کی نسبت سے

موت کو فنا سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ اور ہر مخلوق فانی کہلاتی ہے۔ چونکہ اِس فنا کا تعلق زیادہ تر انسان سے محسوس کیا جاتا ہے اِس لئے اِنسانی فنا میں باقی مخلوق کے مقابلہ میں ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ انسان نے خلیفہ کی حیثیت سے اپنے ارادے کے ساتھ فنا حاصل کرنی ہے۔ اِس فنا کی کیفیت کیا ہے۔؟ وہ کیفیت اِنسان کی ذاتی حیثیت سے ظاہر ہوتی ہے۔ سب سے اوّل وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ط کہ انسان خلیفہ کی حیثیت سے پیدا ہوگا۔ اور خَلِیْفَة کی صفت کیا ہے؟

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ہ مِنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ہ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ جب کہا تمہارے رب نے ملائکہ سے کہ مَیں ایک بشر کی تخلیق کرنے والا ہوں تو اللہ تعالےٰ نے لیس دار گارے سے ایک انسان کو مکمّل کر لیا۔ یہ انسان ہر مخلوقِ ارضی میں حیوان (حرکت والا) بنا۔ لیکن عام مخلوق میں اُسے اعلیٰ مقام دیا۔ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ۔ اُسے سنوارا۔ یعنی قُلْ هُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَكُمْ وہی جس نے تم کو بنایا۔ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـٕدَةَ ط قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ہ اور بنائے تم میں کان اور آنکھیں اور دِل و دماغ۔ مگر بہت کم لوگ ہیں جو اِن اِنعاماتِ الٰہی کو صحیح طور پر اِستعمال کرکے شکرانِ نعمت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔! ویسے تو ہر حیوان میں بھی آنکھ۔ کان اور دل و دماغ ہے۔ لیکن آیت میں کان آنکھ اور دل و دماغ کا خصوصی ذِکر اِس اَمر کی شہادت ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اِن قویٰ کو سوجھ بوجھ کی صورت میں بنایا۔ کہ انسان اِن سے فکر و سعی میں اپنا جسمانی رُوحانی عروج پا سکے۔ اِس سوجھ بوجھ کے بعد انسان مکمل ہے۔

کہ وہ اپنی انسانی نشو و ارتقا میں اُونچا مقام حاصل کرے۔ لیکن اِس کیفیت سے خلیفہ کے وجُود کی تکمیل نہیں۔ جب تک انسان اپنی نفخ رُوح کو کام میں نہ لائے۔ تو رُوح کا کیا کام ہے ــــ ؟

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ۝ قَالَ یٰۤاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّاۤ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۙ وَ اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝ ۔

اور نفخ رُوح کے بعد ہم نے آدمؑ کو تمام اُسماءِ ارض و سموات اور اُسرارِ الٰہی سے آگاہ کیا یہ اِس لئے کہ میرے منصُوبہ میں خلیفہ کی یہی تعریف تھی۔ جو ملائکہ کے علم میں نہ تھا۔ کہ خلیفہ سے مُراد ایک جسمانی اور رُوحانی مرکب جو اپنی تسبیح و حمد میں ملائکہ سے بالاتر ہو گا۔ اور اُسے ملائکہ سے بالاتر علم دیا جائے گا۔ اِس لئے ملائکہ کے اعتراض میں خلیفہ کی دلیل پیش کرنے پر ہم نے ملائکہ و آدمؑ کا مقابلہ کرایا۔ اور ملائکہ سے کہا کہ تم نے کہا تھا۔ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ ط اچھا بتاؤ تمہیں تمہارے اُعمال کے نتیجہ میں کیا حاصل ہے ؟۔ اِس لئے مجھے اپنے اُسمار و اُحوال ہی کی خبر دو۔ کہ ملکوتُ السّمٰوٰت میں کیا کیا اُسرار پائے جاتے ہیں۔؟ مگر ملائکہ نے اِس علم میں عجز پیش کیا کہ ہم نہیں جانتے۔ سو اللہ تعالیٰ نے خلیفہ کی صفت کا اِظہار خلیفہ سے کرایا۔ کہ اُے آدمؑ تم تو خاکی ہو۔ اور زمین میں

رہتے ہو۔ تم ملائکہ کے احوال۔ ملائکہ کو بتا دو۔ فَلَمَّآ اَنْبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ جب آدمؑ نے ملائکہ کو اُن کے اسماء، احوال بتا دیئے۔ تو ملائکہ نے اُسے اپنے سے برتر تسلیم کیا۔ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۔ پس تمام ملائکہ نے آدمؑ کے علم و عمل کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔

یہ قوت علم و عمل آدم (انسان) کو رُوح سے ملی۔ کہ رُوح کا کام عرفان و مشاہدۂ الٰہی ہے۔ رُوح۔ رُوحی (اللہ کی رُوح) ہے۔ اِس لیئے اِس عرفان و مشاہدہ میں رُوح نے قرب و فنائے الٰہی حاصل کرتا ہے۔ یہی رُوحانی قُرب۔ فنا نفسی سے تعبیر ہے۔ کہ سالک اِس مقام میں اپنی رُوحِ رحمانی کو ذاتِ الٰہی میں فنا کر کے اپنی رُوحانی حیثیت کو گُم کر دیتا ہے۔ اِسی رُوحانی فنا سے انسان کے کردار کی بحیثیت خلیفہ ارض تکمیل ہو جاتی ہے۔ جس کے لیئے ہر انسان بشر کی حیثیت سے پیدا ہوتا ہے۔ اسے سوٹی کی خصوصیت حاصل ہوتی ہے۔ اور نفخِ رُوح سے اپنی خلافت کی تکمیل اَپنی موت سے پیشتر کرتا ہے۔ تاکہ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّ اَعْظَمَ اَجْرًا ط جو کچھ تم اپنی زندگی میں۔ شریعت کی تابعداری میں مراتب حاصل کرو۔ اور زائد عبادت سے مُشاہدہ اور اعلٰے مراتبِ عرفان حاصل کرو۔ تمہاری جسمانی موت کے بعد یہی کچھ تمہیں حاصل ہو گا۔ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ۔ اِس کا دار و مدار تمہارے عمل پر ہے۔ آسان طریق پر عمل کرو تو جنت کے حقدار ہو گے۔ یہ بھی معرفتِ الٰہی کا پہلا زینہ ہے۔ اور اِس سے زیادہ محنت تزکیہ۔ مجاہدہ۔ فاقہ۔ رات کا جاگنا۔ کرو تو انتہائی مراتبِ عرفان پاؤ گے۔ اور جس نے اِن مراتب کے ساتھ مُشاہدہ حاصل کیا اور

اپنے پائے ہوئے مراتب کا مشاہدہ بھی حاصل کیا۔ تو گویا اُس نے زندگی میں ہی حشر کو پا لیا۔ وہ اپنے مراتب پر علیٰ حالہٖ قائم رہے گا۔ ہاں۔ مقصود تو عرفان و معرفت کا پانا ہے۔ اجب انسان پا گیا تو اُس کے لیئے زندگی اور حشر مساوی ہے۔ زندگی میں بھی وُہی مقام اور حشر میں بھی وُہی مقام۔ پھر وَ لَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا اللہ کسی سے نا انصافی نہیں کرتا۔ کہ انسان اپنی محنت سے زندگی میں ہی اپنا انتہائی مقام پالے۔ تو مَیں اُسے اِس مقام کی راحت و عیش سے کسی طرح نیچے نہیں لاؤں گا۔ اِس لیئے ہر انسان پر فرض ہے۔ کہ وہ اپنے مقصود میں معرفتِ الٰہی کو اپنا نصبُ العین قرار دے۔ اور شریعت کی تابعداری کرے۔ اور تزکیہ مجاہدہ محنت و ریاضت سے کام لے کر اُونچا مقام و مرتبہ پالے۔ اور اگر کوئی چاہے کہ مجھے انتہائی مراتب و عرفانِ الٰہی حاصل ہوں تو اُسکے لیئے ایک پیرِ اکمل کی راہنمائی ضروری ہے۔ تاکہ طالب پیرِ اکمل کے علم و عمل اور روحانی مشاہدات کی راہنمائی میں پیرِ اکمل کے ہاتھ پر بیعت ہو کر اس صراطِ مستقیم پر چل کر معرفتِ الٰہی حاصل کرے۔

(وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى)

تفصیل خاکہ تمثیلی

گزشتہ، منازلِ فقر کے بیان میں ایک طالب کو سیر الی اللہ میں۔ زمین سے لے کر آسمان۔ اور آسمان سے لے کر بالاتر مقاماتِ نوری، تا نورِ اول (نورِ ابتدائی) اور نورِ ذاتِ الٰہی تک۔ جو کیفیات مشاہدہ میں آتی ہیں۔ ان آثار کی تفصیل "منازلِ فقر" کی صورت میں پیش کی گئی ——

اب ان منازلِ فقر کی منازل (کیفیاتِ نوری) کو ہر دو دست کی ترتیب کے ساتھ خاکوں کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے۔

خاکہ تمثیلی نمبر ۱

نوٹ : تفصیل صفحہ ۱۶۱ پر

تفصیل خاکہ تمثیلی

ہمہ اُوست وہمہ دُرُوست

خاکہ ع۱ خاکہ تمثیلی منازلِ فقر کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ ہر دائرہ ایک منزل ظاہر کرتا ہے۔ ع۱ دائرہ = یہ آسمانِ اوّل کا دائرہ ہے۔ آسمانِ اوّل میں نقطے اور چھوٹے گول دائرے۔ تمام سورج۔ چاند۔ سیارے واقع ہیں۔ آسمانِ اوّل اِن سیّاروں سے بھرا ہُوا ہے۔ اور زمین آسمانِ اوّل کے مرکز[ل] میں ہے۔ اِس طرح آسمانِ اوّل نے ہر جہت (دائیں بائیں۔ اُوپر نیچے) سے اِن تمام سیاروں کا اِحاطہ کیا ہے۔ اِسی طرح مرکزی حیثیت سے آسمانِ اوّل نے ہر جہت (طرف) سے زمین کو اپنے پیٹ میں سمایا ہے۔ جس طرح انار کے دانوں پر چھلکا اِحاطہ کئے ہے دائرہ ع۲ آسمانِ دوئم ہے اِس نے آسمانِ اوّل پر اِسی طرح احاطہ کیا ہے۔ جس طرح انڈے کی زردی پر سفیدی اور سفیدی پر چھلکا محیط ہے۔ دائرہ ع۳ آسمانِ سوئم ہے۔ جو آسمانِ دوئم پر محیط ہے۔ دائرہ ع۴ آسمانِ چہارم ہے۔ جو آسمانِ سوئم پر محیط ہے۔ دائرہ ع۵ آسمانِ پنجم کا ہے۔ جو آسمانِ چہارم پر محیط ہے۔ دائرہ ع۶ آسمانِ ششم کا ہے۔ جو آسمانِ پنجم پر محیط ہے۔ دائرہ ع۷ آسمانِ ہفتم کا ہے۔ اِس آسمان نے چھ آسمانوں پر اِحاطہ کیا ہے۔ یہ سات آسمان طبقٌ عَن طبقٍ ایک دوسرے پر ہر جہت سے اِحاطہ کئے ہوئے ہیں۔ سات آسمانوں کے اُوپر کرسی کا دائرہ ہے۔ جس نے سات آسمانوں کو اپنے پیٹ میں سمایا ہُوا ہے۔ جس کا اشارہ قرآن سے ظاہر ہے۔ وَسِعَ[۲]

ل مرکز میں ایک نقطہ رکھا گیا ہے۔ اِس نقطے کے گرد دو دائرے کرۂ آبی اور کرۂ ہوائی ظاہر کئے گئے ہیں۔
۲ اِس کرسی نے آسمانوں اور زمین کو اپنے اِحاطہ میں لیا ہُوا ہے۔

کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ کرسی کے بعد عرش کا دائرہ ہے۔ اِس نے کرسی پر اِحاطہ کیا ہے۔ عرش کے بعد ایک نوری مقام ہے جو عرش کو ہر جہت سے اِحاطہ کئے ہے اِسے لطیفۂ قلب کہتے ہیں۔ اِس نور کا رنگ سبز ہے۔ لطیفۂ قلب کے نوری مقام کے اُوپر ایک اور نوری مقام ہے جسے لطیفۂ سِرّ کہتے ہیں۔ اس نور کا رنگ سفید ہے۔ لطیفۂ سِرّ کے نوری مقام کے اُوپر ایک اور نوری مقام ہے جسے لطیفۂ رُوح سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ اِس کا رنگ سُرخ نیلگوں ہے۔ یعنی سُرخ نیلگوں رنگ کا نور۔ لطیفۂ رُوح کے اُوپر ایک نوری مقام آتا ہے۔ اِسے لطیفۂ نفس سے تعبیر دیا گیا ہے۔ اِس نور کا رنگ زرد سنہری ہے۔ لطیفۂ نفس کے اُوپر ایک سیاہ نوری مقام ہے۔ یہ نور انتہائی تاباں نور ہے۔ اِس نور کی سیاہی تمام اَنوار کی اِنتہائی قوت کی دلیل ہے۔ اِسی سیاہ رنگ کے باقی رنگ جز کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یعنی اصل نور کی اِنتہائی تابانی (روشنی) سیاہ رنگ کی ہوتی ہے باقی سُرخ نیلگوں۔ سبز۔ زرد سنہری اور سفید رنگ اِس رنگ کی کمتر درجہ کی حرارت اور روشنی ہوتی ہے۔ اسے لطیفۂ اَخفیٰ یا لطیفۂ محمّدی سے تعبیر دیا گیا ہے۔ اِن اَنوار کے اُوپر ایک منزل ہے جس میں بیسیوں قسم کے مراحل اور مختلف اَنوار و مقامات پائے جاتے ہیں۔ یہ مقام تمام مقامات پر ہر جہت سے اِحاطہ کئے ہوئے ہے اسے اصل الاُصول کہتے ہیں۔ اِن انوار سے آگے پانچ اور منزلیں ہیں جنہیں اظلال سے تعبیر دیا گیا ہے۔ یہ منازل بھی پہلی منزلوں پر ہر جہت سے اِحاطہ کئے ہیں۔ ان پانچ منزلوں سے آگے چھ منزلیں پائی جاتی ہیں۔ انہیں شیُوُن کہا جاتا ہے۔ اِس کے بعد ایک نوری مقام آتا ہے۔ یہاں پر سالک اَنوار کو دریا کی ہیئتوں میں محسوس کرتا ہے یہ دریا

نوری ہیں۔ پہلے ایک دریا عبور کرتا ہے۔ اس کے عجائبات و اسرار دیکھتا ہے۔ پھر دوسرا پھر تیسرا۔ اسی طرح سات دریا عبور کرتا ہے۔ اس کے بعد ایک وسیع نور ہے جس کی وسعت بے اندازہ ہے۔ اس نور کی رنگت کا اندازہ الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ یہ نور تمام ابتدائی منازل پر ہر جہت سے احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اسے دریائے رحمت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہی نور تمام منازل و انوار کا آخری نور ہے۔ اس کے بعد ذاتِ باری تعالیٰ کا نور ہر کیفیت و منزل پر بیروں ہر جہت سے احاطہ کئے ہے۔ اسی کیفیتِ احاطہ کو قرآن نے اِنَّ اللّٰہَ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ کے الفاظ میں بیان کیا ہے۔ پھر اس کی کسی جہت سے انتہا نہیں پائی جا سکتی۔ آخری دریائے رحمت اس نور کا مرکز ہے۔ گویا تمام کائناتِ خلقت ذاتِ باری کے نور میں مرکز کی حیثیت سے پائی جاتی ہے۔ اس لئے اس مخلوق کے پیدا ہونے سے ذاتِ باری کی کوئی حد پیدا نہیں ہوتی۔ اور اس کی لامحدودیت علیٰ حالہٖ باقی رہتی ہے۔ چونکہ وہ لامحدود ہے۔ اگر اس کی ذات سے مخلوق بنتی تو پھر مخلوق لامحدود ہوتی۔ لیکن مخلوق محدود ہے اور فانی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ارادہ ازلی میں اپنے نور سے اپنے مرکز میں دریائے رحمت کو کُن سے بنایا۔ یہ نور اس کی صفت میں شمار ہے۔ اسی نور سے ہر مخلوق کی تخلیق اسی طرح طبقً عن طبق (جس طرح دائروں کی صورت ہے) پیدا ہوئی اور آخر آسمانِ اوّل کے مرکز میں تمام سیارے اور مرکز میں زمین بنی۔ اسی لئے اس نور کے اعتبار سے یہ نور۔ نورِ ابتدائی۔ یا نورِ محمدی کہلاتا ہے۔ یہی نور تمام عالم کی علت ہے۔ اس لئے انہیں ؎

علتِ ایجادِ عالم ہم بقا مَنبعِ انوارِ عالم ہم صفا

کہا گیا ہے۔ اب اِس خاکہ سے ہمہ اُوست اور ہمہ ذرا ُوست کی ترکیب ظاہر ہوتی ہے۔ کہ جب ہم زمین سے لے کر آخری مقام دریائے رحمت کو ذاتِ باری کے نوُر میں سمایا ہُوا پاتے ہیں تو ہم اُسے اسی نورِ ابتدائی کی معلول مخلوق دیکھ کر کہتے ہیں کہ اللہ خود اُو پر نہیں الگ نہیں کہ اُس سے علیحدہ مخلوق کا مقام ہو۔ بلکہ اُس کی ذاتِ اُحد سے کوئی جگہ خالی نہیں۔ اِس لئے مخلوق اُس کے نوُر سے اُسی کے بطن میں پیدا کی گئی ہے۔ یہی کیفیت ہمہ ذرا ُوست ہے اور جب ہر کیفیتِ مخلوُق کو فانی اور غیر اللہ محسوس کرتے ہیں تو اِس صورت میں جب کہ وہ خوُد اُحد ہے اِلہٰ ہے۔ اُس کی ذات کے مُقابل کوئی مخلوق یا غیر اِلہٰ وجُود نہیں پا سکتا تو ہم اِس ہمہ ذرا ُوست کے نتیجہ میں جب مخلوُق اور خالق پر نگر کرتے ہیں۔ تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ مخلوُق کی اِبتداء اور اِس کا وُجودی مُرکب نوُرِ باری تعالیٰ سے ہی ہے۔ اور اِس کی مخلوُقی ہیئت نورِ اِبتدائی۔ نورِ محمدیؐ ۔ سے ہے۔ اِس لیئے مخلوُق اعتبار سے ہر کیفیت ایک ہیئت میں محسُوس کی جانے والی غیر اللہ محسوس ہوتی ہے۔ ورنہ اِن تمام کیفیتوں کا وُجود ایک ہی نوُر سے ہے اور سالک جب عالِم باطن میں اِن کی اُزلی تخلیق کا مُشاہدہ کرتا ہے۔ تو اُسے ہر مخلوق میں نورُ محمدیؐ نظر آتا ہے۔ کہ مخلوُق کی عِلت یہی ہے اور جب نورِ ابتدائی تک پہنچ کر نورُ ابتدائی کی بُنیاد میں ذاتِ الٰہی کا نوُر پاتا ہے۔ تو یہاں وہ ذاتِ لامحدود کو ہی اصل سمجھنے لگتا ہے۔ تو دیکھتا ہے۔ کہ ہر وجُود مخلوُق ہیئت میں محسوس ہے۔ لیکن اِس میں بُنیادی نوُر ذاتِ الٰہی کا ہے۔ اِس لیئے اِس تخلیقی اعتبار سے وہ اِس مقامِ فنا میں ہر شے کو "ہمہ اُوست" سے تعبیر دیتا ہے۔ اِسی طریق سے جب اِس کی ذاتِ باری تعالیٰ پر نظر پڑتی ہے تو مخلوُق کی پیدائش کی اِبتدا یہاں سے

شروع کرتا ہے۔ تو اُسے ہر کیفیت اُسی سے پیدا ہوئی نظر آتی ہے۔ اور ہر شے کی فنا کی اِنتہا ذاتِ الٰہی منبعِ حقیقی نظر آتی ہے۔ کیونکہ فنا سے مُراد ہی یہی ہے کہ ہر مخلوق کی ذاتی ہیئتِ معلول مِٹ کر اپنی اصل کی طرف لوٹ آئے۔ اِسی طرح ہر مخلوق کی فناء ذاتِ باری تعالےٰ پر ختم ہو جاتی ہے۔ اِس لئے یہ کیفیتِ فنا "ہمہ اُوست" سے تعبیر کی جاتی ہے۔ کہ خود ذاتِ باری تعالےٰ علےٰ حالہٖ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ۔ ھُوَ الاَوَّلُ۔ ھُوَ الاٰخِرُ۔ ھُوَ الظَّاھِرُ۔ ھُوَ البَاطِنُ، ہمیشہ قائم ہے۔ اور مخلوق بھی علےٰ حالہٖ مخلوق۔ غیر اللہ۔ فانی ہے۔ جس سے اللہ کی ذاتِ اَحد میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا۔ یعنی اللہ بھی ہے مخلوق بھی ہے۔ پھر بھی ذاتِ باری تعالیٰ کی واحدیت میں فرق نہیں۔ کیونکہ یہ تمام کیفیت غیر اللہ، مخلوق ہمہ اُوست ہے۔ چنانچہ منازِلِ فقر میں خاکہ تمثیل سے یہی کیفیت ظاہر ہے۔ اب منازِلِ فقر کی ابتدائی ... خاکہ تمثیل بھی پیش کیا جاتا ہے۔

تمثیلی خاکہ نمبر ۲

تمثیلی خاکہ نمبر ۲ میں دائرہ عدد (۱) کرۂ زمین سے تشبیہ ہے۔ جو ایک گول گیند

کی مانند فضا میں معلّق ہے۔ اس پر دائرہ نمبر (۲) کرۂ آبی احاطہ کئے ہے۔ جس میں زمین سے قریب آبی ذرات پائے جاتے ہیں۔ جس کی زمینی مخلوق کو زندگی کے دوام میں ضرورت رہتی ہے ـــــ اس کرۂ آبی کے اُوپر ایک کرۂ ہوائی (دائرہ ۳) احاطہ کئے ہے۔

یہ ہوا کا ایک سمندر ہے جس میں زمین ایک گیند کی مانند تیر رہی ہے۔ اس کرۂ ہوائی میں زمین محوِ گردش ہے۔ اس کرۂ ہوائی نمبر (۳) اور آسمانِ اوّل دائرہ نمبر (۴) کے درمیان کا حصّہ تمام کا تمام ناری فضا کا ہے۔ اسی ناری فضا میں ناری مخلوق یعنی سُورج، چاند اور ستارے پائے جاتے ہیں۔ جیسا کہ تمثیلی خاکہ نمبر (۲) میں سُورج چاند وغیرہ کی چھوٹے چھوٹے گول دائروں کی شکل میں نشاندہی کی گئی ہے۔ دائرہ نمبر (۴) آسمانِ اوّل کا ہے۔ اس کے بعد دوسرے تیسرے ـــ آسمانوں کی ترکیب ہے۔ جیسا کہ تمثیلی خاکہ نمبر (۱) میں دکھایا گیا ہے۔

یہی زمین ہے۔ جو الارض سے موسوم ہے۔ یہ مقام ارادۂ ازلی کا ابتدائی تصوّر ہے اور اس ارض پر خلیفہ کی پیدائش واحد مقصود تھی۔ سو اگر خلیفہ بنانے کا مقصود نہ ہوتا تو کسی کیفیتِ ملکوتی کے بنانے کی ضرورت نہ رہتی۔ اسی مقام سے منازلِ فقر کی ابتدا ہوتی ہے۔ منزلِ اوّل اجلاسِ محمدیؐ۔ دائرہ (۴) میں آسمانِ اوّل کی اندرون حد میں عالمِ ناس (عالمِ ناسُوت) ہے یہ عالم اس جہان کا باطن ہے۔ جو ذہنی مشاہدہ سے دیکھا جاتا ہے۔ عالمِ ناسُوت کے بعد قلبِ زمین میں روضۂ مدینہ منوّرہ ہے۔ مدینہ منوّرہ میں روضۂ مطہرہ میں ایک باطنی عالمِ مشاہدہ میں آتا ہے۔ اسے اوّل اجلاسِ محمدیؐ کہا جاتا ہے۔ چونکہ روضۂ مدینہ منوّرہ زمین کا دِل ہے۔ اور زمین کائنات

کا مرکز اور کائنات ذاتِ باری کا مرکز۔ اِس طرح روضۂ مدینہ منورہ میں اَوّل اُجلاسِ محمدیؐ ذاتِ الٰہی کے قلب سے تشبیہ ہے۔

دوئم وسطِ زمین۔ یعنی مرکزِ زمین میں "مکہ" ہے۔ یہاں پر دُعائے ابراہیمیؑ کی اُجابت کا مُقام ہے۔ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ یہاں انبیا بنی اسرائیل کا تصوّر دُعا میں نہیں صرف مکہ میں ایک رسُول کی پیدائش کا تصوّر ہے۔ سو یہ تصوّر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش میں درجۂ قبولیت پاتا ہے۔ یہ مُقام بھی مرکز ہے یہاں اِس رَسُول کے لئے حضرت ابراہیمؑ کے ذریعہ ہی اللہ کا گھر بنایا گیا۔ گویا یہ منصوبہ اَزلی تھا۔ اِس لئے اِس بیتُ اللہ کے باطن میں دریائے توحید اُجلاسِ دوئم ہے۔

خاکہ تمثیلی نمبر ۳ = یہ نصفِ زمین۔ بطنِ زمین۔ تحتُ الثّریٰ ہے یعنی زمین کی سطح پر مخلوق ہے اور زمین کی شکل ایک سیب کی سی ہے اور سیب کا پیٹ اُس جگہ ہوتا

ہے جہاں دانہ ہوتا ہے جس دانہ سے سیب کا وجود پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح تحت الثریٰ زمین کا بیج ہے۔ زمین کائنات کا مرکز ہے۔ اس لئے تحت الثریٰ کائنات کا بیج ہے۔ یہاں پر حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جلوہ گاہ ہے۔ یہ مقام چوتھی منزل کا ہے۔

تیسری منزل عرش ہے۔ تحت الثریٰ اور عرش کے درمیان آسمان و کرسی دوسری منزل دریائے توحید میں شامل ہے۔ اس کے بعد خاکہ تمثیلی نمبر۱ میں دیئے گئے مقامات شروع ہوتے ہیں۔ جو ہمہ اُوست اور ہمہ ذر اُوست پر ختم ہوتے ہیں۔

تمّت بالخیر

تخلیقِ کائنات

گزشتہ شرحِ منازلِ فقر میں۔ کائنات اور اللہ کی ذات کی معرفت میں جو مقامات منازلِ فقر کی صورت میں مشاہدہ میں آتے ہیں۔ ان کی تفصیل بیان کی گئی۔ اب ان منازل کی تخلیقی ترکیب کو "تخلیقِ کائنات" کے تمثیلی خاکوں کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے

خاکہ تمثیلی (۱-ا)

ذاتِ "احد" کا	فرضی تشبیہی خاکہ
جو لامحدودیت کا	تصوّر رکھتا ہے۔

تخلیق کائنات

تمثیلی خاکوں کی شکل میں دلائل

خاکہ (۱-۱) نورِ مستقل - نورِ لامحدود - وحدتِ کُل - "اَحَدُ" سے تشبیہ ہے۔ اُس ذات کا تمثیلی نشان ممکن نہیں۔ سوائے اِس کے کہ ایک نُورِ لامحدُود — لاانتہا۔ کا تصوّر قائم کیا جائے۔ کہ اِس نُور کے مقابلہ میں نہ تو کوئی دُوسرا وجُود موجود ہو سکتا ہے۔ اور نہ ہی کسی دوسرے وجُود کے لیئے (اس نُور سے سِوٰی) کوئی مقام خالی ہو سکتا ہے۔ اِس حیثیّت میں یہ وجُود۔ اَحَدُ — کی صفت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ وجُود ازلی — اور غیر فانی — نورِ مُستقل قرار دیا جاتا ہے۔

خاکہ تمثیلی نمبر (۱)

انسانی ذہن مشاہدہ سے۔ ایک وسیع کائنات محسوس کرتا ہے۔ اِس کائنات کی تخلیق کیسے ہوئی؟۔ اِس کا مادہ (MATERIAL) کہاں سے آیا؟۔ اور نورِ اَحَد سے ماسویٰ وہ کونسا مقام ہے۔ جہاں اِس کائنات کا قیام ہُوا؟۔ اِس کائنات کی تخلیقی ترکیب کیا ہے؟۔ اِن حقائق اور دیگر ضمنی سوالات سے متعلق تفصیل۔ تمثیلی خاکوں کی صورت میں پیش کی جاتی ہے جس میں تخلیقِ کائنات کا حقیقی تصوّر پیش کیا جاتا ہے۔

خاکہ تمثیلی ع(۱) نورِ اَحَدُ کا فرضی تشبیہی خاکہ۔ جو اَحَد ہونے کی صورت میں۔ ہر شیئ مخلوق کی لَا (نفی) کا تصوّر دیتا ہے۔ جس میں کسی غیر وجود کا ہونا ممکن نہیں۔

دائرہ (ا) نورِ احد کے فرضی خاکہ سے تشبیہہ ہے۔

فطری اُصول کے تحت۔جب کہ نورِ احد کی وُسعت کا تقاضا ہے۔کہ کسی دُوسرے وُجُود کے لیئے نہ خارج سے مادّہ میسّر آسکتا ہے اور نہ ہی کسی دُوسرے وُجُود کے لیئے کوئی مُکان (خالی جگہ) میسّر ہو سکتا ہے۔ اِس کے باوجُود مَاسوائے نورِ اَحد ایک کائنات کا تصوّر قائم ہے۔ تو اس وجود کا مادّہ سوائے اس کے نہیں کہ یہ مادّہ خود نورِ احد سے ہی میسّر آسکتا ہے اس کی مثال (ا) اور (ب) کے تمثیلی خاکوں سے ظاہر ہوتی ہے۔

دائرہ (ا) نورِ اَحد سے تشبیہہ ہے۔ دائرہ (ب) نورِ اَحد کے مرکز میں پیدا ہونے والا وجُود ہے۔کہ نورِ اَحد میں۔اِسی نُور کی جُزء سے دوسرے وجُود کا ظہُور ہُوا۔لہٰذا ایک مخلوقی وجُود کو۔(خواہ وہ نُورِ لامحدُود میں کسی بھی مُقام پر ظاہر ہو) خُود بخُود مُرکز کی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے۔گویا ایک مخلوقی

وجود خود اِس وجودِ لامحدود میں مرکز قائم کرتا ہے۔ سوائے اِس کے کائناتِ مخلوق کے وجود کے لئے ظہور کی اور کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔ تخلیق کے فطری اصول کے تابع مخلوق کے ظہور کی یہی ایک ترکیب و ترتیب ہونا حقیقی تصور ہے۔ (اور ایک دوسرے وجود کے موجود ہونے سے اللہ کی لامحدودیت میں کوئی "حد" نہیں پیدا ہوتی جس سے اللہ کی واحدیت میں نقص واقع ہو) اِسی ترتیب پر نورِ احد کی واحدیت قائم رہتی ہے۔

جیسا کہ پہلے آچکا ہے۔ کہ دائرہ (ا) "احد" سے تشبیہ ہے اور دائرہ (ب) نورِ احد کے مرکز میں پیدا ہونے والا وجود ہے ـــ کہ نورِ احد میں۔ اِسی نور

کی جُـــز مرکز کی صُورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ چونکہ یہ وُجود، نورِاَحد ہی کی جُز ہے۔ اِس لیئے اِس وجُود کا مُرکب بھی نوُری تصوُّر کیا جاتا ہے۔ نورِلامحدُود کی وُسعت سے نسبت کے اعتبار سے یہ وجُودِ مخلوُق بھی اپنے مُقام میں لامحدُود وُسعت کا درجہ رکھتا ہے۔ لیکن مخلوُقی حیثیت سے اس وُجود کی ایک حد ضرُور ہے۔ گو ترتیب کے اعتبار سے یہ وُجُود بھی نوُرِاَحد کا جُز ہے۔ لیکن مخلوُقی حیثیت میں یہ جُز۔ کُل کا تصوُّر نہیں رکھتی۔ لہذا مخلوُقی وجُود (ب) نوُری وجُود ہونے کے باوُجود، اللہ کی صفت سے مُتّصف نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ نوُر محض جُز کی حیثیت رکھتا ہے۔

لہذا اِس تخلیقی ترتیب میں یہ مسئلہ طے ہو جاتا ہے۔ کہ نورِاَحد سے ہوا ایک وُجود کے لیئے نہ خارج (باہر) سے مادّہ کی ضرُورت باقی رہتی ہے اور نہ ہی اِس وجُود کے لیئے ماسوا نوُرِ اَحد۔ کسی خالی مُقام کی ضرُورت باقی رہتی ہے۔ دوُسرے یہ کہ یہ نیا وُجود نورِلامحدُود ''اَحد'' کے مُقابلہ میں نہ اِس نوُر کا ہمسر ہو سکتا ہے۔ نہ شریک بلکہ وجُودی اعتبار سے یہ وجُود، مخلوُق اور غیراللہ تصوُّر کیا جاتا ہے۔ یہی نور، ''نورِاوّل'' سے موُسوم ہوتا ہے۔ اور یہ مُستقِلُ الذّات نہیں بلکہ فانی ہے۔ اور کسی خالق کے اُمر سے تخلیق ہُوا جبکہ اِس وُجود کی علّت خوُد (وہی) نورِلامحدُود ہے۔ لہذا اِس نوُرِاَوّل کا خالق، اِس کی علّت ہے۔ علّتِ لامحدُود قرار دی جاتی ہے۔ اور یہ اُمر ایک قانوُن بن گیا۔ کہ آئندہ ہر وجُود کی تخلیق میں ''علّتِ لامحدوُد'' ہی اِس کا خالق قرار پائے گا۔

یہاں قبل اَزوقت ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ نوُرِمستقل، نورِاَزلی کا وُجود تسلیم کرنا کس دلیل کے تابع ہے ؟۔ یعنی کہ کائنات کے وجُود سے قبل ایک نورِاَزلی کا وجُود تھا ؟۔ اِس کی دُو نوعیتیں ہیں۔

اوّل یہ کہ خود کائنات کا وجود دلالت کرتا ہے۔ کہ اِس کارگاہِ حیات کی کوئی ابتدا ضرور ہے۔ جس میں زمان و مکان، اور کیف و ہیئتِ مادہ (MATERIAL) کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ اور کائنات کی تخلیقی ترتیب میں کسی شے کے عدم اور ظہور میں یہ امرِ واضح ہو جاتا ہے کہ انسانی مشاہدہ میں آنے والی ہر شے خود مستقل وجود نہیں رکھتی بلکہ کسی ابتدائی عِلت[1] سے اُس کا وجود پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ تصوّر یقینی ہے۔ کہ اِس کائنات کی کوئی بنیادی عِلت ضرور ہے۔ جسے "نور" کے تصوّر میں لایا جاتا ہے۔

دوسرے، اِس زمین پر مدتوں سے انسانی پیدائش کا سلسلہ چلا آرہا ہے۔ اور ہر زمانہ میں، انسان میں، کائنات کی تحقیق کی تحریک پائی جاتی رہی ہے۔ کہ "کائنات کیا ہے؟" اِس کا بنانے والا کون ہے؟۔ اِس سوچ کے نتیجہ میں ہر انسان نے ایک خالق کا تصوّر پایا ـــــ چنانچہ گذشتہ زمانوں میں، قدیم قوموں میں بھی ایک خالق کا تصوّر پایا جاتا رہا ہے۔ جسے ہر قوم نے اپنی زبان میں ایک "نام" دیا ـــ جسے "اللّٰہ" کے نام سے بھی پکارا گیا۔ مگر اِس فکر میں اِنسان کو اُس ذات کا نہ اُدراک حاصل تھا۔ اور نہ ہی اُس

---

[1] عِلت یعنی بُنیادی وجود = ہماری قریبی اشیاء خاکی ہیئت میں محسوس ہوتی ہیں۔ اِس کے ساتھ ہی ہمارے قریبی ستارے ناری ہیئت میں محسوس ہوتے ہیں اور یہ بھی واضح ہے کہ خاکی ہیئتیں ۔ ناری ہیئتوں سے پیدا ہوئی ہیں۔ لہٰذا تخلیقی اصول کے تابع ۔ یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ نار خاک کی عِلت ہے۔ ایسی صورت میں ناری ہیئت کے لیۓ بھی ایک عِلت کا ہونا لازمی ہے ۔ وہی قوّت جو ناری ہیئتوں کی عِلت ہے۔ "نور" کے نام سے موسُوم کی جاتی ہے۔

وجُود کی دلیل میسّر تھی۔ تاہم ہر انسان نے ایک "خالق" کے وجُود کو بلا دلیل تسلیم کیا۔
اِس تسلیم کی اَساس، گذشتہ قوموں میں وقتاً فوقتاً مخصُوص شخصیتوں کے ظہوُر پر بھی ہے۔
جنہیں "نبی" یا "رسُول" کہا گیا۔ جنہوں نے ایک نورِ مستقل خالق کے وجُود کا تصوُّر دیا۔
اِسی طرح قرآن نے بھی تخلیقِ کائنات پر فکر کی ابتدار کا ایک خاص تصوُّر دیا۔

وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ (پارہ ۲۶ سُورہ ۵۱ آیت ۲۰) ــــــــ

یعنی تخلیقِ کائنات کی فکر میں اِس کا بُنیادی سبب کیا ہے۔؟ پہلی نوعیت یقین رکھنے
والوں کے لیئے ایک اَندازِ فکر یہ ہے کہ اللہ کو رسُول کی شخصیت پر بلا دلیل تسلیم کر کے
اللہ کو ہی تخلیقِ کائنات کا بُنیادی سبب و علت تصوُّر کیا جائے۔ اور تحقیق کی ابتدا
اِسی نور سے کی جائے۔ دوُسری نوعیت وَ فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ عقلی
دلائل کے ساتھ اپنے وجُود کی علت اور تخلیقی ساخت کو پہچان کر منبعِ حقیقی (علت
لامحدُود) تک پہنچا جائے۔ اِس تصوُّر پر نورِ ازلی، نورِ مستقل، نورِ اَحد، کو "علتِ لامحدُود"
قرار دے کر کائنات کی ابتدا اِسی نور سے ہونا تحقیق میں لایا گیا۔ اور نورِ اَحد ہوتے کے
اعتبار سے جبکہ خارج میں نہ مادہ میسّر ہو سکتا ہے۔ نہ مقام میسّر آ سکتا ہے۔ نورِ اَحد ہی
کی ایک جُز کو نُورِ اَحد ہی کے وجُود میں تخلیقِ کائنات کا بُنیادی سبب (MATERIAL)
تصوُّر کیا گیا اور اب چونکہ تخلیق کا سلسلہ جاری ہو چکا تو فطری تخلیق کے تابع، اِسی
تخلیقی عمل میں ایک نئے وجود کا ظہوُر ہونا ضروری ہوگا۔ اِس وجود کا ظہوُر کیسے
ہوگا؟ کیا نورِ اَوّل کے وجُود سے علیٰحدہ براہِ راست نورِ اَحد ہی سے دُوسرا وجُود پیدا
ہوگا۔؟ ایسا ہرگز نہیں، کہ ایسا ہونا خلافِ فطرت (فطری قانون) تصوُّر کیا جاتا ہے۔ کیونکہ
اِس صورت میں ایک سے زائد کائناتوں کا الگ الگ وجود قائم ہوگا۔ اور چونکہ نورِ اَحد

لامحدود وسعت رکھتا ہے۔ ایسے سلسلۂ تخلیق سے الگ الگ کائناتوں کے وجود بھی لامحدود لاتعداد میں ظہور پذیر ہوں گے۔ جبکہ نظامِ کائنات میں ایک تسلسل، ایک تنظیم کا پایا جانا ضروری ہے۔ بے شمار کائناتوں میں مختلف نظام پیدا ہونے سے، فطری تنظیم کا قائم رہنا ممکن نہیں۔ لہٰذا تحقیق اس امر کا تقاضا کرتی ہے۔ کہ تخلیقی ترکیب کے تابع نورِ اوّل[1] کے وجود سے ہی، اس کے مرکز میں، اسی نوری وجود سے مثلِ نورِ مستقل، ایک وجود پیدا ہو۔ جو نورِ احد کا معلول[2] نہیں۔ بلکہ نورِ اوّل کا معلول ہو۔ لہٰذا اس ثانوی وجود کی علت بجائے نورِ احد کے، نورِ اوّل قرار دی جائے گی۔ اس سے قبل تمثیلی خاکہ میں (ا) دائرہ کو علتِ لامحدود، نورِ مستقل سے تشبیہہ دی گئی اور دائرہ (ب) کو نورِ مستقل کا معلول، ہیئتِ نوری، نورِ اوّل سے موسوم کیا گیا۔ اب آئندہ نورِ اوّل سے پیدا ہونے والے وجود کا تشبیہی خاکہ ملاحظہ ہو۔

---

[1] کائنات کی تخلیق پر اس کی ابتدائی تخلیق میں یہ فطری قانون ثابت ہے کہ اگر تخلیقِ کائنات کے منصوبہ میں مخلوق کیلیے ایک نورِ اوّل (ابتدائی نور مخصوص نہ کیا جائے تو نورِ احد (لامحدود) کے وجود سے براہِ راست تمام کائنات کا وجود مخلوقی حیثیت اختیار نہیں کر سکتا۔ اسلئے ضروری ہوا۔ کہ ابتدائے تخلیقِ کائنات کیلئے ایک مخلوقی نورِ مخصوص ہو۔ اور یہ امر واقع ہے کہ اگر ابتداً ایک نورِ اوّل کو مخصوص انداز میں پیدا نہ کیا جاتے تو کائنات مخلوقی حیثیت میں قائم نہیں ہو سکتی۔ اسی کیفیت کو لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ۔ کے بیان میں ظاہر کیا گیا۔ کہ اگر نورِ اوّل کو مخلوق کے لیئے اولاً نہ بنایا جاتا۔ تو کائنات کا مخلوقی حیثیت میں تخلیق ہونا ممکن نہ تھا۔

[2] معلول: ایک بنیادی وجود سے خارج (پیدا) ہونے والی جز۔

تمثیلی خاکہ نمبر ۴

دائرہ (ا) تشبیہہ ہے۔ نورِ مستقل احد، نورِ لامحدود سے، جو نورِ اوّل کی علت قرار دی جاتی ہے۔

دائرہ (ب) تشبیہہ ہے۔ نورِ اوّل مخلوق سے۔ جو نورِ احد سے معلول ہے۔ نورِ ابتدائی، نورِ احد کی معلول ہے۔ اور آئندہ تخلیقی عمل میں علت کی حیثیت اختیار کرتا ہے۔ جس سے اس کے مرکز میں ایک اور وجود کا معلول ہونا فطری تخلیقی عمل کے تابع ہوگا۔

دائرہ (ج) تشبیہہ ہے۔ نورِ دوم سے۔ جو نورِ اوّل سے معلول ہوا۔ یہ نورِ اوّل کی جز ہے۔ او جودی اعتبار سے۔ مقام کے اعتبار سے یہ وجود بھی لامحدود وسعت کا حامل ہے۔ لیکن تخلیقی اعتبار سے جز تصور کیا جاتا ہے۔

آیئے۔ اب ان دائروں کو پھر سے بغور دیکھیں۔

دائرہ (ا) تشبیہہ ہے۔ نورِ مستقل۔ نورِ لامحدود سے

دائرہ (ب) تشبیہہ ہے۔ نورِ اوّل مخلوق سے

دائرہ (ج) تشبیہہ ہے۔ نورِ دوم سے جو نورِ اوّل کی جزء ہے۔ اور نورِ اوّل کے مرکز میں مُقام رکھتا ہے۔ مُقام کے اعتبار سے لامحدود وُسعت کا حامل ہے۔ اگرچہ اِن تمثیلی خاکوں کے تشبیہی دائروں کے درمیان فاصلہ قلیل دکھایا گیا ہے تاہم اِن دائروں کا درمیانی فاصلہ بھی لامحدود وُسعت کا حامل ہے۔ ایک وجُود سے دوسرے وجُود تک لاانتہاء مسافت رکھتا ہے۔ اور ہر نوری وجُود اپنی ہیئت میں لاانتہا درجہ کی جسامت (طول وعرض) کا حامل ہے۔ نورِ دوم نورِ اوّل کی معلُول ہے۔ اِس مُقام پر آئندہ پیدا ہونے والی ہر ہیئت میں معلُول خود علّت کا مُقام رکھ کر اپنے وجُود سے ایک معلُول پیدا کرتا ہے۔ جیسا کہ ذیل کے تشبیہی خاکے میں دکھایا گیا ہے۔

دائرہ (ا) تشبیہہ ہے۔ نورِ مستقل۔ نورِ لامحدود (اَحد سے) یعنی علّتِ لامحدود۔

دائرہ (ب) تشبیہہ ہے۔ نورِ اوّل۔ نورِ مخلوق سے جو نورِ مستقل کی معلول ہے۔

دائرہ (ج) تشبیہہ ہے۔ نورِ دوئم۔ نورِ اوّل کی معلول جز۔
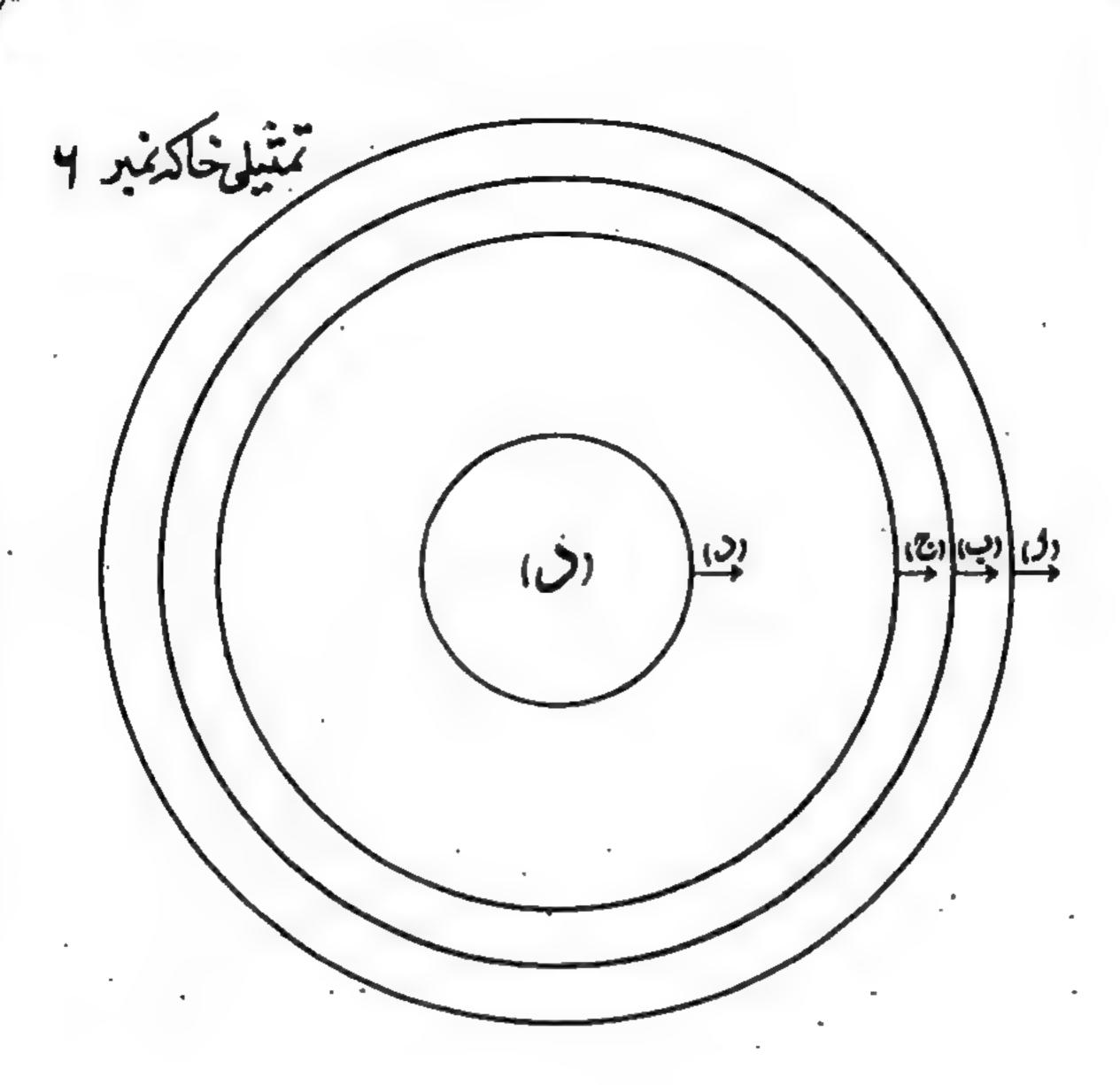
دائرہ (د) تشبیہہ ہے۔ نورِ سوئم۔ نورِ دوئم (ج) کی معلول۔ جز۔ جو نورِ دوئم (ج) کے مرکز میں ظہور کرتا ہے۔ تخلیقی ترتیب میں مقام کے اعتبار سے نورِ سوئم (د) بھی ہیئت میں لاانتہا وُسعت کا حامل ہے (ملاحظہ ہو تمثیلی خاکہ نمبر ۷)

تمثیلی خاکہ نمبر ۷

دائرہ (ا) تشبیہ ہے۔ نورِ مستقل، نورِ لامحدود، اُخد سے یعنی علّتِ لامحدود۔
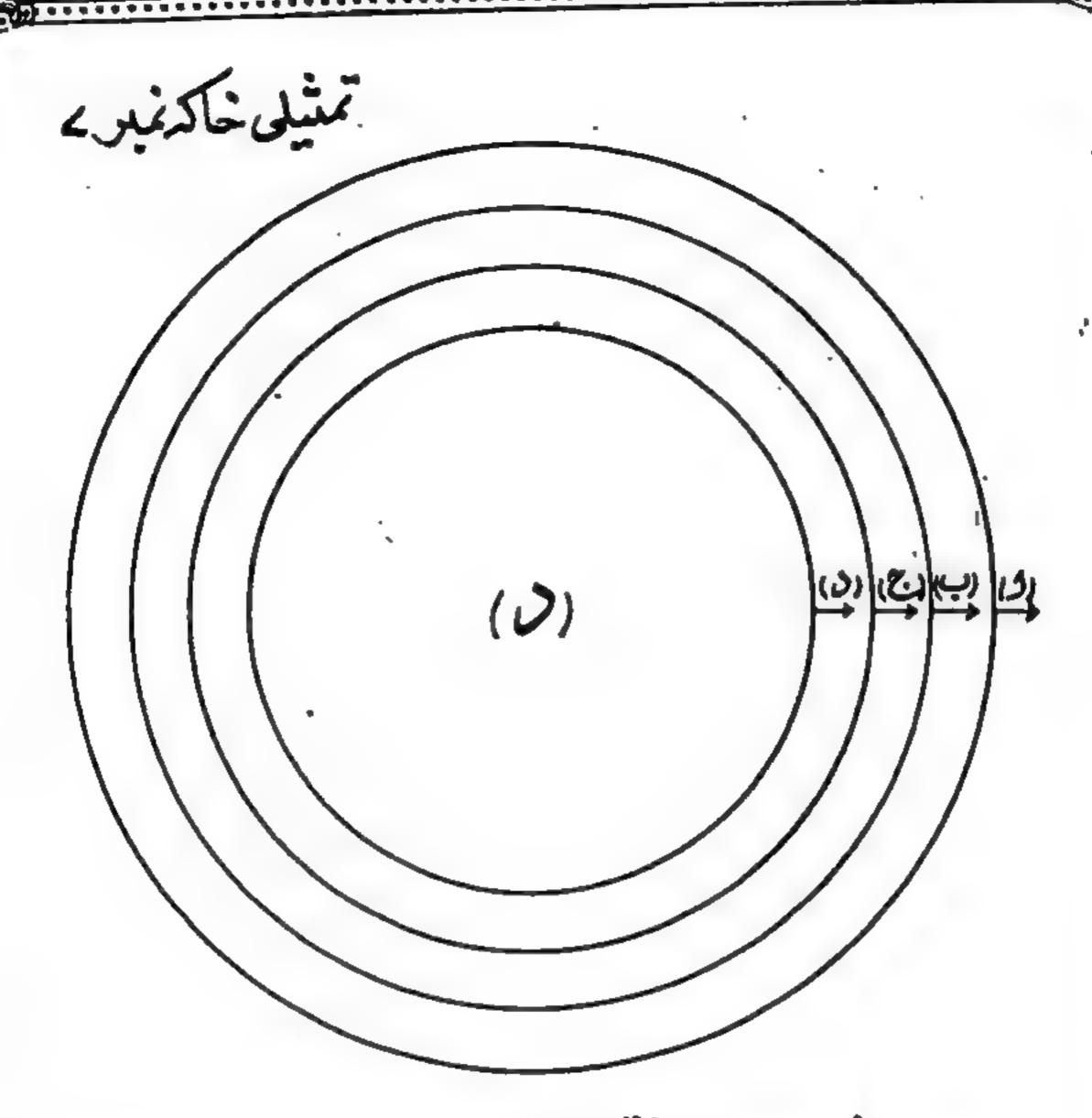
دائرہ (ب) تشبیہ ہے۔ نورِ اوّل سے، نورِ مخلوق سے جو علّتِ لامحدود کی معلول ہے

دائرہ (ج) تشبیہ ہے۔ نورِ دوم سے جو نورِ اوّل کی معلول ہے۔

دائرہ (د) تشبیہ ہے۔ نورِ سوم سے جو نورِ دوم (ج) کی معلول ہے۔

تخلیقی اعتبار سے ہر وُجود نوری حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن مُقام کے اعتبار سے ہر معلول اپنی علّت کے مقابلہ میں کمتر نوری قوت و حیثیت رکھتا ہے۔ اِس تخلیقی ترکیب سے واضح ہے۔ کہ ہر نوری ہیئت اپنی جز میں تقسیم ہوتی ہے۔ اس صورت میں کہ اِس سے ایک وُجود خارج (ANALYSE) ہوتا ہے۔ لیکن ہر علّت کا اپنا وُجود باقی رہتا ہے۔ اِس سلسلۂ تخلیق کا بلا تعیُّن زمانہ، لاتعداد ہیئتوں میں جاری رہتا

ایک فطری عمل کے تابع لازمی ہے۔ جن کا کوئی اِنسانی ذہن تصوّر قائم نہیں کر سکتا۔ کہ اَزل سے اَبد تک کتنے نوری عالم پیدا (وجُود) ہوئے۔ سوائے اِس کے کہ قرآن سے ہمیں اِس سلسلۂ تخلیق کی کڑی کی نشاندہی ہوتی ہے۔ (اِن عالموں کی تفصیل منازلِ فقر کے تفصیلی خاکوں میں پیش کی گئی ہے۔ (ملاحظہ ہو خاکہ تمثیلی صنہ ۱۶۰ ا)

گذشتہ تمثیلی خاکوں میں تشبیہی دائروں کی شکل میں۔ اِبتدائی نوری وجُودوں کی پیدائشی ترکیب و ترتیب سے کائناتِ نوری کی پیدائش کا ایک تصوّر پیش کیا گیا۔ کہ نورِ مُستقل علّتِ لامحدُود سے کس طرح کائنات کی تخلیق کی ابتدا ہوتی ہے۔ اور یہ سلسلہ اَزل سے اَبد کی طرف علّت و معلُول یعنی SUBJECT & OBJECT کی ترتیب کے ساتھ مُسلسل جاری رہا۔ اِن تمثیلی خاکوں میں چند اِبتدائی نوری ہیئتوں کی ترتیبِ پیدائش کا نقشہ پیش کیا گیا۔ یہاں تک کہ نوری وجُودوں کی پیدائش کا سلسلہ ایک غیر معیّن مدت تک لاتعداد نوری وجُودوں کی شکل میں جاری رہا۔ اِن وجُودوں کی تفصیل صفحۂ قرطاس پر لانا ممکن نہیں۔ سوائے اِس کے کہ درمیانی پیدائش کا سلسلہ مختصر کر کے اِس پیدائش کی ایک کڑی سے تخلیقی ترتیب کا خاکہ پیش کیا جائے۔ جو ایک مخصُوص نام سے معرُوف ہے۔ اِس نوری ہیئت کو کُرسی کے نام سے موسُوم کیا گیا۔

جہاں تک مادّی محققین کا تعلق ہے۔ مادّی تحقیق کی بنا پر وہ اِن کیفیتوں کا نہ کوئی علم پا سکتے ہیں۔ نہ عقلی اِستدلال پیش کر سکتے ہیں۔ اور نہ ہی اِن کیفیتوں کا کوئی تصوّر پیش کر سکتے ہیں۔ ایسی صورت میں اُن کے لئے اِن کیفیتوں کا یقین و تسلیم ممکن نہیں۔ اور یہ محققین اپنی عقلی عدمِ وُسعت کے باوصف اِن کیفیتوں کے وجُود سے رَدّ و اِنکار میں بھی کوئی علم نہیں پیش کر سکتے۔ لہٰذا اِن محققینِ مادّہ کا اِن کیفیتوں سے بلا دلیل اِنکار معقول

نہیں ہوسکتا۔ جبکہ انسانی مشاہدہ میں آنے والی کیفیتوں میں علت و معلول یعنی SUBJECT & OBJECT کا نظام واضح ہے۔ کہ ماضی میں یہ تخلیقی نظام اسی طرح غیر معین زمانہ سے چلا آرہا ہے۔

جیسا کہ بیان ہوا۔ کہ کائنات کی ابتدا علتِ لامحدود۔ نورِ مستقل سے ہوتی ہے۔ اس علتِ لامحدود کو انسانی ذہنوں نے اللہ کے تصور میں قائم کیا۔ اور انسان کو یہ تصور رسولوں اور الہامی کتابوں (کلامِ الٰہی) سے حاصل ہوا۔ لہٰذا اس کائنات کی تخلیق میں پیدائشی ترتیب کا یقین و تسلیم۔ رسول اور کلامِ الٰہی کے یقین پر منحصر ہوسکتا ہے۔ کہ کلامِ الٰہی کو مبنی بر حق تسلیم کرتے ہوئے کائنات کی تخلیق میں وجودی کیفیتوں اور ان کی پیدائش سے متعلق علم کو بلا دلیل تسلیم کیا جائے۔ کہ کائنات کی ابتدائی علت علتِ لامحدود۔ اللہ ہے۔ اسی تصور پر کتابِ الٰہی۔ قرآن نے خود ایک نوری تصور پیش کیا جسے کرسی سے موسوم کیا گیا۔

قرآن کائنات کی تخلیق کے چند آثار کا ذکر کرتا ہے۔ جن سے کائنات کی تخلیقی ترتیب اور ہیئتوں کا تصور ملتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ تحقیق اللہ کل کائنات پر احاطہ کئے ہے۔ یعنی کل کائنات اللہ کے نور میں مرکز کی حیثیت میں واقع ہے۔ اس ارشاد میں اللہ ـــــ وَاسِعٌ ـــــ عَلِیۡمٌ تین تصور ہیں۔ ایک لامحدود۔ نورِ مستقل۔ اَللّٰہُ۔ دوسرا کائنات کی علتِ اولیٰ وَاسِعٌ اور تیسرا اللہ اپنی مخلوق کی ہر کیفیت کا علم رکھتا ہے۔ (سلہ پارہ۔ اوّل، سورہ۔ ۲، آیت ۱۱۵)

گذشتہ بیان میں کائنات کی پیدائشی ترتیب میں (ا) اور (ب) کے خاکہ میں "وَاسِعٌ" کی ترتیب ظاہر کی گئی۔ کہ نورِ اوّل (ب) علتِ لامحدود کے مرکز میں قیام رکھتا

ہے۔ یہ خاکہ وَاسِعٌ کی نشاندہی کرتا ہے۔ نورِ اوّل خود علت کی حیثیت میں تمام کائنات کے معلول وجودوں کی علتِ اوّلی قرار دی جاتی ہے۔ یعنی تمام کائنات کے وجودوں کا مادہ (MATERIAL) اسی نورِ اوّل سے ساختہ ہے۔ لہٰذا نورِ اوّل تمام کائنات پر واسعٌ ہے۔ اور ہر وجود میں اسی بنیادی وجود کا نور اصل مرکب (MATERIAL) ثابت ہوتا ہے۔ نورِ اوّل پر نورِ مستقل کا ہر جہت سے احاطہ، وَاسِعٌ سے تعبیر ہے۔ او جود نورِ اوّل کل کائنات پر احاطہ رکھتا ہے۔ اس حال میں کہ ہر معلول خود علت بنتا ہے۔ اسی علت کے مرکز میں اسی کے وجود سے ایک نیا وجود معلول ہوتا ہے۔ ان کیفیتوں کے وقت "زمانہ" اور "تعداد" کا تعیّن عقلی طور پر احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ کہ ازل سے ابد کی طرف "کتنی مدت میں" ——— اور "کتنے نوری وجود" پیدا ہوتے۔ یہاں تک کہ قرآنی اشارہ کے مطابق کرسی کے نوری وجود کا ایک تصور ملتا ہے جس کے مطابق قرآنی بیان ہے۔ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ[1] (اس کی کرسی نے آسمانوں اور زمین کو اپنے پیٹ میں سما رکھا ہے) یعنی کرسی میں آسمانوں اور زمین کا وجود سمایا ہوا ہے۔ کرسی۔ آسمانوں اور زمین کی بنیادی علت ہے۔ آسمانوں کے متعلق قرآن نے سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا کی تقسیم کا ایک تخلیقی تصور پیش کیا کہ کرسی کے مرکز میں سات آسمانوں کا مجموعہ معلول ہوتا ہے۔ اسی طرح سات آسمانوں کی پیدائشی ترتیب، علت و معلول کی صورت میں طبقوں کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے جیسا کہ گذشتہ تمثیلی خاکوں میں ظاہر کیا گیا کہ ایک علت سے اس کا معلول اس علت کے مرکز میں پیدا ہوتا ہے۔ (ملاحظہ ہو تمثیلی خاکہ نمبر ۸)

---

[1] وَسِعَ كُرْسِيُّهُ۔ یہ کیفیت آسمانوں سے اوپر کی ایک نوری ہیئت تصور کی جاتی ہے جس کا تسلسل ابتدائی نوری ہیئتوں تک جاتا ہے۔ یعنی نورِ ازل سے مخلوق شدہ نوری عالموں (ہیئتوں) کی مسلسل تخلیقی ہیئتوں میں سے ایک ہیئت کرسی سے موسوم ہے[2] (پارہ - ۲ = آیۃ الکرسی - سورہ ۲)

تمثیلی خاکہ نمبر ۸

تشبیہی دائرے (ا)۔ (ب)۔ (ج)۔ (د) گذشتہ خاکوں میں بیان کردہ ابتدائی نوری ہئیتیں ہیں مرکزی تشبیہی دائرہ (س) کرُسی کی نشاندہی کرتا ہے۔ (د) اور (س) کے درمیانی فاصلہ میں بھی علت و معلول کی شکل میں لاتعداد وجود پیدا ہوئے جن کی تعداد کا تعین نہیں ہو سکتا۔ اور (س) اس سلسلہ کی ایک وجودی ہئیت ہے۔ جسے کرُسی کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اس مقام پر کرُسی میں سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ کا مادہ (MATERIAL) موجود ہے۔ جو علت و معلول کی ترتیب پر آئندہ تقسیم ہو گا۔ یعنی سات آسمانوں کا بنیادی وجود کرُسی کے نُور سے بنا۔

چونکہ کائنات کے تخلیقی عمل میں مُسلسل وجودوں کی نشاندہی کا تعیُّن نہیں ہے۔ کہ جسے ذہن قبول کر سکیں۔ اس لئے قُرآنی حوالہ کے مُطابق اِس تخلیقی عمل کی ایک کڑی سے ہی خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔ جو انسانی ذہن قبول کر سکتے ہیں۔ اس تفصیل میں تمثیلی خاکوں کو مختصر کر کے آئندہ کرُسی کے وجود سے سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ کی تخلیق کا خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔

تمثیلی خاکہ نمبر ۹

دائرہ (ر) تشبیہ ہے کرسی سے۔ جو کائنات کی سلسلہ وار تخلیق کی ایک ہیئت ہے۔
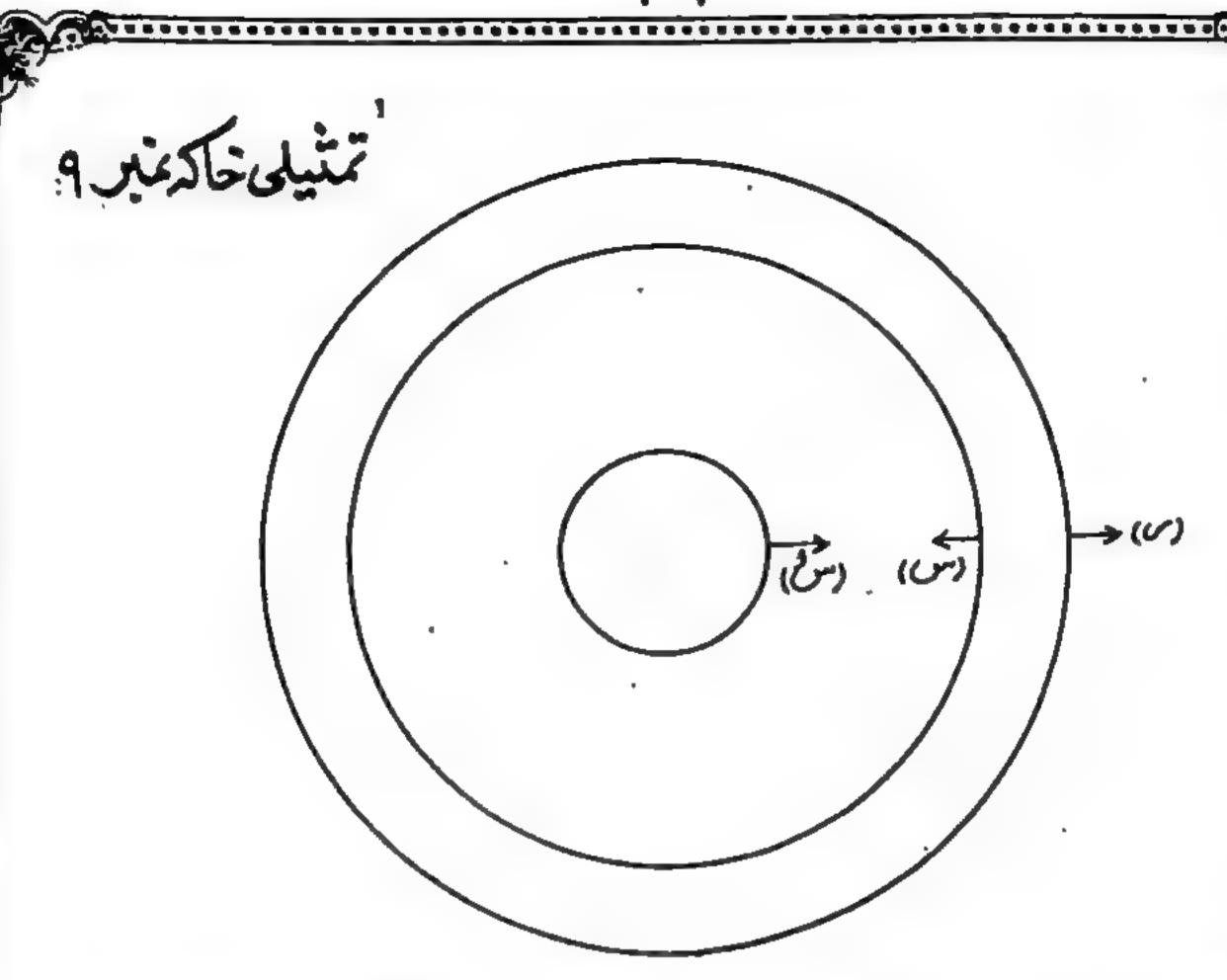
دائرہ (س) تشبیہ ہے۔ دائرہ (ر) کے مرکز میں سبعَ سمٰوٰتِ کا وجود جو ابتداء میں کرسی کے مرکز میں پیدا ہو۔

دائرہ (س۱) تشبیہ ہے سبعَ سمٰوٰتِ کے مرکب و مجموعہ سے۔ اس کے وجود میں سات آسمانوں کا مادہ (MATERIAL) موجود ہے۔ جو آئندہ علت و معلول کی ترتیب پر پیدا ہوں گے۔ یہ وجود کرسی کے مرکز میں پیدا ہوتا ہے۔ اس وجود کی وسعت بھی لاانتہا کا درجہ رکھتی ہے۔ فطری تخلیقی ترکیب کے مطابق سبعَ سمٰوٰتِ کی تقسیم میں پہلے ساتواں آسمان کرسی کے مرکز میں پیدا ہوگا۔ جو خود آسمانِ ششم۔ آسمانِ پنجم۔ آسمانِ چہارم۔ آسمانِ سوئم۔ آسمانِ دوئم اور آسمانِ اوّل کا مجموعہ ہوگا۔ ان کی پیدائش بھی اسی طرح علت و معلول کی صورت میں ہوگی۔ —— ملاحظہ ہو خاکہ تمثیل ۱۰

اس خاکہ میں دائرہ (ر) کرسی میں سات آسمانوں کا خاکہ پیش کیا گیا ہے۔

تمثیلی خاکہ نمبر ۱۰

س۱ آسمانِ اوّل س۲ آسمانِ دوئم س۳ آسمانِ سوئم س۴ آسمانِ چہارم س۵ آسمانِ پنجم س۶ آسمانِ ششم س۷ آسمانِ ہفتم۔

دائرہ (س) تشبیہہ ہے کُرسی سے۔

دائرہ (س۷) تشبیہہ ہے آسمانِ ہفتم سے۔ اور یہ آسمان، آسمانِ ششم کی عِلّت ہے۔ آسمانِ ششم آسمانِ ہفتم کے مرکز میں معلول (پیدا) ہوا۔ اِسی ترتیب کے ساتھ ہر آسمان معلول کی حیثیت میں پیدا ہوتا ہے۔ اور وقت پر خود علّت کی حیثیت اختیار کرکے اپنے وجود سے اپنے مرکز میں ایک معلول پیدا کرتا ہے۔ اِسی طرح آسمانِ ششم کے مرکز میں معلول ہوا۔ آسمانِ پنجم، آسمانِ پنجم کے مرکز میں معلول ہوا۔ آسمانِ چہارم، آسمانِ چہارم کے مرکز میں معلول ہوا۔ آسمانِ سوئم، آسمانِ سوئم کے مرکز میں معلول ہوا۔ آسمانِ دوئم، آسمانِ دوئم کے مرکز میں معلول ہوا۔ آسمان اوّل۔ اور اِسی ترتیب سے سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا

کی طبقہ وار تقسیم ہوئی۔ اور اِس نوری کائنات کی آخری ہیئت آسمانِ یکم ہے جسے آسمانِ اوّل یا آسمانِ دُنیا کہا جاتا ہے۔ اور یہ ایک نوری وجود ہے۔ اِس حال میں کہ ابتدائی تخلیقی ترکیب کے مطابق آسمانِ اوّل میں ایک اور وجود کا پیدا ہونا فطری تخلیقی عمل کے تحت لازم ہے۔ مگر آسمانِ اوّل میں نوری وجود مرکز میں پیدا ہونے کی گنجائش نہیں۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ کہ نورِ مستقل سے لے کر آسمانِ اوّل تک۔ ہر نوری ہیئت' اپنی پیدائش میں' اپنی علت کے مقابلہ میں جزوی، یعنی کمتر قوت رکھتی ہے۔ اِس حیثیت میں' آسمانِ اوّل، نوری کائنات کی آخری اور کمترین درجہ کی ہیئت ہے جس میں آئندہ' اپنے وجود میں نوری معلول پیدا کرنے کی گنجائش نہیں۔ اور اِس مقام پر جب کہ نوری ہیئت میں' نوری وجود پیدا کرنے کی گنجائش باقی نہ رہی۔ لہٰذا آئندہ تخلیقی ترکیب بھی بدل جائے گی۔

واضح ہو کہ گذشتہ تمثیلی خاکوں کی صورت میں تخلیقِ کائنات کا حقیقی تصور عقلی تحقیق سے نہیں بلکہ قرآنی بیان کی روشنی میں پیش کیا گیا۔ جن کی بُنیاد اِنَّ اللّٰہَ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ، کے تصور پر قائم ہوئی ہے۔ آئندہ وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کے تصور کی بُنیاد پر سات آسمانوں کی پیدائشی ترتیب خاکوں کی شکل میں پیش کی گئی۔ آسمانِ اوّل نوری ہیئتوں کی آخری معلول ہیئت قرار دی جاتی ہے جس میں آئندہ نوری معلول پیدا ہونے کی گنجائش نہیں۔ اب جبکہ تخلیق کا مُسلسل جاری رہنا فطری تخلیق کے تابع ضروری ہے۔ تو آسمانِ اوّل سے پیدا ہونے والی ہیئتوں کا تصور بھی قرآنی آیات کی روشنی میں پیش کیا جاتا ہے۔

قرآن نے خود اِس تخلیقی ترکیب کا واضح تصور پیش کیا جس میں سَبْعَ سَمٰوٰتٍ

کی مجموعی ہیئتوں اور اُن کی تخلیق میں آسمانوں کی تقسیم کی ترتیب بیان کی گئی ہے۔ یہ تصور سوائے قرآن کے کسی تحقیق اور کسی دُوسرے علم سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰھُمَا ؕ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ۔

کیا اُن انکار کرنے والوں نے نہیں دیکھا کہ یہ آسمان اور زمین ایک ہی وجود تھے۔ پھر ہم نے انہیں الگ الگ (ANALYSE) کیا۔ پھر ہم نے (زمین میں) پانی سے ہر شے کو متحرک و محسوس کیا۔ اِس بیان میں سمٰوٰت سے مُراد سات آسمان ہیں۔ رَتْقًا میں سات آسمانوں کی مجموعی ہیئت کا اِبتدائی تصور دیا گیا ہے (جو کہ تمثیلی خاکوں (ر) اور (س) کے تشبیہی دائروں کی صورت میں خاکہ نمبر ۱ میں دکھایا گیا) اور سات آسمانوں کی مجموعی ہیئت میں، آسمانوں کی تخلیقی ترکیب کو فَفَتَقْنٰھُمَا[۱] کی تخلیقی ترتیب میں پیش کیا گیا۔ یہ ترتیب فَتَقٌ سے اَخذ کی گئی۔ فَتَقٌ حکمت کی رُو سے کسی مجموعی ہیئت سے اُس کی جُز کے خارج ہونے کی ایک ترکیب ہے جیسے ایک پیالے کے سوراخ سے قطرہ پیالے سے جُدا ہونے پر مخرُوطی شکل میں گرتا ہے۔ یعنی ایک وجُود سے اُس کی جُز کا مخروطی شکل میں خارج ہونا۔ یہی ترتیب آسمانوں کی پیدائش میں کارفرما رہی۔ کہ آسمانِ ہفتم سے آسمانِ ششم اُس کے جُز کی حیثیت میں اُس کے مرکز میں پیدا ہُوا۔ اور ہر آسمان اِسی ترتیب کے ساتھ اپنی علّت کے مرکز میں ظاہر ہوتا رہا۔ اور یہی ترتیب آسمانِ اَوّل کی پیش کی گئی۔ کہ آسمانِ اَوّل کے مرکز میں بجائے

۱۔ ملاحظہ ہو خاکہ ۱، صفحہ نمبر ۱۸۷

ایک نوری وجود کے ایک سے زائد ہیولے نکلنے شروع ہوتے۔ اس ترتیب میں فتق کی اصل ترتیب بیان کی گئی۔ کہ یہ ہیولے آسمانِ اوّل سے خارج ہو کر مخروطی شکل میں فضائے آسمانی (آسمانِ اوّل) میں معلق ہوتے گئے۔ اِن ہیولوں کی شکل مخروطی گول ہونا ثابت ہے۔ اِس کیفیت کا قرآن نے ایک علیحدہ تصور پیش کیا۔ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ[1]۔ اور البتہ سجایا ہم نے آسمانِ اوّل کو چراغوں سے۔ ایک دوسری جگہ پر اِسی کیفیت کو اور وضاحت سے بیان کیا۔ اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ نِ الْكَوَاكِبِ ٥۔ اور ہم نے زینت دی آسمانِ دنیا کو سیاروں اور ستاروں سے۔ یہ ستارے (ہیولے) آسمانِ اوّل کے مرکز کے مقام پر خارج ہو کر اسی آسمان کی فضا میں معلق ہوتے رہے۔ اور اِسی طرح تخلیقی عمل کا سلسلہ جاری رہا۔ کہ ہر سیارے میں بھی تخلیقی عمل کے تابع علت و معلول کی صورت میں اُس کی اپنی قوتِ تقسیم (ANALYSE) ہوتی رہی۔ لہٰذا اِسی اصول کے تحت ہر ہیولے (سیارے) سے جتنی اُس میں معلول پیدا ہونے کی گنجائش تھی۔ مزید سیارے معلول ہو کر اِس وجود سے باہر فضائے آسمانی میں معلق ہوتے گئے۔ اِس عمل میں "فتق" کا طریق کار فرما رہا۔ کہ ہر سیارے سے اُس کے اجزاء تناؤ اور پھیلاؤ کے اثر کے تحت (PUSH & PULL) جُدا ہو کر فضائے آسمانی میں پھیلتے رہے۔ اِس مقام پر تناؤ اور پھیلاؤ کی وضاحت ضروری ہے۔ کہ PUSH & PULL سے کیا مراد لی جاتی ہے؟ مغربی محققین کی تحقیق سے بھی یہ امر ثابت ہے،

---

[1] (پارہ - ۲۹، سورہ - ۶۷، آیت ۵)

کہ غالب ناری وجود میں "منفی" ـــــ "مثبت" یعنی NEGATIVE – POSITIVE
قوتیں پائی جاتی ہیں۔ اِن قوتوں کے مرکب کو "برق" (ELECTRICITY) سے موسوم
کیا گیا۔ اِن دونوں قوتوں میں حرکت و رفتار پائی جاتی ہے۔ جو دو مختلف (مخالف) سمتوں
میں جاری رہتی ہے۔ ناری وجود، نوری وجود ہی کی جز (ملوُل) ہے۔ لہٰذا نوری وجودوں
میں بھی اِن دو قوتوں یعنی PUSH & PULL کا پایا جانا یقینی ہے۔ ان دو قوتوں
کے آپس میں ٹکراؤ سے دھماکہ پیدا ہوتا ہے۔ جس کے اثر کے تحت ایک وجود سے
اجزار بکھر کر الگ ہوتے ہیں۔ پس ظاہر ہُوا کہ یہی "منفی" "مثبت" قوت سبب بنتی ہے۔
کسی وجود سے اُس کے اجزار خارج کرنے کا۔ اور انہی قوتوں میں کھنچاؤ اور پھیلاؤ
کا اثر پایا جاتا ہے کہ ایک قوت (PUSH) کسی وجود کے جز پر دباؤ ڈال کر اُس
کو باہر دھکیل دیتی ہے۔ اور دوسری قوت (PULL) اِس جز کو بازگشت میں واپس
کھینچتی ہے۔ اِن دو کیفیتوں کو ایک ناری وجود کی تپش (HEAT) اور کشش
(GRAVITATION) کا اثر تصور کیا جاتا ہے۔ یہ امر محقق ہے۔ کہ ہر ناری نوری
وجود میں تین کیفیتیں یعنی روشنی (LIGHT) تپش (HEAT) اور کشش
(GRAVITATION) پائی جاتی ہے۔ تپش (HEAT) اور کشش (GRAVITATION)
کی اِن قوتوں میں تناؤ اور پھیلاؤ یعنی PULL & PUSH کا اثر پایا جاتا ہے۔
لہٰذا تپش (HEAT) کے اثر سے ایک وجود (جز) اپنی علت سے جُدا ہو کر
تیز رفتاری کے ساتھ فضائے آسمانی میں پرواز کرتا ہے۔ اِس کے
ساتھ ہی کشش (GRAVITATION) کا اثر بھی کارفرما رہتا ہے۔ جس میں کسی چیز کو
کھینچ لینے (PULL) کی خاصیت پائی جاتی ہے۔ لہٰذا تپش (HEAT) کی (PUSH

کے زیرِ اثر خارج ہوئے وجود کو (منفی) کشش (GRAVITATION) واپس کھینچ لیتی ہے۔ ایسی صورت میں ایک خارج ہوئے وجود پر جہاں تک PUSH کا اثر طاری رہتا ہے، یہ وجود دُور تک پرواز کرتا ہے۔ اس کے برعکس PULL کی قوت اسے کھینچتی رہتی ہے یہاں تک کہ PUSH کی قوت مدغم (NEUTRALISE) ہونے پر یہ وجود، دونوں قوتوں کے اثر میں محصور ہو کر ایک جگہ قرار (EQUILIBRIUM) پاکر PUSH & PULL کے عمل سے ایک مدار میں گردش کرنے لگ جاتا ہے۔

اِس وجود کا گردش کرنا محض ان دُو قوتوں کے زیرِ اثر ہوتا ہے۔ اور یہ دونوں قوتیں ایک معلول وجود کی علت سے خارج ہو کر اس معلول پر ہر لمحہ اثر انداز رہتی ہیں۔ ایک قوت PUSH کا اثر ڈالتی رہتی ہے۔ اور دوسری PULL کا اثر ڈالتی رہتی ہے جس کے نتیجہ میں اِس وجود کی گردش لازمی طور پر دُو نوعیتوں کی ہو جاتی ہے لے پہلی نوعیت میں

حاشیہ لے

NEGATIVE – POSITIVE (منفی۔مثبت) برقی قوتوں کے زیرِ اثر ستاروں کی گردش ملاحظہ ہو خاکہ۔ عـ ۱

عـ ۱ آسمانِ اوّل کا فرضی مرکزی دائرہ

عـ ۲ سورج اور عـ ۳ زمین

(سلسلہ حاشیہ صـ ۱۹۳)
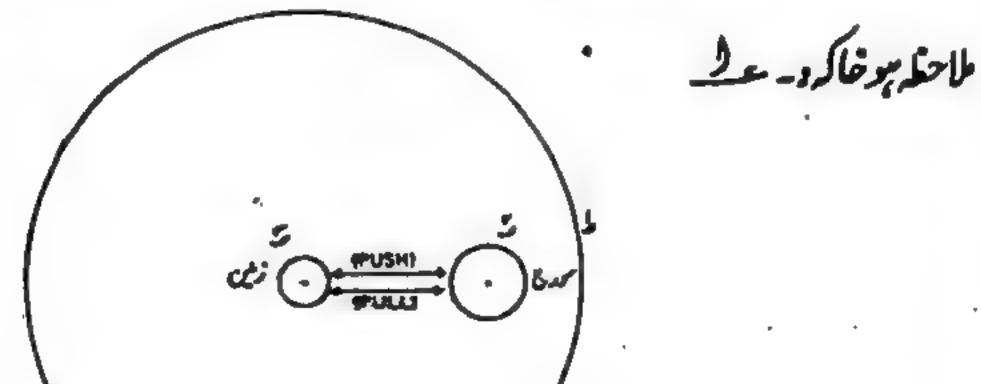
یہ وجود اپنے محور میں گردش کرتا ہے۔ اور دوسری نوعیت میں اپنی علّت کے ——— PULL & PUSH کے زیر اثر ایک دائرے کی شکل مدار (ORBIT) میں گردش کرتا ہے۔ آسمانِ اوّل میں ہر معلول سیارے کی یہی ترتیب ہے۔ کہ آسمانِ اوّل سے منفی۔ مثبت قوتوں کے ٹکراؤ سے دھماکہ پیدا ہوتا ہے جس

بسلسلہ حاشیہ صفحہ ۱۹۲:۔ سورج میں فطری تخلیقی عمل کے تحت برقی قوت سے دھماکہ ہوا اور ایک ٹکڑا (زمین) PULL & PUSH کے زیر اثر سورج سے الگ ہو کر لاکھوں میل دور فضائے آسمانی میں نکلا۔ اور PULL & PUSH کے عمل کے تحت ایک مقام پر اس ٹکڑے (زمین) کی رفتار ختم ہو گئی اور زمین فضائے آسمان میں معلق ہو گئی۔ PULL & PUSH کی قوتوں کے زیر اثر زمین میں دو نوعیت کی گردشیں پائی جاتی ہیں۔

پہلی نوعیت میں زمین اپنے محور کے گرد گھومتی ہے۔ (جیسے کہ لٹو گھومتا ہے) اور دوسری نوعیت میں زمین سورج سے ایک مخصوص فاصلے پر ایک دائرے نما مدار (ORBIT) میں چکر کاٹتی ہے۔ یہ تخلیقی عمل آسمانِ اوّل کے مرکز میں پیدا شدہ ہر ستارے میں پایا جاتا ہے۔ کہ ہر ستارہ اپنی دو قوتوں (PULL & PUSH) کے زیر اثر محو گردش ہے۔ اس لیے فطری تخلیقی عمل کے تابع ہر ستارہ اپنی ایک علّت سے پیدا ہوتا ہے۔ اور اپنی علّت کے گرد اسی طرح گردش کرتا ہے۔ چونکہ یہ ستارے جسامت میں لاانتہا وسعت اور تپش کے حامل ہیں۔ ان کی گردش کی رفتار اور زمانہ کا تعین نہیں ہو سکتا۔ چونکہ یہ مجسّم ناری ستارے ہیں۔ ان کی ایک گردش کبھی سالہا سال میں پوری ہو سکتی ہے۔ لہٰذا اس تخلیقی عمل کے تابع یہ امر طے شدہ ہے۔ کہ ہر ستارہ اپنی علّت کے گرد ہی گردش کرتا ہے۔ لہٰذا کوئی ستارہ

سے ایک وجود میں سے اس کے اجزاء بکھر کر فضائے آسمانی میں PULL & PUSH کی قوتوں میں محصور ہو کر محوِ گردش ہوتے ہیں ــــــ جیسا کہ بیان ہُوا کہ ان نوری ہیئتوں کی تخلیق میں، ہر وجود اپنی علت کے مرکز میں قرار کرتا رہا یہاں تک کہ ان نوری ہیئتوں کی آخری ہیئت (آسمانِ اوّل) آسمانِ دوئم

سلسلہ حاشیہ صــ ۱۹۳

ساکن نہیں۔ اور آسمانِ اوّل کے ہر ستارے کی گردش میں ــــ ہر سیّارہ اپنی جلو میں اربوں ستاروں کے ساتھ گردش کرتا ہے۔ اسی گردش میں۔ سُورج اور زمین کی گردش کا ایک کائناتی عمل برابر جاری ہے ــــ ملاحظہ ہو سُورج کے گرد زمین کی محوری (چوبیس گھنٹے) گردش کا خاکہ تمثیلی عــ (ب)

عــ۱ سُورج ــــ عــ۲ زمین کا رُوشن حصّہ۔ عــ۳ زمین کا اندھیرا حصّہ ــــــ

عــ۴ زمین کی محوری گردش کی ترتیب۔

فطری تخلیقی ترتیب کے مطابق سُورج اپنے متعیّنہ مدار (ORBIT) میں معلّق ہے۔ اور زمین سُورج سے کروڑوں (نو کروڑ) میل دُور اپنے مدار (ORBIT) میں PULL & PUSH کی قوت کے زیرِ اثر سورج کی کشش میں لٹّو کی مانند۔ چوبیس گھنٹے کی ایک گردش پورا کرتی ہے جس سے زمین پر دِن اور رات کی کیفیت پیدا ہوتی ہے یعنی سُورج کی روشنی زمین پر وَارِد ہونے سے "دِن" کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ اور "رات" خود زمین کی پیدا شدہ کیفیت ہے۔ جو ہر لحہ زمین پر محیط رہتی ہے۔ (سلسلہ دیکھو حاشیہ ۱۹۵)

کے مرکز میں وجود پذیر ہوئی ـــــ اور تخلیقی عمل کے مطابق آسمان اوّل میں آئندہ نوری وجود پیدا ہونے کی گنجائش باقی نہ رہی۔ لہٰذا اِس مقام پر تخلیقی ترتیب کا بدلنا لازم ہوا۔ وہ یہ کہ آسمانِ اوّل کے مرکز میں بجائے نوری وجود پیدا ہونے کے۔ نوری قوت سے کمتر ہیئت کی شکل میں۔ کثیر تعداد

واضح ہو کہ زمین کائنات ـــ اور آسمانِ اوّل میں پیدا شدہ وجودوں کی آخری تنزلی ہیئت ہے ـــ اور زمین میں پیدا شدہ خاکی ہیئتیں بھی تخلیق کی آخری کیفیتیں ثابت ہیں ـــ محققین کے نزدیک۔ زمین سورج کی جز ثابت ہے۔ وجودی اعتبار سے۔ ابتدا میں زمین ناری کُرہ کی ہیئت میں تھی۔ اُس زمانہ میں ۔زمین پر۔ دن ۔اور رات کی کیفیت نہیں پائی جاتی تھی ـــ اور جب زمین خاکی ہیئت میں تبدیل ہو گئی۔ تو اُس کی ناری قوت (روشنی) بھی مختلف گیسوں میں تقسیم ہو کر۔ آخری تنزلی (ULTIMATE STATE) ہیئت میں تبدیل ہو گئی۔ اِس ہیئت کو "ظلمت" (DARKNESS) سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ کیفیت چونکہ زمین کی پیداوار ہے۔ اس لیئے یہ ظلمت زمین کی روشنی کی جگہ تمام زمین پر چھا گئی۔ اِس تخلیقی عمل سے یہ واضح ہے کہ زمین فطری طور پر "ظلمت" میں گھری ہوئی ہے۔ جبکہ اِس پر روشنی کا وجود موجود نہیں ۔لیکن چونکہ زمین پر اِس کی پیدائش کے ساتھ ہی۔ سورج کی نوری شعاعیں وارِد ہوتی رہیں ۔لہٰذا زمین کی۔ محوری گردش میں۔ زمین کا جو حصہ سورج کی شعاعوں کی زد میں آتا ہے۔ اُس حصہ پر زمین کی "ظلمت" ـــ سورج کی روشنی میں جذب ہو کر غیر محسوس ہوتی رہی ۔ اور زمین کا یہ حصہ روشن ہوتا ہے۔ اِس کیفیت کو "دن"۔ (DAY) سے موسوم کیا گیا ـــ اور زمین کے عقبی حصہ پر چونکہ۔ زمین خود سورج کی شعاعوں میں (سلسلہ دیکھو حاشیہ ص۱۹۶)

ہیولے (ناری شعلے) پیدا ہوئے —— چونکہ کائنات کا تخلیقی سلسلہ فطری طور جاری رہنا لازمی ہے۔ لہذا۔ ہر ہیولے (ستارہ) میں اجزاء خارج ہونے کی جتنی گنجائش ہوگی اُسی قدر ان ستاروں سے اجزاء (ستارے) خارج ہو کر ہر ستارہ اپنی علت کی PULL & PUSH کی قوت کے زیر اثر محو گردش

حائل رہی۔ اس لیئے زمین کے اس حصہ پر ابتداء سے ہی ظلمت (اندھیرا) کی کیفیت طاری رہی۔ اس کیفیت کو "رات" (NIGHT) سے موسوم کیا گیا۔

واضح ہو کہ سورج کی شعاعوں کا یہ عمل زمین کی ابتدائی پیدائش سے شروع تھا۔ کہ زمین پر سورج کی شعاعیں مسلسل وارد ہوتی رہیں۔ سورج کی شعاعوں کا یہ فطری عمل ہے۔ کہ یہ شعاعیں سورج سے نکل کر کروڑوں میل PUSH & PULL کے زیر اثر فضا میں پھیلتی جاتی ہیں۔ ان میں سے کچھ زمین سے ٹکرا کر زمین کو روشن کرتی ہیں۔ اور کچھ زمین کے اطراف سے آگے نکل کر فضا میں پھیل جاتی ہیں —— ان شعاعوں کا اثر "منفی" (NEGATIVE) اور "مثبت" —— (POSITIVE) ہوتا ہے۔ اس اثر کے تابع۔ شعاعیں زمین سے ٹکرا کر واپس سورج کی طرف لوٹ جاتی ہیں۔ یہ جاننا ضروری ہے۔ کہ زمین پر وارد ہونے والی شعاعیں لہروں کی شکل میں زمین تک پہنچ کر آناً فاناً واپس لوٹ جاتی ہیں۔ ان شعاعوں کا زمین پر مستقل قیام نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک سیکنڈ کے قلیل حصہ میں زمین سے ٹکرا کر واپس لوٹ جاتی ہے۔ لیکن سورج سے روشنی کی مسلسل تیز رفتاری میں زمین پر پہنچنے والی شعاعوں کی آمد و رفت کا ادراک نہ ہونے کے سبب ہم زمین پر مستقل حالت میں روشنی کو ایک ہی حالت میں قرار کیا ہوا محسوس کرتے ہیں —— یہ شعاعیں "نور" —— سے بھی موسوم ہوتی ہیں۔ جن سے زمین

لے گا ـــــ یہاں پر یہ واضح رہے۔ کہ یہ فطری تخلیقی عمل کے تابع نوری وجود اجزاء میں تقسیم (ANALYSE) ہوتے ہیں۔ اِس حال میں کہ معلول وجود پیدا ہونے کے ساتھ علت کا وجود بھی باقی رہتا ہے ـــــ اور ہر معلول اپنی علت کے

سلسلہ حاشیہ ص۱۹۶

روشن ہوتی ہے۔ لیکن یہ امر محقق و مسلمہ ہے۔ کہ زمین کا تمام وجود۔ زمین کی اپنی (نوری تنزلی کیفیت) "ظلمت" سے گھرا ہُوا ہے ـــــ اور وہ حصّہ جو سورج کی روشنی کی زد میں آکر روشن ہو جاتا ہے۔ حقیقتاً اِس حصّہ پر بھی زمین کی ظلمت کی کیفیت موجود ہے۔ لیکن سورج کی روشنی کی زد میں آنے سے۔ اِس ظلمت کو محسوس نہیں کیا جاتا۔ مثال کے طور پر۔ اگر سورج کی روشنی کی زد میں آنے والے حصّہ کو دیواروں سے ڈھانپ دیا جائے۔ اِس حال میں کہ روشنی کو زمین تک پہنچنے کا راستہ نہ ملے۔ تو یہ حصّہ اندھیرا محسوس ہو گا۔ یعنی اِس حصّہ پر زمین کی اپنی پیدا شدہ ظلمت محسوس ہو گی۔ اِس عمل سے یہ واضح ہے۔ کہ "کائنات" کی تخلیق میں اِس کی ابتداء "نور" سے ہوتی ہے۔ اور اسکی انتہا "زمین" ـــــ اور "نور" کی آخری تنزلی ہیئت "ظلمت" پر ختم ہوتی ہے۔

زمین کی محوری (چوبیس گھنٹہ کی) گردش کے بعد ملاحظہ ہو زمین کی مدوری (سالانہ) گردش کا خاکہ

خاکہ تمثیلی ص(ج)
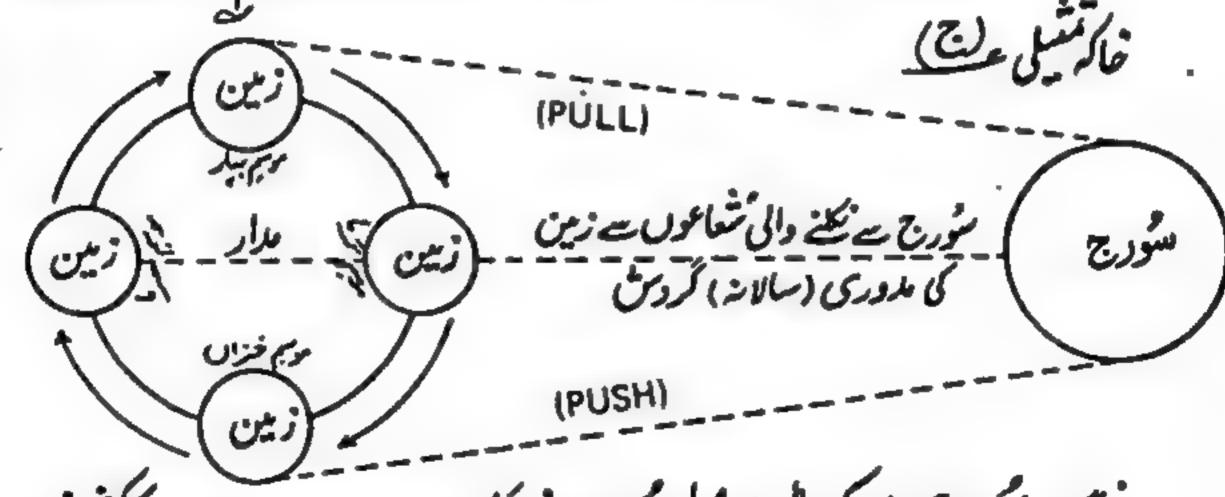
زمین سورج سے کروڑوں میل دُور اپنے مدار پر PUSH & PULL کی کشش کے زیرِ اثر سورج کے گرد ایک سال میں ایک گردش پوری کرتی ہے جس سے زمین پر چار موسم (سلسلہ حاشیہ ص۱۹۸)

لے ملاحظہ ہو بر ص۱۹۹

مقابلہ میں کمتر درجہ ہیئت رکھتا ہے۔ آسمانِ اوّل نوری وجودوں کی کمترین درجہ ہیئت ہے۔ اور آسمانِ اوّل سے پیدا شدہ ستارے بھی اِسی طرح نوری آسمانِ اوّل سے کمتر درجہ کی ہیئت اختیار کرتے ہیں۔ چونکہ اِن کے خالص نوری وجود نہیں۔ اِس لئے ایسے وجود "ناری" ہیئت تصور کئے جاتے ہیں۔ اِن وجودوں میں بھی تپش۔ اور کشش ــــــــ اپنی عِلّت سے ورثہ میں آتی ہیں۔ اور آئندہ ان

---

(۱) موسم بہار (SPRING SEASON) (۲) موسم گرما (SUMMER SEASON)
(۳) موسم خزاں (AUTUMN SEASON) (۴) موسم سرما (WINTER SEASON)
بنتے ہیں۔

خیال رہے۔ کہ علمائے علمِ الہئیت۔ زمین کی مدوری (سالانہ) گردش کا جو خاکہ پیش کرتے ہیں۔ تخلیقی عمل کی رُو سے اِس خاکہ کی ترتیب درست نہیں جیسے (خاکہ)
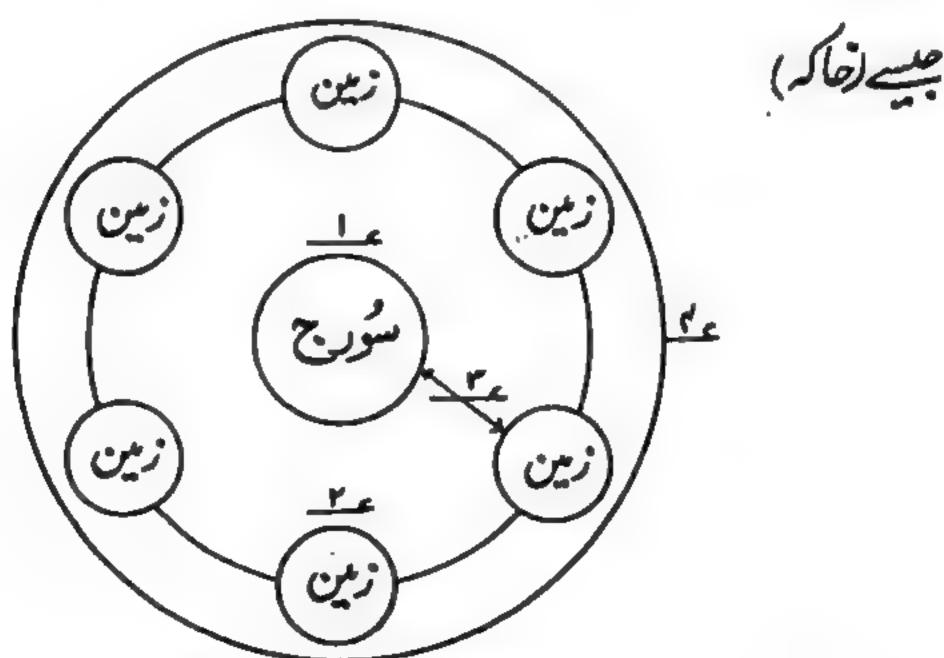
(۱) سُورج کا مقام مدار کے مرکز میں دکھایا گیا ہے۔

(دیکھو سلسلہ حاشیہ صہ ۱۹۹)

ناری وجودوں سے جو اجزاء معلول (پیدا) ہوں گے۔ وہ بھی "ناری" ہیئت میں پائے جائیں گے۔ البتہ ہر معلول وجود (سیارہ) اپنی علت کے مقابلہ میں، روشنی ـــــ تپش ـــــ اور کشش میں کمتر قوت کا حامل ہوگا۔

اس سلسلہ میں آسمانِ اوّل میں تخلیقی عمل سے ستاروں کی پیدائش کا خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو خاکہ تمثیلی نمبر ۱۱ صـ۲۰۰

بسلسلہ حاشیہ صـ۱۹۸

ع۲ زمین کی گردش کا مدار۔ سورج کے گرد۔ دائرہ (CIRCLE) کی شکل میں دکھایا گیا ہے۔

ع۳ سورج اور زمین کے درمیان متوازی فاصلہ نو کروڑ میل کی مسافت ہے۔

ع۴ دائرے کی صورت میں۔ سورج کے گرد زمین کی گردش کا فاصلہ بھی کروڑوں میل کی مسافت میں بنتا ہے۔ جو فاصلہ زمین بارہ ماہ کی گردش میں پورا نہیں کر سکتی۔ اس لیے علمائے علم الہیئت کا مرتب کردہ خاکہ درست نہیں۔ اصل خاکہ صـ۱۹۷ پر دیا گیا۔

بسلسلہ حاشیہ صـ۱۹۷

ع۱ اس کی تفصیل یہاں بیان کی جاتی ہے۔ دراصل یہ موسمی تبدیلی زمین سے تعلق نہیں رکھتی۔ بلکہ سورج کے فاصلہ پر واقع فضا میں دوری کے سبب موسم گرما۔ موسم خزاں۔ موسم بہار۔ موسم سرما کے اثرات ہوتے ہیں ـــ جن فضاؤں میں زمین اپنی گردش میں گزرنے سے۔ فضا کے اثر ـــ گرما کی فضا سے موسم گرما۔ خزاں کی فضا سے موسم خزاں۔ سرما کی فضا سے موسم سرما۔ اور بہار کی فضا سے موسم بہار کا اثر قبول کرکے۔ زمین ان فضاؤں سے متاثر ہوتی ہے۔ بجائے خود یہ موسم زمین سے تخلیق نہیں ہوتے۔ سوائے اسکے کہ زمین پر ان فضاؤں کا اثر محسوس ہوتا ہے۔

تمثیلی خاکہ نمبر ۱۱

دائرہ (ص) تشبیہ ہے۔ آسمانِ اوّل سے۔ جو یکسر نوری ہئیت کا وجود ہے۔
دائرہ (ص ا) تشبیہ ہے۔ آسمانِ اوّل کے مرکز کے فرضی دائرہ سے۔

چونکہ فطری تخلیق کے تابع ہر وجود اپنی علّت کے مرکز میں پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے آسمانِ اوّل میں پیدا ہونے والے وجود (ہوں گے۔ سیّارے) بھی اُس کے مرکز میں ہی پیدا ہونگے جبکہ بقیہ فضا یکسر نوری ہوگی۔ اور مرکز میں خارج ہونے والے سیّارے چونکہ کمتر ہئیت کے حامل ہیں۔ اسلئے آسمانِ اوّل کا مرکزی مُقام بقیہ آسمانی فضا کے مقابلے میں کمتر درجہ کی قوت کا حامل ہوگا۔ اور جوں جوں اس مرکزی فضا میں مرکزی نقطہ کی طرف سے ہوں گے (سیّارے) خارج ہونگے۔ ویسے ہی مرکزی مُقام کی طرف (مرکزی) فضائے آسمانی بھی ناری ہئیت اختیار کرتی جائے گی۔ اس حال میں کہ یہ مرکزی مُقام دراصل آسمانِ اوّل ہی کا وجود ہے۔ لیکن تخلیقی عمل کے تحت مرکز میں ناری معمُول سیّارے پیدا ہوتے کی صُورت میں اس آسمان کی ہئیت ناری تصوّر کی جائے گی (ملاحظہ ہو خاکہ تمثیلی ۱۲)

دائرہ (ص) تشبیہہ ہے۔ آسمانِ اوّل سے۔

دائرہ (ص ۱) تشبیہہ ہے۔ آسمانِ اوّل کے فرضی مرکز سے

چونکہ آسمانِ نوری (اوّل) کی وسعت لا انتہا کا درجہ رکھتی ہے۔ اسلئے اس کا مرکز بھی لا انتہا وسعت کا حامل ہوگا۔ جس میں انسانی مشاہدہ میں آنے والے لاتعداد سیارے واقع ہیں۔ اس فرضی فضا کی وسعت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے۔ کہ جب ہمارے دو قریبی سیاروں کا درمیانی فاصلہ اربوں میل ہے۔ تو ان لاتعداد سیاروں کے درمیان اسقدر زیادہ فاصلہ پایا جاتا ہے۔ کہ اس کی وسعت کا اندازہ میلوں میں نہیں کیا جا سکتا۔ یہ انسانی مشاہدہ میں آنے والے قریبی سیارے ہیں جن کی درمیانی مسافت لاتعداد ہے۔ ع

"ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں"

اس سے ماوریٰ اور بھی سیارے ہیں جن کا درمیانی فاصلہ اَن گنت ہے۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۲۰۲ خاکہ ۱۳)

تمثیلی خاکہ نمبر ۱۳

دائرہ (ص ۱) صفحہ نمبر ۱۰ خاکہ نمبر ۲ اپر آسمانِ اوّل کے مرکز کا فرضی دائرہ تصور کیا جاتا ہے۔
دائرہ (ط) فرضی مرکزی دائرہ میں پیدا ہونے والے ناری ہیولے (سیّارے) جو ابتداءً آسمانِ اوّل سے PUSH & PULL کے زیرِ اثر پیدا ہوتے ہیں۔ اِن کی ترتیب پیدائش قرآنی آیت فَفَتَقۡنٰهُمَا۔ کی ترکیب پر فَتَقَ (خارج) ہوئی۔ جن کی ہیئت مخروطی شکل کی ہے۔ اور آئندہ (ط) سیاروں میں سے سیارے فَتَقَ (خارج) ہو کر مرکزی نقطہ کی طرف پھیلتے چلے جائیں گے۔ ملاحظہ ہو صفحہ نمبر ۲۰۳ خاکہ تمثیلی ۱۴

ك ◯⟷◯ آسمانِ اوّل کے دو ابتدائی ستارے جن کی اپنی جسامت طول و عرض لاانتہا وسعت کے حامل ہیں۔ اور جن کا درمیانی فاصلہ اربوں میلوں سے گزر کر لاانتہا مسافت میں پایا جاتا ہے۔ اسی طرح ہر ستارے کا درمیانی فاصلہ لاانتہا وسعت کا حامل ہے۔

تمثیلی خاکہ نمبر ۱۴

دائرہ (ص ا) آسمانِ اوّل کے مرکز کا فرضی دائرہ ہے۔

دائرہ (ط) آسمانِ اوّل کے فرضی مرکزی دائرہ میں پیدا ہونے والے ابتدائی ہیولے (سیارے)

دائرہ (ظ) ابتدائی ہیولوں (ط) سے فتق (خارج) ہونے والے سیارے جو مرکز کی طرف پھیلتے ہیں۔

اِس خاکہ میں اِن ہیولوں (سیاروں) کی وسیع جسامت کی نشاندہی بوجہ وسعت نہ ہونے کے فرضی نشانوں سے ظاہر کی جاتی ہے۔ چونکہ کاغذ کی سطح پر یہ ممکن نہیں کہ اِن تمام سیاروں کا خاکہ اصلی حالت میں کھینچا جاسکے۔ مزید برآں اِن سیاروں کے ہیولے بھی لاتعداد گنتی میں لا انتہا جسامت، روشنی، تپش، کشش کے حامل، وسیع فضائے آسمانی میں پھیلے ہوئے ہیں۔ جن کی تعداد، جسامت طول وعرض وغیرہ لامحدود حد تک وسیع تصوّر کیے جاتے ہیں۔

(ملاحظہ ہو صفحہ نمبر ۲۰۴۔ خاکہ تمثیلی ع۱۵)

(ط د) آسمانِ اوّل کے مرکز میں ایک ستارہ "سورج" کی نشاندہی کرتا ہے جو اِس مقام پر لاتعداد، اَن گنت ستاروں میں سے ایک نظر آنے والا ستارہ ہے۔

(ط ر) آسمانِ اوّل کے عین مرکزی نقطہ کے مقام پر ستارہ "اَلْاَرْضِ" "زمین" کی نشاندہی کرتا ہے۔ یہ ستارہ بھی آسمانِ اوّل میں واقع ہے۔ باقی ستاروں میں اس کی کوئی علیحدہ حیثیت نہیں جو آسمان سے باہر ہو۔

(ط س) آسمانِ اوّل کے مرکزی نقطہ (زمین) کے قریب کا ستارہ، جو "چاند" ☼ کے نام سے موسوم ہے۔

مثالی نقطے آسمان میں پھیلے ہوئے لاتعداد ستاروں کی نشاندہی کرتے ہیں۔

(ص ا) آسمانِ اوّل کے مرکز کا فرضی دائرہ۔

(ط) دائرہ فرضی جہاں آسمانِ اوّل کے مرکز سے ابتدائی سیارے نکلتے ہیں۔

(ظ) دائرہ فرضی جہاں (ظ) سیاروں سے نکلے ہوئے سیارے فضا میں معلّق ہیں۔
(ظ ا) دائرہ فرضی جہاں (ظ) سیاروں سے نکلے ہوئے سیارے فضا میں معلّق ہیں۔
(ظ ب) دائرہ فرضی جہاں (ظ ا) سیاروں سے نکلے ہوئے سیارے فضا میں معلّق ہیں۔
(ظ ج) دائرہ فرضی جہاں (ظ ب) سیاروں سے نکلے ہوئے سیارے فضا میں معلّق ہیں۔
یہ فرضی دائرے آسمانِ اوّل کے مرکز میں واقع سیاروں کی نشاندہی کرتے ہیں۔
جیسا کہ خاکہ نمبر ۱۴ (صفحہ نمبر ۲۰۳) میں ابتدائی سیاروں کی نشاندہی کی گئی ہے۔
اسی انداز سے باقی دائروں پر معلول در معلول سیاروں سے نکلے ہوئے سیارے نکلتے رہے۔ اور یہ سب سیارے آسمانِ اوّل کے مرکزی نقطہ کی طرف پھیلتے رہے۔ یہاں تک کہ آسمانِ اوّل کے عین مرکزی نقطہ پر، جو ستارے انسانی نظروں کے مشاہدہ میں آتے ہیں (اپنے سے) اوپر کے ستاروں سے معلول ہو کر ایک لا انتہا وسعتِ آسمانی میں معلّق ہوتے گئے۔ ان سیاروں میں معروف سیارہ "سورج" (جو مشتری کے ایک عظیم ستارے سے معلول ہوا۔) (ظ د) وجود میں آیا۔ اس سورج سے بھی کئی ستارے معلول ہوئے جن میں معروف ستارے زہرہ، مشتری، زحل، مریخ، عطارد وغیرہ انسانی علم میں آچکے ہیں۔ ان کے علاوہ ایک مخصوص و مشہور ستارہ سورج سے معلول ہوا۔ جو الارض (ظ ر) "زمین" کے نام سے موسوم ہے۔ اسی طرح ایک اور ستارہ جو انسانی علم و مشاہدہ میں آچکا ہے۔ اس کا نام "قمر" (چاند) ہے۔ علم الہیئت کے مفکرین اس "چاند" کو "زمین" کا معلول قرار دیتے ہیں۔ گویا سورج، چاند، زمین اور دیگر ستارے، آسمانِ اوّل کے مرکزی نقطہ پر واقع آسمان کے ستارے شمار ہوتے ہیں۔ اور جس طرح آسمانِ اوّل، نور کی آخری کمترین ہیئت تصوّر کی جاتی ہے۔ اسی طرح پر تحقیق ہے۔ کہ زمین، آسمانِ اوّل کے عین مرکزی

نقطہ پر واقع ناری ستاروں کی آخری معلول ہیئت ہے اور فطری تخلیقی عمل کے تحت اس وجود (زمین) سے بھی اس کے اجزا معلول ہونا ضروری ہیں۔

خاکہ تمثیلی نمبر ۱۵ (ص[1]) آسمانِ اول کے مرکز کا فرضی دائرہ ہے جس میں سیاروں کے مقامات کی فرضی نشاندہی کی گئی ہے۔ یعنی ابتدائی سیارے جو بیرونی دائروں پر دکھائے گئے ہیں۔ ان کی جسامت تپش، روشنی وغیرہ لاانتہا درجہ وسیع ہے۔ اور ان ستاروں کی تعداد، اور درمیانی مسافت لاتعداد، لاانتہا کا درجہ رکھتی ہے۔ ان ستاروں سے مسلسل معلول سیارے خارج ہو کر مرکز کی طرف پھیلتے جاتے ہیں۔ البتہ جوں جوں یہ ستارے مرکز کی طرف پیدا ہوں گے۔ ان کی جسامت، تپش، روشنی اپنی علتوں کے مقابلہ میں کم ہوتی جائے گی۔ یہاں تک کہ آسمانِ اول کے مرکزی نقطہ کے قریب ستارے جسامت اور قوت میں کمتر پائے جاتے ہیں۔ جن میں ایک ستارہ سورج (الشمس) کے نام سے مشہور ہے۔ اور پھر سورج سے بھی تخلیقی عمل کے تحت مزید معلول خارج ہوتے۔ جن میں مشتری، زحل، عطارد، مریخ اور قمر جیسے مشہور سیارے شامل ہیں۔ ان ستاروں میں زمین ایک سیارہ ہے۔ جو آسمانِ اول کے عین مرکز میں واقع ہے۔ اس لئے زمین پر باقی ستاروں کے مقابلہ میں تخلیقی عمل زیادہ نمایاں محسوس ہوتا ہے۔ وہ یوں کہ عین مرکز میں ہونے کی وجہ سے اس پر آسمانی ناری فضا کا بہت کم اثر پڑتا ہے۔ بایں وجہ زمین کی ناری ہیئت تقسیم ہو کر خاکی ہیئت میں تبدیل ہوئی۔ خاکی ہیئت میں تبدیل ہونے کے اسباب بھی فطری تخلیقی عمل کے تابع ہوتے۔ کہ زمین سے اس کی قوتیں خارج ہونا شروع ہوئیں۔ جن میں مختلف قسم کی گیسیں مثلاً ہائیڈروجن، آکسیجن، نائٹروجن وغیرہ شامل ہیں۔ انہی گیسوں کی آمیزش

---

[1] خاکہ تمثیلی ۱۵، ص۲۰۳ پر

سے ہُوا پیدا ہُوئی۔ ہائیڈروجن اور آکسیجن کا مُرکّب بنا تو پانی کا وجُود ظاہر ہُوا۔ یہی پانی مدتہا مدت، ہزاروں سال زمین پر برستا رہا۔ جس سے زمین کی ناری[1] قوتیں مُختلف شکلوں میں زمین سے خارج ہو کر ظاہر ہوتی رہیں۔ یہاں تک کہ زمین خالص خاکی ہیئت میں تبدیل ہو گئی۔ تو اِس میں سے خاکی وُجود خارج ہونے لگے۔ جن میں جمادات، نباتات اور حیوانات شامل ہیں۔ اِس کیفیت کی طرف قرآن بھی اشارہ کرتا ہے۔ کہ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ[2] حَيٍّ (اور ہم نے (زمین کی) ہر شے کو پانی سے (ایک خاکی) محسوس وجُود میں ظاہر کیا۔

واضح ہو کہ ابتدائً زمین کُرّہ ناری کی ہیئت میں تھی۔ اُس زمانہ میں فطری تخلیقی عمل کے تحت زمین سے ناری اجزاء نکلتے رہے۔ اِنہیں ناری اجزاء میں وہ ناری ہیولے بھی شامل ہیں۔ جنہیں قرآن "جِنّ" کے نام سے پکارتا ہے۔ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ۔ اور جِنّات کہ بنایا اُن کو ناری شعلوں سے (جمادات، نباتات، حیوانات کے خاکی وجُودوں سے) قبل۔ اور جب زمین نے پانی کے ذریعہ یکسر خاکی ہیئت اختیار کی تو فطری تخلیقی عمل کے تحت، زمین کے ناری ذرّات نے پانی کی آمیزش سے محسوس شکل اختیار کر کے جمادات، نباتات اور حیوانات کی ہیئتوں میں ظہور کیا۔ حیوانات میں ایک اعلےٰ نوع انسان کی ہے۔ یہ قسم بھی زمین کی پیداوار قرار دی گئی۔ جیسا کہ قرآن نے انسانی پیدائشی ترتیب بیان کی۔ اِنِّىْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ۔ مِنْ حَمَاٍ

---

[1] واضح ہو کہ۔ ابتداء میں زمین ناری ہیئت میں تھی۔ اس پر اپنی ناری روشنی موجود تھی۔ جبکہ اس وقت اندھیری ہیئت کا وجود موجود نہ تھا۔۔۔ اور جب تخلیقی عمل کے تحت زمین کے اجزاء تقسیم

[2] نباتات۔ جمادات۔ حیوانات

(باقی صفحہ ۲۰۸ پر)

(بسلسلہ حاشیہ ۲۰۷)

(ANALYSE) ہوتے رہے۔ تو ناری روشنی نے بھی تقسیم ہو کر ظلمت (اندھیری) ہیئت اختیار کی۔ گویا یہ ظلمت نور و نار کی آخری تقسیم شدہ ANALYSED ہیئت ہے۔ جو (فضا کی شکل میں) تمام زمین پر محیط ہے۔ اسلئے زمین پر ایک سیاہ ظلمت کا وجود محسوس ہوتا ہے۔ البتہ زمین کے سورج کی PULL & PUSH کی کشش میں محصور ہونے کی وجہ سے۔ سورج سے PUSH روشنی کی شعاعیں لمحہ ایتھری لہروں کے ذریعہ زمین پر نازل ہوتی رہتی ہیں۔ اسلئے اس روشنی کی زد میں آنے والا زمین کا ایک حصّہ۔ منوّر ہو کر۔ اس کی ظلمت سورج کی روشنی میں جذب ہو جاتی ہے۔ اور بقیہ عقبی حصّہ پر زمین کی اپنی ظلماتی ہیئت (اندھیرا) طاری رہتی ہے۔ زمین پر دن اور رات اسی تخلیقی عمل کے تابع ہے۔ کہ گردش زمین سے جو حصّہ سورج کی روشنی کی زد میں آتا ہے۔ وہ حصّہ "دن" سے تعبیر ہوتا ہے ـــ اور یہ عمل ہمیشہ ایک ہی حیثیت میں قائم ہے۔ اور زمین کے عقب کی فضا ہمیشہ ظلماتی (اندھیری) رہتی ہے۔ جب زمین اس فضا سے گردش میں گزرتی ہے۔ تو اس کیفیت کو "رات" سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ یعنی زمین پر "دن" کی کیفیت سورج کی روشن شعاعوں سے پیدا ہوتی ہے۔ اور زمین پر رات کا وجود خود اسکی ظلمت سے محسوس ہوتا ہے۔

اس تحقیق سے یہ امر واضح ہے۔ کہ زمین پر اس کی ظلماتی کیفیت "نور" کی آخری، تنزلی ANALYSED ہیئت قرار دی جاتی ہے۔ جس کے بعد کائنات کے تخلیقی عمل میں نور و نار کی مزید کوئی اور تقسیم باقی نہیں رہتی گویا۔ "تخلیق کائنات" میں۔ ابتدا ایک مثالی (سفید) رنگ (صِبْغَۃَ اللہِ) سے ہوتی ہے۔ اور اس نور کی آخری تخلیقی ہیئت ظلمت پر ختم ہوتی ہے۔

(حاشیہ صفحہ ۲۰۹) لے انسان سے سوا۔ ہر زمینی مخلوق کی بنیادی رُوح۔ زمین کے ناری ذرات سے ہے۔ اس کے مقابل انسان کی رُوح زمین سے باہر ناری ستیارہ سے ہے۔

مَّسۡنُوۡنٍ - اللہ تعالیٰ نے اِنسان کو ایک مخصوص نِظام کے تحت بنایا۔ یعنی زمین کی مٹّی کے جوہری مادہ سے اِس کا جسم بنا۔ لیکن اِس کی پیدائشی ترتیب میں اِس کا بنیادی مادہ (BASIC MATERIAL) مٹی رطین) نہیں بلکہ ناری قوّت سے لیا گیا۔ جیسے قرآن میں خَلَقَكُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ کے مطابق ایک جان، ایک رُوح، ایک ناری ہئیت یعنی رُوحِ حیوانی سے موسُوم کیا گیا۔ یہ ہئیت دُوسری جمادات، نباتات، حیوانات کے بُنیادی وجُودوں کی طرح زمین کی جُز نہیں بلکہ ناری ہئیتوں کے جُز سے مُستعار لی گئی۔ یہ ایک رُوح تھی۔ ایک زندہ وجُود تھا۔ جسے اللہ تعالےٰ نے اپنے تخلیقی منصُوبہ کے تحت مُقرر کرکے مِنۡ طِيۡنٍ۔ مِنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ۔ کے مادہ میں لاکر رکھ دیا یہی ایک ذرّۂ ناری ہے۔ جو انسان کا اَصل بُنیادی وجُود ہے۔ یہی ذرّۂ ناری ہے۔ جس نے حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ کی آمیزش سے ایک خاکی ہئیت میں ظہُور کیا۔ یہی ذرّۂ ناری ہے۔ جو بَشری شکل وصُورت میں آدم کے نام سے مشہور ہُوا۔ یہی آدم بَشری وجود ہے۔ جو تمام انسانی مخلُوق کی علّتِ اُولیٰ ہے۔ اِسی آدم سے تمام ذُریّتِ آدمی علّتُ معلُول کی شکل میں پیدا ہُوئی۔ پُشتِ آدمؑ میں جتنے بَشری ذرّات پائے جاتے ہیں اتنے ہی انسان علّت ومعلُول کی ترتیب میں قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے۔ جیسا کہ قُرآن نے اِس ترتیب کا ذکر کیا۔

خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلۡنٰهُ نُطۡفَةً فِيۡ قَرَارٍ مَّكِيۡنٍ ۝ بنایا اِنسان کو ناری زمین کے (جوہری مادہ) حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ رلیس دار دلدلی کیچڑ کے آمیزہ) سے پھر اِس کی تخلیقی ترتیب بدل کر اِس کے ایک علّت (باپ) سے، ماں کے رحم میں بنایا۔ (پارہ ۳۰ - سورۃ ۸۶ - آیت ۵ تا ۷) فَلۡيَنۡظُرِ

ل حاشیہ ملاحظہ ہو بر صفحہ ۲۰۸

الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۝ يَّخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ۝ پس پھر مخلوق کیا انسان کو اُچھلتے پانی کے ایک ذرّے سے، جو پانی باپ کی پیٹھ سے نکلتا ہے۔ اس پانی کے ایک ذرّہ سے لڑکا پیدا ہوتا ہے اور ماں کی چھاتی سے بھی ایک مادہ نکلتا ہے۔ جو ماں کے رحم میں آتا ہے۔ جس کی ایک جز عورت کی شکل میں پیدا ہوتی ہے۔ اب آئندہ آدمؑ سے لے کر آخری فرد تک انسانی تخلیق کی یہی ترتیب مقرر ہوئی۔ کہ باپ علّت بنا جس کی جز سے ایک بیٹا معلول ہُوا۔ آئندہ یہی بیٹا، باپ (علّت) بن کر ایک معلول پیدا کرتا ہے۔ اور یہ سلسلہ ہزارہا سال سے جاری ہے اور جاری رہے گا۔ اور آئندہ علّتِ انسانی میں جتنے اجزا، بیٹوں، بیٹیوں کی ہیئت میں انسانی وجود میں موجود ہیں پیدا ہوتے رہیں گے۔ اور آخر اس پیدائش کا بھی ٹھہراؤ ہوگا۔ یعنی علّت اوّل میں موجود آخری معلول انسانی وجود پیدا ہوگا۔ اِس حال میں کہ کوئی وجود باقی نہ رہے گا۔ تو اس اختتام پر کائناتِ ارض و سمٰوات کا بھی ارادۂ الٰہی کے تحت ٹھہراؤ ہو کر قیامت کا ظہور ہوگا۔ یہ قیامت صرف آسمانوں اور زمین پر طاری ہوگی۔ باقی عالمِ نوری (جو تمثیلی خاکوں میں دکھایا گیا۔) پر اُس قیامت کا نفاذ نہ ہوگا۔ کیونکہ ارادۂ الٰہی میں اصل منصوبہ زمین اور انسان پیدا کرنے کا تھا۔ اور اس کی تکمیل پر ہی اِس منصوبہ کا ٹھہراؤ اور قیامت کا نفاذ ہوگا۔ اِسی نفاذِ قیامت پر تخلیقِ کائنات کے نظام کا بھی تمتہ (اختتام) ہوگا کہ آئندہ علّت و معلول کے نظامِ تخلیق کے منصوبہ کے ختم ہونے پر علّت و معلول کی صورت میں کوئی نیا وجود پیدا نہ ہوگا۔ اور یہ ٹھہراؤ تخلیقِ کائنات کا انجام قرار پائے گا۔

تخلیق کائنات

(انسانی تخلیق سے ماخوذ دلائل کی روشنی میں)

قرآن نے تخلیق کائنات کی تحقیق و فکر کی دو نوعیتیں پیش کیں۔ اوّل۔ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ۔ تحقیق آسمان و زمین کی تخلیق میں نشانیاں (آثار) ہیں قبل از وقت اللہ پر "یقین رکھنے والوں کیلئے۔" دوم۔ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ ط اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ۔ اور تمہارے وجُودوں میں بھی نشانیاں ہیں۔ جو حواس و عقل سے پہچانی جاتی ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے؟!

جیساکہ بیان کیا گیا کہ تخلیقِ کائنات کی تخلیقی ترتیب میں دو نوعیتیں ہیں پہلی نوعیّت آیاتِ قرآنی کے مطابق تخلیق کی ابتدا اَللہ۔ "نُورِ مستقل"۔ "نُورِ اَحد" "علّت لامحدود" سے خاکوں کی شکل میں پیش کی گئی۔ یہ طریقِ تحقیق صرف لِّلْمُوْقِنِیْنَ کے لیے (جو محض رسُول کی شخصیّت پر بلادلیل اللہ کے وجُود کو قبل اَز وقت تسلیم کرتے ہیں۔) ہے۔

اب اس کی دوسری نوعیّت وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ کے طریقِ تحقیق پر کائنات کی تخلیق اِس کے تخلیقی عمل اِس کے بُنیادی وجُود۔ بُنیادی عِلّت کی پہچان کا طریق پیش کیا جاتا ہے۔

جیسے تخلیقِ کائنات میں انسان کو کائنات کی آخری تخلیق اور اسکے ٹھہراؤ (علّت معلُول) کو کائنات کا ٹھہراؤ (قیامت) تصوّر کیا جاتا ہے۔ ایسے ہی اب کائنات کے تخلیقی عمل میں انسانی تخلیق سے ابتدا کی جاتی ہے۔ چونکہ انسان خود مستقل وجُود نہیں رکھتا اور کسی علّت کا معلُول ہے۔ یہ بھی واضح ہو چکا ہے۔ کہ انسان بیٹے کی حیثیت میں باپ کا معلول ہے اور باپ۔ بیٹے (انسان) کی علّت ہے۔ اور علّت و معلُول کا یہ سلسلہ انسانِ اوّل (آدم) تک پہنچتا ہے۔ اور یہ بھی تحقیق ہو چکا ہے کہ انسان تین قوتوں کا مُرکب ہے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ انسان ایک ذرہ سے خلق ہوا۔ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۔ بنایا انسان کو ایک ناری ذرہ سے جس نے زمین کے جوہری مادہ (کیچڑ) سے ایک محسوس وجود حاصل کیا۔ اور یہ انسان کا بنیادی ـــــ جسمانی وجود کا ابتدائی نَفس وَاحِد (ذرّہ) ـــ ناری ہیئت کی خاصیت رکھتا ہے۔ اور یہی ناری ذرّہ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ سے خاکی ہیئت میں محسوس ہوتا ہے۔ اِسکے بعد ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ پھر انسان میں حواس خمسہ ۔ سامعہ (کان)۔ شامّہ (ناک)۔ ذائقہ (زبان)۔ بَصرہ (آنکھ) لامسہ (چھونا) بنائے ۔ اور حواس خمسہ کے افعال کی تکمیل کیلئے وَجَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَ الْاَفْئِدَۃَ ط انسانی زندگی میں حصُولِ مقصد اور تحقیق و فکر کے لئے خاص قویٰ یعنی کان۔ آنکھیں دماغ اور دل بنائے ۔ یہ قوتیں حصولِ علم کیلئے معاون ہیں۔ اور دماغ نَفسِ وَاحِد یعنی رُوح کا مسکن ہے۔ جس سے انسان علم حاصل کرتا ہے۔ اور اپنے ارادۂ و اختیار کو استعمال کرتا ہے یعنی اپنے مقصد۔ ارادہ کی اپنے ارادے سے خود تکمیل کرتا ہے ۔ اور تیسرے وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ ۔ انسانی مُرکّب میں ایک نوری رُوح شامل کی گئی۔ جس سے وہ اپنے اِرادہَ و اختیار سے گذشتہ بیان میں تمثالی خاکوں کی شکل میں دکھائے گئے نوری عالموں پر غلبہ حاصل کرتا ہے۔ یا اُنکی تسخیر کرتا ہے۔ یہ تین قوتیں وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ ـــ انسانی وجُود پر تحقیق سے علم میں آتی ہیں کہ انسان خُود مستقل نہیں بلکہ انسانی علت سے معلول ہُوا۔ اور اس کی جسمانی ساخت نُور۔ نار۔ خاک سے ہے ۔ اور اس کی ہیئت جسمانی میں حواس دماغ۔ دل ایسے قوٰی (ORGANS) ہیں۔ جن سے وُہ خُود مختار رہ کر اپنی قوتوں کو اپنے ارادے کی تکمیل میں استعمال کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ یہ تمام قوتیں فطری تخلیق کے تابع، انسان کی علت سے درتہ میں آتی ہیں اور یہ امر مُسلّمہ ہے کہ انسانی معلُول تین کیفیتوں سے بنا ہے ۔ اوّل خاک۔ دوم نار اور سوم نُور۔ لہٰذا ان قوتوں کا فطری

تخلیقی عمل کے تابع اس کی علت زمین میں بھی ہونا لازمی ہے۔ انسان کی علت زمین خاکی ہے۔ لہٰذا زمین میں بھی قوّتِ سمع۔ قوّتِ بصر۔ قوّتِ فہم۔ ارادہ کا ہونا فطری تخلیق کے تحت یقینی ہے۔ اِسی طرح اِنسانی وجُود میں ناری عُنصر پایا جاتا ہے۔ (جو رُوحِ حیوانی یا ایتھر کے نام سے موسُوم ہے) یہ عُنصر ستاروں سے مُستعار لیا گیا۔ کیونکہ کائنات میں ستاروں کی ہیئت ناری تسلیم کی جاتی ہے۔ بغیر ستاروں کے ناری ہیئت کسی وجُود میں نہیں۔ اِس لئے انسانی ناری ہیئت، ناری ہیئتوں سے تعلق رکھتی ہے۔ اِن ناری قوّتوں سے ہی زمین معلُول ہے۔ اِس لئے ناری قوّت میں بھی سمع، بصر، فہم ارادہ پایا جانا یقینی اور لازمی ہے۔ اِسی طرح نوری مُرکّب عالمِ نوری سے مُستعار لی گئی۔ چونکہ ناری ہیئتیں نوری ہیئتوں سے معلُول ہیں۔ لہٰذا معلُول کی صِفت کا علّت میں پایا جانا فطری تخلیقی عمل کے تحت یقینی ہے۔ چونکہ تخلیقِ کائنات میں فطری تخلیقی ترتیب اِسی اَنداز سے ہے کہ نور، نار کی علت ہے، نار، نور کی معلُول اور نار خاک کی علّت ہے۔ لہٰذا اس مقام پر انسانی ہیئت کو خاک (زمین) میں جذب کیا جائے تو انسان کی صِفات پر زمین بھی اِنہی صِفات پر تصوّر کی جائے گی۔ زمین چونکہ ستاروں کی معلُول ہے۔ اگر ستاروں کی ہیئت میں زمین کو جذب کیا جائے تو اپنی بازگشت میں زمین اپنی اصل میں، اپنے اِبتدائی تخلیقی تصوّر پر معدوم ہو جاتی ہے۔ اور سُورج کا تصوّر قائم ہوتا ہے۔ سُورج اپنی بازگشت میں اپنی علت میں سما جاتا ہے۔ تو سُورج کی علّت کا تصوّر قائم ہوتا ہے۔ یہ علتیں (تمام ستارے) آسمانِ اوّل میں اپنی بازگشت میں سماتے تو آسمانِ اوّل کا ابتدائی تصوّر قائم ہو جاتا ہے۔ اب آسمانِ اوّل کی ہیئت وحیثیت کا اَصل تصوّر قائم کرنا ہے۔ جس کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے۔

اوّل انسان، زمین۔ ستاروں کے وجود کی صفات خاصیتوں میں ایک خاکی۔ ناری۔ نوری مرکب کا تصوّر دوسرے ان وجودوں کی خاصیت یا صفت۔ ایک جسم یعنی جسامت۔ طول و عرض میں جسمانی وسعت ۔ تیسرے ناری وجودوں کی روشنی اور تپش۔ یہ مسلّمہ حقیقی خاصیتیں ظاہر ہیں۔ جن سے انکار نہیں۔ علت و معلول میں ہر وجود میں یہ خاصیتیں ورثہ میں تقسیم ہوتی ہیں۔ لہٰذا یہ ایک مسلّمہ اصول ہے۔ کہ معلول کی صفت پر ہی علت کا تصوّر قائم کیا جاتا ہے۔ اس طرح ہر معلول میں سمع، بصر، فہم و ارادہ بھی اس کی علت سے ورثہ میں تقسیم ہوتا ہے۔ لہٰذا معلول کی صفت پر ہی ہر علت میں تپش، روشنی، جسامت کی وسعت، طول و عرض ۔ سمع و بصر۔ فہم و ارادہ پایا جانا فطری تخلیقی عمل کے تحت مسلّمہ اور یقینی ہے۔ لہٰذا عالمِ نوری کے معلول کو اس کی بازگشت میں ضم کیا جائے۔ تو ہر علت کی ابتدائی ہیئت کا تصوّر قائم ہو کر، ہر علت کو انہی صفات۔ وسیع تپش۔ وسیع روشنی۔ وسیع جسامت، سمع، بصر، فہم و ارادہ کے مجموعی تصوّر کے ساتھ دیکھا جائے گا۔ یہاں تک کہ کائناتِ خلقت کی تخلیقی ترتیب کے تحت تمام علتوں کی علتِ اولیٰ نورِ ابتدائی میں ہر علت کو ضم[1] ہو کر، اس علتِ اولیٰ کے تصوّر میں بھی ان صفات کے تصوّر میں دیکھا جائے گا۔ جن میں قوتِ سمع، قوتِ بصر، قوتِ فہم، ارادہ، لاانتہا جسامت، لاانتہا تپش، لاانتہا روشنی کا مجموعی تصوّر قائم ہو جاتا ہے۔ یہ وجود بھی تخلیقی عمل کے تحت ایک علت کی معلول سمجھی جاتی ہے۔ لہٰذا اس وجود کی علت کا تصوّر ضروری ہے۔ کہ یہ

---

[1] ضم ہونے کی ترتیب کو سمجھنے کے لیے لِلمُوقِنِین کی ترتیب میں دیئے گئے خاکوں میں ہر علت کا تصور قائم کیا جاتا ہے جس میں ابتداءً اس کا معلول اپنی علت میں "رَتق" (جمع) ہوتا ہے

علت خود مستقل نہیں اور اس کی ہر صفت کسی علت سے وابستہ ہے۔ اس حال میں کہ اس معلول کی ایک حد محسوس کی جاتی ہے۔ لہٰذا اس معلول کے تصور میں ایک اور علت کا تصور قائم ہو جاتا ہے۔ جو اس نورِ اوّل، نورِ ابتدائی کے تصور میں سامنے آتا ہے۔
اس علت کا حقیقی تصور، گذشتہ معلول وجودوں کی ذات اور صفات پر قائم کرنا ہے۔ کہ آسمانِ اوّل کے ستاروں کی ذاتی ہئیت، ان کی جسامت، لاانتہا وسعت (طول وعرض) کی حامل ہیں۔ اسی طرح زمین سے قریب چند ستاروں کا درمیانی فاصلہ اربوں میل پایا جاتا ہے۔ اس تصور کے ساتھ آسمانِ اوّل کے مرکز میں فضا کا فاصلہ طول و عرض (لامحدود تصور کے ساتھ) انتہائی وسعت کا حامل ہے۔ اسی تصور پر خود آسمان کی ذات کی جسامت، اسی اعتبار سے تپش، روشنی، جس کا انسانی ذہن کوئی تصور قائم نہیں کر سکتا۔ انہیں تصورات کے ساتھ جبکہ معلول کی صفات پر اس کی علت کا تصور کیا جاتا ہے۔ کائنات کی مخلوق کی علتِ اولی (نورِ ابتدائی) کی صفت، ذات میں لامحدود وسعت و جسامت تپش روشنی میں لاانتہاء (انسانی ذہن میں نہ آنے والی) وسعت۔ اس کے ساتھ وسیع سمع و بصر۔ فہم و ارادہ کی صفات کے ساتھ اس علتِ اولی کا تصور قائم ہونا ضروری ہے۔
لیکن یہ وجود خود مستقل نہیں۔ اس معلول کی علت کا بھی اسی انداز سے تصور کیا جانا ضروری ہے۔ کہ اس علت میں بھی لامحدود جسامت (طول و عرض) لامحدود تپش، لامحدود روشنی۔ قوتِ سمع، قوتِ بصر۔ قوتِ فہم۔ قوتِ ارادہ تسلیم کرنا ضروری ہے۔
اور قرآن اس تصور کو اس طرح پیش کرتا ہے۔ کہ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ۔ اللہ کی ذات کا حقیقی تصور دلیا ہی ہے جیسا انسانی ذات و صفات کا تصور۔ کہ انسان خود مستقل نہیں بلکہ ایک علت کا معلول ہے۔ اس کی تمام صفات اس

کی علت سے وابستہ ہیں۔ لہٰذا انسانی ہیئت پر (بحیثیت معلول) اس کی علت کا تصور قائم کیا جاتا ہے۔ اور چونکہ کائنات کی تخلیقی ترتیب سے یہ امر واضح ہے۔ کہ علتِ اولیٰ تمام کائنات کی مخلوق کی علت ہے۔ اور اس علت کی بھی ایک علت ہے اس کا تصور انسانی فطرت (تخلیق) پر کیا جاتا ہے۔ کہ یہ ایسی علت ہے جس کی جسامت کی انتہا کسی طرح بھی احاطہ میں نہیں آسکتی۔ جس کی تپش لاانتہا۔ جس کی روشنی لاانتہا۔ جس میں قوی سمع و بصر پایا جاتا ہے۔ اور یہ علت اپنے فہم و ارادہ کو استعمال کرنے کی قدرت رکھتی ہے۔ اِس صفت کے اعتبار سے جبکہ یہ علت اپنا ارادہ و اختیار استعمال کرنے کی قدرت رکھتی ہے۔ اِس اعتبار سے یہ تصور قائم ہوتا ہے۔ کہ یہی وہ علت لامحدود۔ یقینی لامحدود ہے۔ جو اپنا ارادہ و اختیار استعمال کرتی ہے۔ یہی علت اپنے ارادہ و اختیار سے کائنات کی تخلیق کی ابتداء کرتی ہے۔ کہ نورِ اول، نورِ ابتدائی کا وجودی مُرکب اِسی علت کا نور۔ جزئی شکل میں۔ پہچانا جاتا ہے اور یہ پہچان کائنات کی فطری تخلیقی ترتیب میں خود بخود واضح اور ظاہر ہوتی ہے۔ تو اللہ اپنے وجود میں ایک نور تخلیق کرتا ہے۔ یہ تخلیقی عمل دلالت کرتا ہے کہ یہ نور۔ علتِ لامحدود، ایسی علت ہے جس کے بعد کسی علت "نور" کا وجود نہ ممکن ہے۔ اور نہ اُس کی حد کا احاطہ ہو سکتا ہے۔ اِس حال میں کہ یہ نور اپنے ارادہ و اختیار کو استعمال کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ لہٰذا اس تخلیقی عمل میں جبکہ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ۔ اپنی ذات سے فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا کی جملہ صفات کے ساتھ ہر وجود کی بازگشت میں اُس کی علت کو پہچانا جائے۔ تو یہ تمام پہچان، نورِ اول، نورِ ابتدائی پر آکر ختم ہو جاتی ہے۔ تو اس پہچان میں یہ تحقیق ہوتی ہے کہ تمام کائناتِ عالم کے تمام وجودوں کی بنیادی

سبب (MATER) ۔علت ۔ نورِ اوّل ۔۔۔ نورِ ابتدائی ۔۔۔ ہی سامنے آتا ہے ۔ تو کائنات کی ہر شے میں نورِ ابتدائی کو "بنیادی مرکب" کی صورت میں پہچانا جائے ۔ تو اس نور کو ہر شے کے بنیادی وجود میں عربی اصطلاح قریش میں "محمد" (پہچانا گیا) کے تعارفی نام سے پکارا جاتا ہے ۔ اور یہ نور ایک عظیم نور کے مرکز میں ، اسی نور سے معلول ہے ۔ تو اس علت کو جبکہ انسانی ذہن اس کی ابتدا ، مکان و زمان کے تصور میں کسی حد کو نہیں پاتا ۔ اور جس کی ذات کی تحقیق و فکر میں انسانی ذہن حیرت و درماندگی میں پڑ جاتے ۔ عربی اصطلاح قریش میں "اللہ" کے تعارفی نام سے پکارا جاتا ہے ۔ لہٰذا وَفِیٓ اَنۡفُسِکُمۡ کی ترتیب پر تحقیق و فکر کرنے سے بھی لِلۡمُوۡقِنِیۡنَ کی تحقیق و فکر کے عین مطابق اس کائنات کی ابتداء "اللہ" کے نور سے ثابت ہوتی ہے ۔ اور علت ہونے کے اعتبار سے خود علت اپنے معلول کی خالق ہوتی ہے ۔ اس لیے تخلیقِ کائنات کی تحقیق و فکر میں ۔۔۔۔۔۔ وَفِی الۡاَرۡضِ اٰیٰتٌ لِّلۡمُوۡقِنِیۡنَ ۙ وَفِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ ۔ کی آیت کی راہنمائی میں کائنات تخلیق میں ایسے تخلیقی نشان پائے جاتے ہیں ۔ جن سے کائنات کی علت کا پتہ چل جاتا ہے ۔ اور فطری تخلیقی عمل کے تحت خود علت ہی معلول کی خالق کے تصور میں "اللہ" کو کائنات کا خالق قرار دیا جاتا ہے ۔ اور "اللہ" کی ذات سے یہی صدا آتی ہے ۔ اِنِّیۡۤ اَنَا اللّٰہُ رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۔ تحقیق میں ہی اللہ ربّ العلمین ثابت ہوں ۔

تمت بالخیر

محمد نور الدین اویسی

۴۰۴۳ ۔ لنک روڈ ۔ ایبٹ آباد (پاکستان)

شجرۂ عالیہ اُویسیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

دِل کو اطمینان ہو راحت ہو جاں کے واسطے
میرے مُرشد مولوی محمدؐ امینؒ کے واسطے

دِل میں نورِ معرفت آئے بصیرت آنکھ میں
رہبرِ دین حضرتِ نور الزماںؒ کے واسطے

علمِ قرآں سے میں ہو جاؤں سزاوارِ بہشت
شاہ عارفؒ قاریٔ خلد آشیاں کے واسطے

اَے خدا تیری مشیّت ہر قدم پر ساتھ ہو
شاہِ لونگؒ آں رہنمائے سالکاں کے واسطے

سرِّ عرفاں سے مجھے آگاہِ لطف اندوز کر
آں شہِ عبدُاللطیفؒ نکتہ داں کے واسطے

عشق میں تیرے رہوں ممتازِ اقراں اَے خدا
خواجہ قرنیؒ اِمامِ عاشقاں کے واسطے

دولتِ رُوحانیت سے مجھ کو مالا مال کر
شیرِ حق حیدرؓ شہِ روحانیاں کے واسطے

دو جہاں میں اپنی رحمت سے مجھے کر بہرہ مند
رحمتِ عالمؐ شہِ کون و مکاںؐ کے واسطے

شجرۂ عالیہ قادریہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بمولانا و پیرِ کاشمیری — بحضرت شاہ محمد آمین نامی

بمولانا شہِ نور الزماں خاںؒ — بحافظ عارفؒ ذی علم و عرفاں

بحضرتِ لونگؒ قطب دیں پناہی — بشیخ عبد اللطیفؒ شہ بھٹائی

بحضرت شاہ حبیب اللہ نامیؒ — بشاہِ عبد قدوسؒ گرامی

بحضرت شاہ جمالِ معنوی غوثؒ — شاہ عبد الکریم بلہڑی غوثؒ

بہ سلطانِ براھیم بہاریؒ — بحضرت شیخ احمد لطف بہاریؒ

بحضرت شہ علی احمدؒ گرامی — بحضرت شاہ شرف الدینؒ نامی

بحقِ شہ شہابُ الدین قاسمؒ — بشاہ بدر دینؒ اہلِ مراسم

بحق شاہ نور الدینؒ پُر انوار — بحق شاہِ شمسُ الدینؒ دیندار

بسیفُ الدین بن یحییٰ امجدؒ — باں شاہِ ظہیر الدین احمدؒ

باں بُو صالح نصرِ مکرمؒ — بحق سیدِ عبد الرزاقؒ

بحق غوثِ اعظم شاہِ جیلاںؒ — بشاہِ بُوسعید آں شیخِ دوراںؒ

بشاہ بو الحسن ابنِ علی پیرؒ — محمد یوسفِ قرشی رضا گیرؒ

بشیخ بُو الفرح طرطوسی ماؒ — ابو الفضلِ تمیمی ہادیٔ ما

بحق حضرت بُو بکر شبلیؒ — باں سید جنیدِ باغدادیؒ

بحق بو الحسن سری سقطیؒ — بحق خواجه امام معروف کرخیؒ

بحضرت جعفر صادق مکرمؒ — بحضرت باقر شاه معظمؒ

بزین العابدین سجاد ذی شانؓ — بحسنین آن امامان و شهیدانؓ

بحق حیدر شاه ولایتؓ — بحق حضرت ختم الرسالتؐ

مرا راضی کن و راضی شو از من

ز عصیان و ضلالت دار ایمن

شجرۂ عالیہ نقشبندیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شربتِ کوثر کا طالب ہے تو اے مومن اگر ساقیٔ کوثر کے خادم محمد امین کے پاس آ
جان و دل کو ساتھ لا اُس پر فدا کے واسطے

بادۂ وحدت کا طالب اور شارب ہے تو آ نور الزمان دے رہا ہے دیں کا طالب ہے تو آ
جان و دل کو ساتھ لا اُس پر فدا کے واسطے

سنتِ نبوی پہ چلنے کا جو طالب ہے تو آ رنگ صدیقی ہے پھر اُس کا جاذب ہے تو آ
رنگ جا رنگِ صحابہؓ میں خدا کے واسطے

کر منور نور سے اپنے ہمیں مثلِ سحر ظلمتِ عصیاں ہو ہم سے دور اے ربّ البشر
فردِ توحید مجرد نور الزماں کے واسطے

ہوں عمل محمود میرے اور حامد ہو زباں طاعتِ حق میں رہوں مصروف میں ہر دم بجاں
شاہ مظفر شاہ صاحب بے ریا کے واسطے

ہو غلامی پیر کی کامل نصیب دوستاں جس سے ہو جاتا ہے حاصل قربِ رحمٰن بے گماں
شہ غلام علیؒ اہلِ دعا کے واسطے

مظہرِ صدق و صفا ہے مرشدِ کامل مرا میں فنا ہو جاؤں اُس میں بوقت اندر فنا
شیخ کامل جانِ جاناں میرزاؒ کے واسطے

نور کی تیری دو عالم میں چمک ہے جا بجا کر منور دل کو میرے اور ظلمت سے بچا
حضرتِ نورِ محمدؒ پر ضیا کے واسطے

ہیں ترے احسان ہم پر بیشمار اے ذوالمنن
فضل سے پیر کے ہمارے دُور ہوں رنج و محن
حضرتِ محسنؒ سراجُ الاولیاء کے واسطے

ہے تمنا میری تجھ سے یہ کہ اے شاہِ وحید
اپنی سیفِ عشق سے مجھکو بھی تو کر دے شہید
شاہ سیفُ الدینؒ شاہِ دوسرا کے واسطے

زہد و تقویٰ مجھ کو دے معصوم کا سا اے خدا
زنگِ عصیاں سے مُصفّا کر الٰہی دِل مرا
خواجۂ معصومؒ شاہِ اصفیا کے واسطے

ہو مجدّد دین کا اور خادم شرع متین
مولوی نور الزماںؒ ہے پیر میرا اے خداوند معین
حضرتِ احمد مجددؒ مقتدا کے واسطے

تو ہے باقی ہم ہیں فانی تو ہے مولا ہم غلام
رکھ کمر بستہ عبادت میں ہمیں اپنے مدام
باقی باللہؒ شاہِ اقلیم لقا کے واسطے

خواجگی دارین کی دے مجھ کو اے شاہِ جہاں
خواری دارین سے مجھ کو بچا اے مستعاں
خواجہ امکنگیؒ امام الاتقیاء کے واسطے

بے نوا بے برگ ہوں محتاج ہوں درویش ہوں
فضل کر مجھ پر کہ میں بس خوار ہوں درویش ہوں
خواجہ درویشؒ محمد بادشاہ کے واسطے

زاہدوں کے ساتھ میں ہو حشر میرا الٰہی ضرور
گرچہ مجھ میں ہیں بھرے لاکھوں خطائیں اور قصور
حضرت زاہدؒ محمد پارسا کے واسطے

عبد کر لے خاص اپنا مجھ کو تو مثلِ عبید
دُور کر دے میرے دِل تو خیالِ عمرو زید
شاہ عبید اللہؒ صاحب باعطا کے واسطے

چرخِ اُلفت میں ہے دلِ مثلِ گردوں بیقرار ڈھونڈتا تجھ کو پھروں دن رات جوں لیل و نہار

خواجۂ یعقوبؒ چرخی پیشوا کے واسطے

دے علوی مرتبت توحید میں مجھ کو خدا سب میں تیرا ہی میں دیکھوں جلوہ مولا برملا

شیخ علاؤالدینؒ تاج الاصفیا کے واسطے

نقش ہو جان دل پہ میرے مثلِ پیرِ نقشبند دل ہو میرا نقشبندی اور جان ہو دردمند

شہ بہاؤالدینؒ شہ شاہ و گدا کے واسطے

کاسۂ حرص و ہوا کو توڑ دے میرے صبور جام دل میں میرے بھر دے بادۂ عشق و سرور

حضرت میر کلالؒ مقتدا کے واسطے

بندگانِ خاص میں لکھ دے الٰہی میرا نام یعنی ہو جاؤں محمدؐ پہ میں قربان الکلام

بابا سماسیؒ محمدؐ جانِ خدا کے واسطے

خلق سے بیزاری ہو وردِ زباں ہو یا علیؓ سب لطائف کو میرے کر دے جلی اے قوی

اس علی رامیتنیؒ حق نما کے واسطے

حمد ہو وردِ زباں اور دل میں ہو تسبیح رب ہر سر مو سے ہو جاری ذکر سلطاں روز و شب

حضرت محمودؒ صاحب خوش ادا کے واسطے

کر دے عارف دے کے عرفاں اے میرے بندہ نواز نحن اقرب تیے سنایا اب دکھا دے اُس کا راز

شہ محمد عارفؒ ذاتِ خدا کے واسطے

ہے تُو ہی ہر چیز کا خالق خدائے لایزال دے مجھے چشمِ بصیرت اور عبادت میں کمال

عبدالخالقؒ پارسا بدرالدجیٰ کے واسطے

گریۂ یعقوبی سے تو چشمِ دل آباد رکھ — چاہ میں اپنی خدایا دل ہمارا شاد رکھ

یوسف ہمدانیؒ شمس الضحیٰ کے واسطے

وِردِ ہو ہر لمحہ میرا یا علی و یا عظیم — اور رہے طاعت میں تیری دل میرا ہر دم سلیم

بو علی فارمدیؒ نور الہدیٰ کے واسطے

دوستوں پر منقسم کر دیں اور حور و قصور — عاشقوں کو تو دکھا دے جلوۂ انوارِ طور

خواجہ بوالقاسمؒ عزیز دوسرا کے واسطے

دے مجھے توفیق نیک اعمال کی اے ذوالمنن — ہادیٔ مطلق ہے تو ہی سب کا رب بے سخن

بوالحسن خرقانیؒ پیرِ ہدیٰ کے واسطے

آتشِ جاں حرز دے دل میں تو مثلِ بایزید — جان و دل سب ہی نہیں لیکن کہیں ھل من مزید

بایزیدؒ شاہِ دیں اولِ تقا کے واسطے

دِل میرا صدق و صفا کا کر دے مخزن اے خدا — فضل سے اپنے تو کر دے میری پوری التجا

جعفر صادقؒ رخشۂ ملکِ رضا کے واسطے

تیرے ہی سب نام پر تقسیم کر دوں مال و جاں — مال و جاں تجھ پر فدا کیا بلکہ سب ہی خانماں

اُس امامِ قاسمؒ بحرِ سخا کے واسطے

جادۂ نبوی پہ میں قائم رہوں دائم رہوں — اور ہمیشہ شرک و بدعت کا بدل ہادم رہوں

حضرتِ سلمانؓ فارس پارسا کے واسطے

جوشِ صدیقی ہو دل میں نعرہ زن ایسا کریم — جس سے ٹکڑے ہوں جگر کے اور دل بھی ہو دو نیم

حضرت صدیق اکبرؓ باصفا کے واسطے

قلب میں ہو عشق تیرا اور بھرا وحدت کا نور　　درد ہو دل ماسوا سے ماسوا ہو دل سے دُور

عاشقِ اوّل محمد مصطفیٰ کے واسطے

یا الٰہی بادۂ وحدت کا دے ایک جام　　محو ہو دل سے دُوئی باقی رہے اک تیرا نام

اپنی ذاتِ لم یزل دائم بقا کے واسطے

ہو سعید اور منشی پر الطاف کی یا رب نظر　　مضطر و بے تاب ہیں افکار سے مثلِ شرر

اپنے فضل و رحمتِ بے انتہا کے واسطے

درودِ منظوم رأسُ التابعین امامُ العاشقین

سیّدنا خواجہ اویس قرنی رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

صَلِّ یَا رَبِّ عَلٰی رَأْسِ فَرِیْقِ النَّاسِ
مِنْہُ لِلْخَلْقِ اَمَانٌ بِزَمَانِ الْبَاسِ
صَلِّ یَا رَبِّ عَلٰی مَنْ ھُوَ فِیْ حُرِّ غَدٍ
کُلُّ مَنْ یَظْمَأُ یَسْقِیْہِ رَحِیْقَ الْکَاْسِ
صَلِّ یَا رَبِّ عَلٰی مَنْ بِرَجَآءِ الْکَرَمِ
خَصَّ مَنْ جَاءَ اِلَیْہِ لِعُمُوْمِ النَّاسِ
صَلِّ یَا رَبِّ عَلٰی مُوْنِسِ کُلِّ الْبَشَرِ
مُبْدِلِ الْوَحْشَۃِ فِی الْقَبْرِ بِاسْتِیْنَاسِ
صَلِّ یَا رَبِّ عَلٰی رُوْحِ رَئِیْسِ الرُّسُلِ
نَقْتَدِیْ نَحْنُ عَلٰی اَرْجُلِہٖ بِالرَّاسِ
صَلِّ یَا رَبِّ عَلٰی ذِیْ نِعَمٍ دَآئِمَۃٍ
اَنْعَمَ الْیَوْمَ عَلَی الْخَیْرِ بِلَا مِقْبَاسِ
صَلِّ یَا رَبِّ عَلٰی صَاحِبِ شَرْعٍ حَسَنٍ
فَرَّقَ النَّاسَ مَتٰی جَاءَ مِنَ الْخَنَّاسِ

صَلِّ یا رَبِّ عَلٰی ذِی کَرَمٍ اُمَّتُہٗ
تَدْخُلُ الْجَنَّۃَ فِی الْحَشْرِ بِلَا وَسْوَاسِ

صَلِّ یا رَبِّ عَلٰی مَنْ ھُوَ لَوْلَاہُ لَمَا
یَشْمَلُ النَّامِیَۃُ الْکَوْنَ مَعَ الْحَسَّاسِ

صَلِّ یا رَبِّ عَلٰی مَنْ ھُوَ مِنْ عِصْمَتِہٖ
یَعْصِمُ الْحَقُّ مُحِبِّیْہِ مِنَ الْخَنَّاسِ

صَلِّ یا رَبِّ عَلٰی مَنْ ھُوَ مَنْ عَاذَ بِہٖ
لَمْ تَصِلْ قَطُّ اِلَیْہِ یَدَیِ الْوَسْوَاسِ

صَلِّ یا رَبِّ عَلٰی مَنْ ھُوَ مِنْ بَارِقَۃِ
السَّیْفِ قَدْ اَذْھَبَ قَطْعاً بَصَرَ الشَّمَّاسِ

صَلِّ یا رَبِّ عَلٰی صَاحِبِ نَوْعِ الشَّرَفِ
مَیَّزَ النَّاسَ بِہٖ الْفَصْلَ مِنَ الْاَجْنَاسِ

صَلِّ یا رَبِّ عَلٰی مَنْ لِنَخِیْلِ الْکَرَمِ
فِی رِیَاضِ الْاُمَمِ الْیَوْمَ لَنَا الْغَرَّاسِ

صَلِّ یا رَبِّ عَلٰی مَنْ بِغِنَاءِ الْکَرَمِ
مِنْ بُیُوْتِ الْفُقَرَآءِ یَذْھَبُ بِالْاَفْلَاسِ

صَلِّ یا رَبِّ عَلٰی عِتْرَتِہِ الطَّاھِرَۃِ
وَعَلَی الصَّحْبِ مَعَ الْحَمْزَۃِ وَالْعَبَّاسِ

صَلِّ یا رَبِّ عَلٰی مَنْ لِاُوَیْسٍ مِنْہُ
طَعُصَرَ الْقَالَبُ وَالْقَلْبُ مِنَ الْاَدْنَاسِ